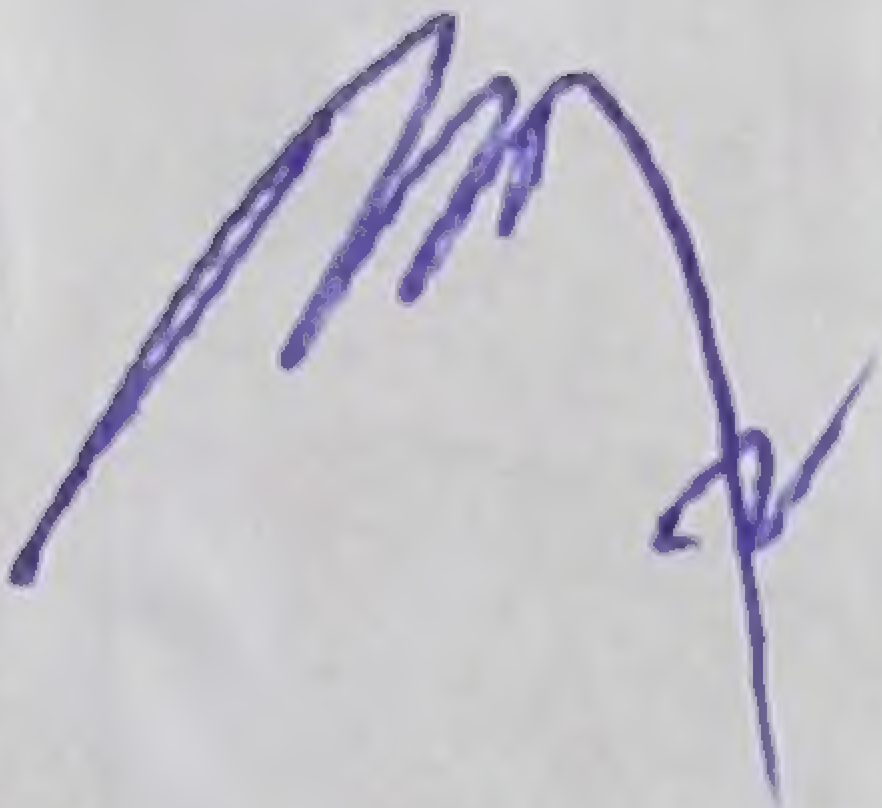


کلیات

حسرت موہانی

مولانا حسرت موہانی

تعداد ——— ۱۰۰۰

طابع ——— نعمانی پریس

قیمت ——— ۱۵-۰۰

——— ۱۹۷۷

شفیق بک ڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی

859

فہرست مضامین

ملنے کا پتہ
نازپبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

پیش گفت

(مولانا جمال الدین عبدالوہاب صاحب المعروف بہ جمال میاں فرنگی محلی)

مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں ہماری داستان حریت کے عنوان میں ان کا نام اور اس کے ہر باب میں ان کے کارنامے ہیں ان کے ارادے عہد اور نگاہ دوررس تھی۔ انہوں نے پچاس برس پہلے آزادی کامل کا نعرہ لگایا اور اس کے حصول کا مکمل لائحہ عمل پیش کیا۔ پاکستان کے وجود میں آنے سے دس سال پہلے اس کا خاکہ بنایا اور ایک سال پہلے اس کے آئین کے بنانے پر زور دیتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد وہ ہندوستان میں رہے اور جس طرح برطانوی استعمار کے شباب میں اس کے جہاد سے نہیں ڈرے، اسی طرح کانگریسی عہد کے عروج کے زمانے میں نئے حاکموں کی بدعنوانیوں پر احتجاج سے نہیں جھجکے حالات کتنے ہی ناسازگار ہوئے مگر وہ مطمئن اور مستقل رہے ؎

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے

مایوس کر سکا نہ ہجوم بلا مجھے

ان کی شخصیت کی طرح ان کی شاعری بھی توصیف سے مستغنی ہے حاکموں نے ان کو ستانے اور نقصان پہنچانے کیلئے قید کی سزائیں دیں۔ لیکن چکی کی مشقت اور تنہائی کی اذیت سے ان کی فطری حسن نوازی اور مشغفازی میں اضافہ ہوا۔ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی جھنکار نے معجز نگار حسرت کو نغمہ سرا کر دیا اور ان کی سخن گوئی سے اردو غزل زندہ اور شگفتہ ہو گئی ہے

خوب لکھی غزل جزاک اللہ
حسرتِ سحر کار کیا کہنا

کلیات حسرت ان کے حالات اور خیالات کا ایک دلکش مرقع ہے اور غزل گوئی کا انتخاب ہے اور ہر حیثیت سے لاجواب ہے۔

ان کی ہمہ گیر شخصیت کا تصور کرتے ہی ان کی درویشی و سادگی استقلال و بہادری جرأت و حق گوئی کے اوصاف ذہن میں آجاتے ہیں مگر ان کا سب سے نمایاں وصف ان کی "فطری بے غمی" اور "ہر حال شادمانی" تھا جب وہ پہلی بار جیل جا رہے تھے دیوانِ حافظ ان کے پاس تھا۔ جس کی یہ غزل فال کی طرح نکلی اور قید خانہ میں وہ اس کو برابر دہراتے رہے۔ ے

خیز تا در مے کشا دے طلبیم
بر در دوست نشینم و مرادے طلبیم

اس غزل میں ایک شعر ایسا ہے جس میں مولانا حسرت کے پورے فلسفہ حیات کی ترجمانی ہے

چوں غمت نا توان یافت مگر یا دل شاد
ما بہ امید غمت خاطر شادے طلبیم

وہ بلاشبہ سید الاحرار اور رئیس المتغزلین ہیں مگر ان کا اصلی رتبہ ان درجات سے بلند ہے وہ سچے صوفی اور سچے دلی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بے نظیر شخصیت ان کے پیر کی سب سے بڑی کرامت اور ان کی شاعری مرشد کی جناب میں بہترین نذر عقیدت ہے

نذر رزاق ہے حسرت مرے اشعار کا داغ

جمال ۔ ۲۹ر شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ

نوٹ: کلیات حسرت کے مقدمہ کے سلسلہ میں درج ذیل کتابوں اور رسالوں سے مواد اخذ کیا گیا ہے اور بعض جگہ پوری پوری عبارتیں نقل کر دی گئی ہیں حوالے دینے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ہم ان تمام مضمون نگار حضرات اور مدیران رسائل کے تہہ دل سے متشکر ہیں۔

(۱) حالات حسرت از مولانا عارف ہسوی مرحوم
(۲) حسرت موہانی از پرنسپل عبد الشکور صاحب
(۳) مقدمہ کلیات حسرت از عشرت رحمانی صاحب
(۴) حسرت نمبر رسالہ نگار لکھنؤ از جناب نیاز فتحپوری
(۵) حسرت نمبر رسالہ اردو ادب علی گڑھ از آل احمد سرور صاحب

ان کے علاوہ رسالہ اردوئے معلی کی قدیم جلدوں اور مولانا حسرت موہانی کے غیر مطبوعہ روزنامچوں سے بھی کافی مواد حاصل کیا گیا ہے۔

مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مقدمۂ کلیاتِ حسرت

مختصر سوانح حیات

مولانا سید فضل الحسن حسرت رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے ان کا مولد اودھ کا مشہور قصبہ موہان ہے جو علم و فضل کا مرکز ہونے کی وجہ سے خطۂ اودھ کا یونان کہا جاتا ہے حسرت تخلص نام سے زیادہ مشہور ہوا ہے

عشق نے جب سے کہا حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

وطن سے ایسا لگاؤ تھا کہ اس کی طرف نسبت نام کا جزو بن گئی اور حسرت موہانی مشہور ہوئے۔ امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ والد کا نام سید اظہر حسن تھا ان کے جد امجد سید محمود نیشاپور سے موہان آئے تھے اس نیشاپوری نسبت کا ذکر ان کے ایک شعر میں بھی ہے۔

کیوں نہ ہوں اُردو میں حسرت ہم نظیری کے نظیر
ہے تعلق ہم کو آخر خاکِ نیشاپور سے

ابتدائی تعلیم پرانے طرز پر ہوئی۔ قرآن شریف اُردو و فارسی کی متداول کتابیں میاں جی غلام علی موہانی اور میاں جی بلاقی موہانی سے پڑھیں۔ بعد کو موہان مڈل اسکول میں داخل ہوئے جس کے ہیڈ ماسٹر پنڈت لچھمی نرائن مولانا پر بہت مہربان تھے۔ ۱۸۹۴ء میں وہیں سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور پورے صوبہ میں اوّل آئے۔

حسرت کے والد ماجد سید اظہر حسن کی کچھ جائداد فتحپور ہسوہ میں تھی جس کے انتظام کے لیے ان کا قیام فتحپور میں رہتا تھا۔ چنانچہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے وہ اپنے والد کے پاس گئے اور ۱۸۹۹ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول فتحپور سے انھوں نے ہائی اسکول کا امتحان خاص امتیاز سے پاس کیا جس پر انھیں سرکاری وظیفہ بھی ملا۔ یہیں انھوں نے عربی و فارسی کی بھی تکمیل کی۔ فتحپور ہسوہ کی آب و ہوا حسرت کی ادبی و ذہنی تعلیم کے لیے بہت راس آئی۔ یہاں مولانا سید ظہور الاسلام جو ایک نہایت متقی و پرہیزگار اور با صفات بزرگ تھے ان کے علاوہ مولانا نور محمد اور مولانا حبیب اللہ بن جیسے بزرگوں کا فیض بھی نصیب ہوا[۱]۔ دیوان ہاشم کے دیباچے میں حسرت نے لکھا ہے۔

"دو فارسی غزلیں قیام فتحپور کے اس زمانے کی یادگار ہیں۔ جب کہ حضرت استاد یعنی مولانا سید ظہور الاسلام مرحوم نیز حضرت نیاز فتحپوری مرحوم کے والد ماجد کے

۱؎ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

فیض قرب نے نظم و نثر فارسی کی مشق کا ایک خاص شوق پیدا کر دیا تھا۔

وہ صورتیں نہ جانے کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

سید ہاشم ساکن کوڑہ اور مولانا نیاز فتحپوری اس زمانے کے مخصوص احباب میں تھے حسرت فتحپور کے اثرات کو کبھی نہیں بھولے ؎

اب تلک موجود ہے کچھ کچھ لگا لائے تھے ہم
وہ جو اک لپکا کبھی خاک جہان آباد سے

فتحپور سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کی دعوت پر علی گڑھ پہنچے۔ یہاں ان کے ہم جماعت خادم کعبہ مولانا شوکت علی جیسے سیاسی رہبر سید سجاد حیدر یلدرم جیسے ادیب، ان کے احباب میں عبدالہادی خاں وفا اور کرامت اللہ خاں گستاخ اور ان کے اساتذہ میں پروفیسر جے سی چکرورتی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور ڈاکٹر ضیاء الدین جیسے نامی گرامی حضرات تھے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں انھوں نے بی اے کا امتحان ریاضی اور عربی کے اختیاری مضامین کے ساتھ پاس کیا۔

علیگڑھ کے زمانۂ تعلیم ہی میں ان کے ادبی ذوق اور سیاسی رجحان کا شہرہ ہو چکا تھا اور ان کی سرگرمیوں کے سلسلے میں وہ کالج سے بھی نکالے گئے اور بی اے کا امتحان انھوں نے پرائیوٹ طور پر دیا۔

اردوئے معلّٰی امتحان کا نتیجہ نکلنے سے پہلے ہی انھوں نے اردوئے معلّٰی نامی رسالہ نکالنا شروع کر دیا تھا۔ اس رسالے کا پہلا پرچہ جولائی سنہ ۱۹۰۳ء میں نکلا۔ اردوئے معلّٰی میں ادبی مضامین کے علاوہ مذہبی اور سیاسی امور پر بھی مضامین

شائع ہوتے تھے۔ سیاسی مضامین کا درجہ یہ تھا کہ ۱۹۰۴ء میں مولانا شبلی مرحوم نے اردوئے معلی کا پہلا سیاسی مضمون پڑھ کر داد دی اور لکھا:

ایں کہ گفتی حکایات سحرات

روز روشن ہنوز در تندا ست[1]

(آج جبکہ زبانوں کے قفل ٹوٹ گئے ہیں حکومت کا جا و بیجا بدنام و مطعون کرنا بلکہ اس کے خلاف زہر اگلنا بچوں کا کھیل ہو گیا ہے۔ انقلاب زندہ باد کے نعرے گلی کوچوں میں ہر کہ ومہ کی زبان پر ہیں۔ سیاسی مظاہرے ہنگامے، ہڑتالیں اور مرن برت بھی زندگی کا روزمرہ ہو رہا ہے جیل جانا تو معمولی سی بات ہے جس پر یہ ٹھپا نہیں لگتا۔ اس کے بے پبلک لائف میں کوئی جگہ ہی نہیں (جن لوگوں نے اس ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں اور اس فضا میں پرورش پائی ہے ان کے لیے اس کیفیت کا اندازہ کرنا جواب سے پچاس برس پہلے ملک پر چھائی ہوئی تھی اور ان لوگوں کی اولوالعزمی اور جانبازی کا اندازہ لگانا کہ جنھوں نے سوتی ہوئی قوم کو جگایا آسان بات نہ ہوگی۔۔

۔۔۔۔ (اس گدلی فضا میں حسرت موہانی نے آزادی کا چرچا دلیری اور بے باکی سے شروع کیا۔۔۔۔۔۔۔[2]

مئی ۱۹۰۴ء میں انڈین نیشنل کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ حسرت نے اس میں ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے شرکت کی ۱۹۰۵ء میں انھوں نے آل انڈیا انڈسٹریل کانفرنس میں حصہ لیا۔ اور اسی وقت سے سودیشی کی تحریک کے مبلغ بن گئے۔)

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی [2] پنڈت کشن پرشاد کول، نگار، حسرت نمبر

اُردوئے معلّٰی میں متعدد مضامین سودیشی کی حمایت اور بدیشی مال کے بائیکاٹ کے بارے میں شائع کئے کانگریس کی کارروائیاں درج کیں موتی لال، گوکھلے اور کانگریس کے نرم فریق پر نکتہ چینیاں کیں ان کی ہمدردیاں تلک کے ساتھ تھیں (تلک کی شان میں متعدد اشعار ان کی کلیات میں بھی موجود ہیں)

۱۹۰۶ء میں کانگریس کا اجلاس سورت میں ہوا جس کے بعد تلک کی پارٹی کانگریس سے نکل آئی اور حسرتؔ نے بھی کانگریس کو چھوڑ دیا۔ حسرتؔ نے اسی زمانے میں دفاعی مزاحمت کا لائحہ عمل پیش کر دیا تھا جسے بعد کو گاندھی جی نے اپنایا۔

"حاکم سے محکوم اپنے ملکی حقوق کو تین ہی صورتوں میں لے سکتے ہیں اوّل درخواست مرحمت کے ساتھ گدایانہ دست طلب دراز کر کے جس کا بیکار ہونا قطعی ثابت ہو چکا ہے دوسرے خونریزی و فساد کے ذریعہ حاکم کو مغلوب و مجبور کر کے جس کی بہ ظاہر حالات کوئی صورت نظر نہیں آتی پس اب ہمارے لیے سوائے اس کے اور کوئی کارروائی مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ فی الحال نہ تو ہم گداگری کی ذلت گوارا کریں نہ جنگ و جدل کی آزمائش میں پڑیں بلکہ ان دونوں سے علیحدہ رہ کر دفاعی مزاحمت کے درمیانی طریقے پر چلنا شروع کر دیں جو مفید ہونے کے بجائے کبھی مضر ہو ہی نہیں سکتا اور یہی وہ بات ہے جس کی بنا پر مزاحمت کی پالیسی کو طلب کی پالیسی پر مرحجانات بہم حاصل ہے۔ کیونکہ بحالت ناکامی گداگر کی طبیعت مایوسی کے ایسے تعرمیں گر جاتی ہے جس سے دوبارہ نکلنا اس کے لیے بالکل محال ہو جاتا ہے لیکن برخلاف اس کے مزاحم اگر ناکام بھی رہے تو دوران مزاحمت میں اسے جو قوت اور تجربہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ کسی طرح زائل نہیں ہو

سکتا "۔[1]

۱۹۰۸ء میں اسی رسالہ میں ایک مضمون مصر میں انگریزوں کی حکمت عملی پر شائع ہوا جس پر حکومت نے حسرت پر مقدمہ چلایا۔ مضمون نگار بقول علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم علی گڑھ کے ایک اور ہونہار طلب علم اقبال سہیل مرحوم تھے مگر حسرت نے مضمون کی پوری ذمہ داری اپنے سر لی اسی مقدمہ کے نتیجہ میں ان کو قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ اس زمانے میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کئے جاتے تھے اس کا اندازہ حسرت کی آپ بیتی پڑھکر ہوتا ہے جو مشاہدات زنداں کے عنوان سے انھوں نے بعد میں اردوئے معلی میں شائع کئے اسی قید کے زمانے میں ان کے والد سید اظہر حسن کی وفات ہوئی۔

۱۹۱۰ء میں حسرت رہا ہوئے اردوئے معلی پھر جاری ہوا اور حسرت نے پھر نہایت شد و مد کے ساتھ اپنے سیاسی خیالات کی تبلیغ شروع کر دی اور اپنے سیاسی مسلک کو ایک بار پھر اس طرح واضح کیا۔

" اردوئے معلی کی دوبارہ اشاعت پر چند احباب نے بہ مقتضائے محبت و ہمدردی یہ صلاح دی ہے کہ ہم کو اب پالٹیکس سے اب بالکل دست کش ہو جانا چاہئے بعض کا مشورہ یہ تھا کہ اگر سیاسی مضامین بھی ہوں تو مسلم لیگ کی مسلمہ پالیسی کے موافق ہوں۔ چند دوستوں نے جو یقیناً زیادہ آزاد خیال ہیں یہاں تک اجازت دی کہ اگر جمہوریہ اہل ہند کی ہم خیالی منظور ہو تو کانگریس کے فریق نرم

---

[1] اردوئے معلی اگست ستمبر ۱۹۰۷ء

کی روش اختیار کی جائے۔

ہم پر ان تمام نیک مشوروں اور مصلحت کوش اصلاحوں کا شکریہ فرض ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی ایک ایسی چیز ہے جس کو کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کر دینا اخلاقی گناہوں میں سے ایک بدترین گناہ ہے جس کا ارتکاب کا کسی تربیت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کو خیال بھی نہیں آسکتا۔ پالیٹکس میں ہم مقتدائے وطن پرستاں مسٹر تلک اور سرگروہ احرار بابو اربند و گھوش کی پیروی کو اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس حیثیت سے فیروز شاہی کانگریس سے ہم کو اتنی ہی بیزاری ہے جتنی امیری مسلم لیگ یا نوزائیدہ لالچندی کانفرنس ہے۔ اور ہمارے خیال میں یہ بیزاری بالکل حق بجانب ہے اس لیے کہ دنیا کی رفتار اور اہل دنیا کے طبایع کا میلان صریحاً حریت کی جانب ہے چنانچہ خوابیدہ براعظم ایشیا میں بھی ہندوستان کے سوا کوئی اور بڑا ملک اس وقت آزادی کی نعمت سے محروم نہیں۔ پس عقل سلیم کسی طرح باور نہیں کر سکتی کہ تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک باقی رہے جس کی قسمت میں محکومی دوام لکھ دی گئی ہو۔ ایسا گمان بظاہر مشیت ایزدی کے سراسر خلاف نظر آتا ہے غرض کہ ارباب و دانش کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ فرنگی حکومت کا غیر طبعی نظام ہمیشہ کے لیے ہندوستان میں باقی نہیں رہ سکتا اور اپنی موجودہ صورت میں تو اس کا چند سال قائم رہنا بھی دشوار نظر آتا ہے گرم فریق کے رہنما عموماً اور بابو اربند و گھوش خصوصاً تمام پولٹیکل کوششوں میں مذکورہ بالا اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں اس واسطے ہمارے نزدیک وہ حق پر ہیں برخلاف اس کے راہنمایان فریق نرم۔

پیروان مسلم لیگ اور بانیانِ ہند دکانفرنس اہل ہند اور دوامی محکومی کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ہمارے انتہائی عروج کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ ہم غلام سے ترقی یافتہ غلام یا محکوم سے خوش حال محکوم ہو جائیں یہ لوگ آزادی ہند کی خواہش کو خواب وخیال سے زیادہ رفعت نہیں دیتے ان کا دائرہ خیال سے دائرہ عمل میں بھی بنایت تنگ اور محدود ہے ان کی روش دنیا کی رفتار حریت کے خلاف اور اس لیے قطعی طور پہ ہر لحاظ سے ناقابل قبول ہے۔

ملک کی سیاسی تحریکوں سے یہ دلچسپی صرف تحریر یا مضمون نگاری تک محدود نہ رہی بلکہ اب انھوں نے ملک کی سیاست میں عملی طور پہ بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا چنانچہ سدیشی کی تحریک کے لیے مضامین لکھنے کے ساتھ ساتھ ملک کے مختلف مقامات کے دورے کیے اور لوگوں کو سدیشی مال استعمال کرنے کی ترغیب دلائی انجمن خدام کعبہ اور ہلال احمر کی تحریکوں میں حصہ لیا متعدد مضامین دول مغرب کی کارستانیوں کے خلاف لکھے سدیشی کی حمایت میں علما کے فتوے حاصل کیے اور مشتہر کیے۔ ترکوں کے لیے چندہ جمع کیا۔ اور ترکی روانہ کیا اسی زمانے میں حکومت صوبجات متحدہ نے ان کے پریس سے تین ہزار کی ضمانت طلب کی۔

حسرت نے اردوئے معلیٰ بند کرتے ہوئے اس واقعہ پر یوں تبصرہ کیا ہے۔

اُردو پریس کا خاتمہ

ضمانت کے نئے نوٹس

۱۲ مئی سنہ ۱۹۰۳ء کو ۹ بجے شب کے قریب علی گڈھ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بذات خاص وارد ہو کر راقم حروف کے سامنے حکومت کی جانب سے ایک نوٹس پیش کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اردو پریس میں چونکہ از روئے پریس ایکٹ ۱۹۱۰ء بعض الفاظ مذمت چھپے ہیں اس لئے ایک ہفتہ کے اندر تین ہزار روپیہ کی ضمانت مجسٹریٹ ضلع کے پاس داخل کی جائے واضح ہو کہ اردوئے معلی پریس کی کل کائنات ایک لکڑی کے پریس اور دو پتھروں پر مشتمل ہے جس کی مجموعی قیمت پچاس روپے سے زائد نہیں۔ ایسے بے بضاعت پریس سے تین ہزار روپیہ ضمانت طلب کرنا مضحکہ انگیز ہونے کے علاوہ حیرت سے گذر کر کینہ پروری کی حد تک پہنچ گیا ہے جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ اردو پریس کا کسی صورت سے جاری رہنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ خیر مئی دار لو پریس بند ہو جائے گا۔ مگر بند ہو کر اپنے بعد سر جیمس میسٹن .... کی قدردانی کا یہ افسانہ یادگار چھوڑ جائے گا کہ آپ نے ایک بے مایہ دستی پریس سے اتنی کثیر رقم طلب کی جس سے زیادہ اس وقت تک شاید ہندوستان میں کسی بڑے سے بڑے سٹیم پریس سے بھی نہیں لی گئی ہم جناب موصوف کی اس خاص نوازش کو مصداق ہر چہ از دوست می رسد نیکوست بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ ایک بات البتہ قابل اطمینان اور لائق شکر ہے وہ یہ کہ اس قسم کے نوٹس سے راقم کو کسی قسم کا مالی جسمانی یا روحانی صدمہ نہ اس وقت تک پہنچا نہ آئندہ پہنچے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سر جیمس میسٹن اور ان کے مانند جملہ ارباب قہر و غرور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کا

ناراضی اہل دولت وجاہ کے بیے خواکیسی ہی مہیب اور اہم کیوں نہ ہو مگر ہم سے آزاد نفز دں کا اس سے مرعوب و مغلوب ہونا کسی صورت سے ممکن نہیں ہے ۔ اردو پریس ۱۹ مئی کو بند ہو جائے گا۔ الحمد للہ کہ وہ اپنا فرض ادا کر کے بند ہو گا۔ جن میں تحریکوں کے پیش نظریہ پریس جاری کیا گیا تھا وہ اس وقت جملہ اہل ملک کو معلوم ہو کر پوری ہو چکی ہیں نایاب ادبی کتابوں کی اشاعت بہت کچھ ہو چکی باقی آیندہ ہوتی رہے گی ۔ آزادیٔ خیال اور طلب حریت کا جذبہ جمہور میں عام ہو چکا ہے ۔ مدیشی اور بائیکاٹ کی روز افزوں ترقی کا زمانہ شروع ہو چکا ہے اور اب آخر کار انجمن خدام کعبہ کی تجویز بھی مسلمانوں کے روبرو پیش کر دی گئی ہیں ۔

ہم نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا ہے کہ ان تمام تحریکوں کی اعانت ہر حال میں اور ہر وقت اپنے اوپر لازم سمجھیں گے اگر تحریر کے ذریعہ سے ممکن نہ ہو گا تو تقریر کے ذریعہ سے اور اس سے نہ ہو سکے گا تو عملی کارروائی تحریر و تقریر دونوں سے زیادہ مفید اور زیادہ ضروری ہے اس سے ہم کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ وما توفیقی الا باللہ" [1]

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس موقع پر "الہلال" میں تحریر فرمایا تھا

تین ہزار روپے کی ضمانت پریس ایکٹ کی مقدار مقررہ انتہائی کے اندر ضرور ہے لیکن عملاً پانچ سو یا ہزار سے زیادہ طلب نہیں کی جاتی ہے اور صرف دو ایک مثالیں دو ہزار کی سنی گئی ہیں پھر ہز آنر سر جیمس مسٹن بالقابہ کا دربار سکوت وجلال

---

[1] اردوئے معلیٰ جون ۱۹۱۳ء ۶

نہیں معلوم اتنی بڑی سنگین رقم کے لئے کیا وجہ بیان کر سکتا ہے۔ گورنمنٹ اس سے بے خبر نہیں کہ اُردوپریس اور اس کے مالک کی حالت کیا ہے حسرت موہانی جب قید سے رہا ہو کر آئے تو کوئی چیز اس دنیا میں ایسی باقی نہ تھی جو اس کے لیے ذریعہ تقریب مال ہوتی دو ڈیڑھ روپے ماہوار کرایہ کا ایک جھونپڑا ہے جس کے اندر ایک چھوٹی سی صحنچی اور کوٹھڑی ہے اور باہر بھی اتنی ہی مکانیت ہے اندر وہ فقیر حریت مع اپنی کوہ عزم و ثبات بیوی کے رہتا ہے اور باہر کاٹھ کا دستی پریس اور دو چار پتھر ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خود اس نے اپنے ہاتھوں سے اردوئے معلیٰ کی کاپیاں لکھی ہیں خود ہی پتھر پر جمائی ہیں اور خود ہی پریس چلا کر چھاپا ہے یہ کل کائنات اردو پریس اور اس کے مالک کی ہے کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی نہیں اور نہ اس کی طبع غیور کسی کا شرمندۂ احسان ہونا پسند کرتی ہے اردوئے معلیٰ کے دو چار سو خریدار ہیں اس کی قیمت سے شاید چند روپے مہینے میں بچ رہتے ہیں اور اسی سے دو وقت کی روٹی کھا کر نشۂ آزادی کی بے خودی اور دولتِ لازوالِ حق و صداقت کے غناء بے فانی سے مست رہتا ہے ۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کہ ایں قوم

شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

اصلی دولت دل کی دولت ہے اور غناء فقر کے آگے دنیا کے تمام ساز و سامان ہیچ ہیں جو فقر و فلاکت کی زندگی و حریت کی معیت میں گرد خاک پر بسر ہو وہ چاندی سونے کے بنے ہوئے ان ایوان تعیش سے ہزار درجہ بہتر ہے جن کے اندر حق کے چراغ کی روشنی نہ ہو۔ خدا کے دروازے کا فقیر ہونا دولت و بندگان دولت کے فقیر ہونے سے کیا بہتر نہیں؟ یہی تو اس راہ کے منازل امتحان ہیں۔ ان حالات کے ساتھ ایک فقیر زندگی

شخص سے تین ہزار کی ضمانت طلب کرنا یقیناً ایک ایسا واقعہ ہے جو برٹش انڈیا کی تاریخ اور گورنمنٹ کے اظہار سطوت و جلال کو ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا۔"

اُردوئے معلیٰ کے بند ہونے کے بعد حسرت نے معاش کی جو راہ اختیار کی وہ ایک طرح سے ان کے سیاسی جذبات کی تسکین کا باعث بنی۔ انھوں نے خود ایک سودیشی اسٹور کی بنا ڈالی جس پر مولانا شبلی نے خود فرمایا تھا "تم آدمی ہو یا جن پہلے شاعر تھے پھر پالیٹیشن بنے اور اب بنیے ہو"[1] حضرت اکبر الہ آبادی نے بھی ایک قطعے میں اس تجارت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

تھا دلِ حسرت بھر ارمان مسلیس	ہم نے لکھ بھیجا انھیں موہان میں
بھائی صاحب رکھ دو تم اپنا قلم	ہاتھ میں لو اب تجارت کا علم
ہو چکی غیروں سے خویشی کی بہار	بس دکھاؤ اب سودیشی کی بہار

کام کو اٹھو چڑھاؤ آستین
لا یضیع اللہ اجر المحسنین

سید الاحرار ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قایم ہوئی۔ لیکن اس کی سیاست کا نقطۂ پس لے ابتدائی دور کی طرح سرکار سے عرض و معروض تک منحصر تھی ۱۹۱۰ء میں تقسیم بنگلہ کی منسوخی نے مسلمانوں کی سیاست کا رخ پھیر دیا۔ ۱۹۱۳ء میں کانپور کی مسجد کے ایک حصے کے انہدام پر طول و عرض ہند کے مسلمانوں میں ایک ہیجان عظیم پیدا ہو گیا۔ مولانا محمد علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں کے مضامین اور تقریروں

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

اور علامہ شبلی اور مولانا آزاد سبحانی کی نظموں نے مسلمانوں کے سیاسی خیالات میں انقلاب عظیم برپا کر دیا سر علی امام مہاراجہ صاحب محمود آباد مرحوم اور شیخ الوقت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے مسجد کانپور کے قضیے کا اختتام مصالحت پر ہوا۔

یہی زمانہ تھا جس میں آغا خان کی سرپرستی میں مسلم یونیورسٹی کی تحریک ہندوستان میں کھڑی ہوئی اور مسلمان اس کی طرف متوجہ ہوئے لیکن چند ہی روز یہ سامان سکینت ایک نئے اضطراب کا پیش خیمہ بن گیا یعنی یونیورسٹی کن اختیارات اور شرائط کے ساتھ لی جائے اس بحث نے مسلمانوں کے نرم و گرم دو فریق پیدا کر دیئے اور یہی وقت ہے جب مسلمانوں میں احرار نے جنم لیا جن کے رہنماؤں اور پیروں میں مولانا محمد علی مرحوم شوکت علی مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد ظفر علی خاں اور حسرت موہانی تھے اور یہیں حسرت موہانی کو "سید الاحرار" کہا جانے لگا۔ لے

سنہ ۱۹۱۴ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس آگرہ میں منعقد ہوا اس میں مولانا حسرت نے حصہ لیا۔ کانپور کی مسجد کے قضیے کر لینے کے سلسلے میں لارڈ ہارڈنگ کے شکریے کا ریزولیوشن اس اجلاس میں جب پیش ہوا تو مولانا حسرت نے اس کی مخالفت کی ہے

نظر بندی اور قید

اسی سال پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں حکومت مولانا حسرت کو صف اول کے قائدین میں شمار کرتی تھی مسلم یونیورسٹی کے بارے میں بھی ان کی سرگرمیاں حکومت کی نظر پسندیدہ نہ تھیں۔ پہلے ان کی خانہ تلاشی ہوئی اور اس کے بعد "نظر بندی" کا حکم دیا گیا جس کو حسرت

لے علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم ہے علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

نے ماننے سے انکار کر دیا اور مئی ۱۹۱۶ء میں للت پور جیل میں قید کر دیے گئے۔ حکومت ہند نے اس گرفتاری کا سبب ممالک غیر سے تعلق قرار دیا۔ فضل الحسن حسرت موہانی علیگڑھ کے مشہور شورش پسند کو حکومت صوبہ متحدہ نے للت پور ضلع جھانسی میں نظر بند کر دیا۔ یہ معلوم ہوا کہ ان کا اور مولانا ابو الکلام آزاد کا ارادہ کابل جانے کا تھا۔ یہ بھی خبر ملی ہے کہ ان کو اور مولانا ابو الکلام کو برکت اللہ کی عارضی حکومت ہند کی طرف سے مراسلات وصول ہوئے ہیں لے

مولانا حسرت کی اہلیہ اور ان کے احباب نے کوشش کی کہ وہ نظر بندی قبول کر لیں اور جیل کی شدائد میں اپنے آپ کو نہ ڈالیں مگر مولانا کے ضمیر نے اسے گوارا نہ کیا وہ تسلیم ستم کریں۔ اس زمانے میں انھوں نے ایک خط اپنے مرشد نا وے۔ حضرت شیخ الوقت مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو لکھا جس سے اس پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ وہ جیل کو نظر بندی پر کیوں ترجیح دے رہے تھے۔

لے "خلافت اور عدم تعاون کی تاریخ" از پی سی بامفورڈ۔ حکومت ہند کے محکمہ سراغرسانی کے ڈپٹی ڈائرکٹر پی سی بامفورڈ نے یہ رسالہ لکھا تھا جو حکومت ہند کے مطبع میں چھپا اور صرف سرکاری افسروں میں تقسیم کے لئے تھا چونکہ اس کا ماخذ خفیہ پولیس کی فراہم کی ہوئی خبریں اور مخفی سرکاری کاغذات تھے اس لیے اس کی عام اشاعت ممنوع تھی یہ رسالہ سرکاری نقطۂ نگاہ سے لکھا گیا تھا لیکن اس لحاظ سے نہایت کارآمد ہے کہ اس میں مسلمانوں کی سرگرمیوں اور قربانیوں کا تفصیلی حال ملتا ہے جن سے ہندو وقائع نگاروں کی تحریریں عموماً خالی ہیں۔

للت پور ۱۸ مئی ۱۹۱۶ء

مخدومی و مطاعی۔ السلام علیکم۔ آج جناب کے گرامی نامے نے عزت افزائی کی۔ آپ دریافت فرماتے ہیں کہ میں نظر بندی پر قید کو کیوں ترجیح دیتا ہوں۔ میں نے جناب کی سمع خراشی کے خیال سے پہلے نہیں کہا تھا اب عرض کرتا ہوں کہ قانون حفاظت ہند چونکہ جلدی میں بنایا گیا ہے اس لیے اس میں بہت سی خامیاں رہ گئی ہیں میں ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں اصل حال یہ ہے کہ اس قانون کی رو سے میرا مقدمہ یہاں کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں ہو نہیں سکتا یا تو ہائی کورٹ میں ہو گا یا پھر سر جیمس مسٹن کو گورنر جنرل سے منظوری لے کر پہلے قانون حفاظت ہند کی ۹ دفعوں کو صوبجات متحدہ میں یا کسی مقام پر جہاں میرا مقدمہ ہو گا نافذ کرنا ہو گا اس لیے کہ ان صوبجات میں ابھی صرف دو دفعہ نافذ ہیں ان دوسرے دفعات کے نفاذ کے بغیر لفٹیننٹ گورنر بھی کچھ نہیں کر سکتا اس کے بعد وہ البتہ اسپیشل کمشنر مقرر کر سکتا ہے جو خاص میرے مقدمہ کے لیے مقرر کئے جائیں گے اول تو اسپیشل کمشنروں کے تقرر کی نسبت خدا کے فضل سے بعض ایسی قانونی باریکیاں میرے ذہن میں آئی ہیں جن کا اظہار میں اس وقت نہیں کر سکتا مگر جن کی بنا پر ان کمشنروں کو میرے خلاف مقدمہ چلانے میں سخت دقت پیش آئے گی اور اگر بالفرض انھوں نے زبردستی مقدمہ چلایا بھی تو قید سخت کی سزا تو وہ دے ہی نہیں سکتے اس لیے کہ میرے اعتراضات سب مذہبی یا اخلاقی ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ کوئی عدالت کسی شخص کو اپنے اخلاق اور مذہب کے خلاف عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی نہ ایسے احکام کی خلاف ورزی پر جو اخلاقی و مذہبی حیثیت سے کسی شخص کے نزدیک ناقابل قبول ہوں قید سخت کی سزا دے سکتی ہے پس رہی قید محض۔ اس میں اور نظر بندی میں کوئی فرق نہیں اور جب حال یہ ہے تو ظاہر ہے

کہ میں نظر بندی کو منظور کر کے جبر و ستم کے سامنے عاجزی دکھا جاری ....
کے ساتھ سر جھکا دینے کی ناقابل برداشت ذلت کو خواہ مخواہ کیوں گوارہ کر دوں۔

فرض کیجئے کہ میرا خیال صحیح ثابت نہ ہوا اور قید سخت کی سزا ہی مجھے دی جائے تو میں حکم قید ماننے سے انکار کر دوں گا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ظاہر ہے کہ اس میں مجھ کو کسی قدر تکلیف برداشت کرنی پڑے گی لیکن اپنی ذات کو اس تھوڑی سی تکلیف سے بچانے کے لیے میں اپنے اس اصول کو نہیں چھوڑ سکتا کہ تسلیم ستم بشرطیکہ امکان بہرحال میں ناجائز ہے۔

مسٹر محمد علی نے اس باب میں مجھکو ایک نہایت طویل خط لکھا تھا در جواب نے بھی علیحدہ کے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ "لقد کان لکم رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اور حضور کا ایسا امور کا اختیار کرنا متواتر ہے، میں نے ان کو اسی وقت جواب لکھ دیا تھا اور آپ کی خدمت میں بھی گذارش ہے کہ حضور کے وجود گرامی کے ساتھ بنائے اسلام و قیام اسلام کا ایک اس درجہ اہم امر وابستہ ہے جس کے لحاظ سے اس ذات متعلق کی حفاظت کے لیے جو کچھ کیا جاتا مناسب تھا لیکن ہر عامی کا وجود ہرگز اتنا اہم نہیں ہو سکتا کہ اس کے لیے بھی وہی عذر قابل قبول سمجھے جائیں۔

دنیاوی مثال سامنے موجود ہے کہ بادشاہ یا فوج کے جنرل کے لیے حالت جنگ میں بہت ایسی باتیں جائز ہوتی ہیں جو ایک سپاہی کے لیے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو سکتیں اور ظاہر ہے کہ موجودہ جنگ کذب و صداقت میں میری حیثیت ایک معمولی سپاہی سے زیادہ نہیں ہے پس میرے لیے صرف اپنی ذات کی حفاظت کے لحاظ سے پیٹھ دکھانا یا جبر و ستم کے مقابلے میں صبر کر کے بیٹھ رہنا کسی طرح مباح نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو غالباً امام

حسین کی شہادت واقع نہ ہوتی حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ امام علیہ السلام کی ذات مبارک اس عہد کی افضل ترین ذات تھی جس کی حفاظت کا خیال بہت زیادہ جائز سمجھا جا سکتا تھا۔ بہرحال میری یہ توجیہ صحیح ہو یا غلط میرا دل کسی طرح اس حکم نامعقول کو گوارا نہیں کرتا۔

گورنمنٹ سے جو امداد نظربندوں کو دی جاتی ہے وہ سب خیراتی فنڈ سے دی جاتی ہے چنانچہ میرے نام جو حکم اس کے متعلق آیا تھا اس میں یہ صاف لکھا ہوا تھا مجھے اس کے لینے میں بیشک تامل ہے تو مذہبی اعتبار سے دوسرے اس خیال سے بھی کہ انکار حکم نظربندی کے اسباب میں سے میں ایک سبب اس واقعہ کو بھی قرار دینا چاہتا ہوں اور مشتبہ ہونے کی حالت میں میرا فائدہ اسی میں ہے کہ میں اس کو مذہبی سبب قرار دوں اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے جائز ہے۔

علاوہ بریں ظلم و ستم نہ کرنے کی بابت جتنی آیتیں میں نے منتخب کی ہیں انکی نسبت بھی ویسا ہی ہوگا کہ اگر ان سے جواز انکار کا شائبہ بھی نکلتا ہو گا تو میں ان کو اپنے لیے دلیل مذہبی قرار دوں گا کیونکہ اسی میں میرا فائدہ ہے۔ فائدہ مذہبی بھی اور دنیاوی بھی۔ مذہبی اس لحاظ سے کہ اگر کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے میں شبہہ ہو تو جو طرز عمل مذہب کی رو سے بہتر معلوم ہو اور جس میں گناہ کا اندیشہ نہ ہو وہی اختیار کرنا چاہیئے اور دنیاوی اس طور پر کہ وجوہ انکار کے اخلاقی و مذہبی ثابت ہونے پر کوئی عدالت قید سخت کی سزا غالباً نہیں دے سکتی۔

میں نے کارڈ سے پہلے ایک لفافہ بھی خدمت مبارک میں روانہ کیا تھا جس میں اخیر میں لکھا تھا کہ بعد ملاحظہ عالی وہ مولانا ابو الکلام کو بھیجدیا جائے۔ غالباً جناب نے بھیجدیا ہو یہ عریضہ بھی بعد ملاحظہ ان کو بھیجدیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ انھوں نے بھی قریب قریب

وہی باتیں مجھکو لکھی ہیں جو جناب نے تحریر فرمائی ہیں اور ان کو بھی وہی جواب دوں گا جو جناب کو دیا ہے پتہ ان کا یہ ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد ایڈیٹر "البلاغ" بذریعہ پوسٹ ماسٹر۔ رانچی

ABUL KALAM AZAD

C/o POST MASTER RANCHI.

میں نے لفٹنٹ گورنر کے پاس جو تحریر روانہ کی ہے اس کا کچھ جواب نہیں آیا شاید غور کر رہے ہوں گے کہ کیا کرنا چاہئے کیونکہ بظاہر ان کو بھی اس کا فیصلہ آسان نظر نہ آتا ہوگا۔ مقدمہ معلوم نہیں اب کس تاریخ کو اور کہاں پیش ہوگا یہی کافی ہوگا باقی کسی بیرسٹر وغیرہ کی جیساکہ غالباً میری بیوی نے آپ سے عرض کیا ہوگا بظاہر حالت ابھی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی اچھا ہوا کہ کوئی صاحب تشریف نہ لائے کہ انہیں مفت میں زحمت ہوتی اور میں بیکار زیر بار احساں ہوتا۔

فقط کمترین فضل الحسن

حضرت مولانا عبد الباری صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس خط کا جو جواب دیا تھا وہ بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جواب از حضرت مولانا عبد الباری صاحب

آپ کا طویل خط پہنچا مجھے آپ کے مقصد کا علم نہ تھا اس واسطے میں مسئلے کو ظاہر کرتا تھا لہذا اب بھی کہتا ہوں کہ جو مناسب اور مفید ہو عمل کیجئے۔

ہر فعل جو قابل شکایت کفار ہو جائز ہے چاہے اس میں خطرۂ جان کیوں نہ ہو مگر کوئی فعل جس میں اہانت مسلم اور کوئی مقصد نہ ہو شرعاً جائز نہیں

اور ہمارے حضور نے شریعت کو عمل کر کے دکھا دیا ہے اس واسطے کوئی بات

حضور کی از خود کہ وہ خصوصیت نہیں رکھتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ خداوند عالم کسی امر کو حضور کے ساتھ مخصوص کر دے۔ بہر حال میری تحریر آپ کے طرز عمل کے منافی بھی نہیں ہے۔

میں بلا شبہ آپ کی پریشانی کے خیال سے کسی شخص کے بھیجنے کی فکر میں تھا اور تعجب ہے کہ خلاف امید مجھ سے شیخ شاہد حسین نے کہلا بھیجا ہے کہ اگر تم کہو تو میں بلا فیس حسرت کی تائید کرنے جا سکتا ہوں اگر آپ کی رائے ہو تو مطلع کیجئے میں نے خود بھی ان کو ابھی کوئی جواب نہیں دیا ہے میں آپکے لئے دست بدعا ہوں اللہ تعالیٰ اجرام آپکی فلاح دارین کا باعث ہو اسکی توفیق دے! والسلام

۱۹۱۹ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ بھی اس کے ساتھ ہوا مولانا حسرت نے اس میں بھی نمایاں حصہ لیا۔

مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر منعقدہ ۱۹۱۹ء میں ایک تجویز منظور کی گئی جس کے ذریعہ حکومت برطانیہ کی اس بے توجہی کی شکایت کیگئی جو خلاف جزیرۃ العرب کے بارے میں مسلمانان ہند کے جذبات کے ساتھ روا رکھی گئی ہے اس تجویز میں کہا گیا ہے کہ مسلمانان ہند آئینی ایجی ٹیشن کے تمام ذرائع اختیار کرنے میں حق بجانب ہونگے اس تجویز میں حسرت موہانی نے ایک ترمیم پیش کی جسمیں ان ذرائع میں ہندوستانی افواج کا بائیکاٹ بھی شامل تھا کیونکہ ان نتائج کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ شہنشاہی اور غیر اسلامی مقاصد کے لئے ہندوستان کے باہر استعمال کی جانیوالی ہیں یہ ترمیم کافی اہمیت رکھتی تھی کیونکہ بعد کو علی برادران نے اسکو عملی جامہ پہنا کر ہندوستانی افواج کی وفاداری کے بارے میں خلل ڈالنے کی کوشش کی لہ

امرتسر کے اجلاس کانگریس کے بعد گاندھی جی کے مشورے پر مسلمانوں کے ایک وفد نے وائسرائے سے ملاقات کی مولانا حسرت بھی اس وفد میں شریک تھے محرومی و معروض وجواب کے بعد وائسرائے سے ہاتھ ملانے کا امرازی لمحہ آیا تو حسرت چپکے سے اٹھ کر بے ہاتھ ملائے کترا کر اس طرح نکل گئے کہ کسی نے

لہ خلافت اور عدم تعاون از یامفوبہ جو۔

دیکھا بھی نہیں"۔ لے

۱۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو ایک مسلم وفد نے وائسرائے سے ملاقات کی اس وفد کا مقصد صلح کانفرنس میں خلافت کیلئے ان کی ہمدردیاں حاصل کرنا اور اس کیلئے انگلستان ایک وفد بھیجنے کیلئے آمادہ کرنا تھا۔ وفد میں ۳۵ آدمی تھے۔ علی برادران، اجمل خاں، انصاری، عبدالباری، سیٹھ چھوٹانی، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی اور ڈاکٹر کچلو کے علاوہ گاندھی اور شردھانند بھی اس میں شریک تھے۔ ۲ے

مولانا حسرت موہانی نے ترک موالات کی تحریک میں بھی سرگرم حصہ لیا۔ دسمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں ہوا اس میں انھوں نے شرکت کی۔

اسی سال مولوی فضل الحق کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دہلی میں ہوا۔ اس اجلاس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ پہلی بار علماء نے مولانا عبدالباری کی سرکردگی میں سیاست میں عملی حصہ لینے کا فیصلہ کیا گاندھی جی نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی۔ مولانا حسرت شروع ہی سے چرخے اور کھدر کیخلاف تھے اور سودیشی کے موافق تھے چنانچہ اس اجلاس میں بھی کھدر اور چرخے کے بارے میں گاندھی جی کی تجویز سے انھوں نے اختلاف کیا۔

آزادی کامل

اب ۱۹۲۱ء کا سال آیا جب گاندھی جی کانگریس پر چھائے ہوئے تھے ادھر خلافت کے لیڈر محمد علی۔ شوکت علی۔ ڈاکٹر کچلو ظفر علی خاں۔ تصدق احمد شروانی۔ ڈاکٹر محمود، مولانا ابوالکلام، حسرت موہانی وغیرہ تھے ترک موالات کا زور تھا اخیر دسمبر ۱۹۲۱ء گاندھی جی نے ہندوستان کو سوراج ملنے کی آخری تاریخ مقرر کی تھی احمد آباد میں کانگریس کا یہ تاریخی جلسہ تھا محمد علی شوکت علی اور ابوالکلام نظر بند تھے باقی حضرات شریک تھے۔ ڈاکٹر انصاری اور سید محمود کے

لے علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم ۲ے خلافت اور عدم تعاون از باقر رضوی۔

سالانہ اجلاس ہی میں [1] بھی تھا اجلاس کے پنڈال کے باہر مسلمانوں کی قیام گاہ کے سامنے ایک شامیانے میں مغرب کے بعد مسلمانوں کا جلسہ تھا حکیم صاحب وغیرہ موجود تھے گاندھی جی خاص طور سے مسلمانوں سے کچھ کہنے کے لیے آئے ہوئے تھے اتنے میں دیکھا کہ کانگریس کی سبجیکٹ کمیٹی کے پنڈال سے کچھ لوگ بھاگے ہوئے ڈاکٹر انصاری آئے اور گاندھی جی سے نہایت اضطراب کے ساتھ کہا "جلدی چلئے سبجیکٹ کمیٹی میں حسرت موہانی نے ہندوستان کے استقلال کی تجویز پیش کر دی ہے اور کسی طرح واپس نہیں لے رہے ہیں" فضا میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی گولہ گر پڑا ہے چنانچہ گاندھی جی وغیرہ بھی جلسے سے اٹھ کر سبجیکٹ کمیٹی میں چلے گئے مگر حسرت ـ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے. حسرت بدستور اپنی بات پر جمے رہے اور نوٹس دیا کہ وہ اس کو کھلے اجلاس میں پیش کریں گے [2]

احمد آباد کانگریس کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت منظرِ عام پر آئی جس نے مقاصد کانگریس کے حصول کیلئے رسمی طور پر تشدد کی حمایت کی. حسرت موہانی نے سبجیکٹ کمیٹی اور کھلے اجلاس میں دونوں جگہ زور دیا کہ کانگریس کے کریڈ (مقصد) طریقِ کار (معتقدات) میں ایسی ترمیم کر دی جائے جس کی رو سے مکمل آزادی کا حصول ممکن اور مناسب ذرائع سے کانگریس کا نصب العین ہو انہوں نے اپنی تقریروں میں علانیہ تشدد اور گوریلا طرز جنگ کی تبلیغ کی حسرت موہانی کی حمایت میں آندھرا، بنگال اور سی پی کے تمام نمائندے تین کے سوا یوپی کے تمام نمائندے. کچھ بمبئی کے اور دہلی کے ایک سکھ نمائندے کے سوا سب سکھ نمائندے تھے [3]

تاہم گاندھی جی کی کوششوں سے یہ تجویز نامنظور کر دی گئی. اسی سال کانگریس کے اجلاس

---

[1] سید سلیمان ندوی مرحوم [2] حکیم اجمل خاں مرحوم [3] سید سلیمان ندوی مرحوم [4] خلافت اور عدم تعاون از بامنو رد ـ

کے ساتھ احمد آباد ہی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی سالانہ جلسہ ہوا جلسے کے صدر مولانا حسرت تھے اپنے صدارتی خطبے میں انھوں نے وہی خیلات پیش کئے جو کانگریس کے اجلاس میں پیش کر چکے تھے یکم جنوری ۱۹۲۲ء کو انڈین ری پبلک (یونائیٹڈ اسٹیٹس آف انڈیا) کا اعلان کر دیا جائے مسلم لیگ کمزور ہے۔ لیگ کے جو مقاصد ہیں وہی کانگریس اور خلافت کے بھی ہیں صرف مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت مسلم لیگ سے مخصوص ہے چاہئے یہ کہ اول سوراج حاصل کیا جائے اس کے بعد حقوق کی حفاظت ہو مگر مسلم لیگ میں دوسرے خیال کے لوگ زیادہ ہیں چاہئے یہ کہ فیس ممبری کم کر کے ممبر بڑھائے جائیں۔ اگر گورنمنٹ اور خلافت اور پنجاب کے مسائل طے نہ کرے تو مسلم لیگ کا مقصد کامل آزادی سے بھی زیادہ ہونا چاہئے۔"[1]

آخری گرفتاری

یہ خطبۂ صدارت ضبط ہوا اور مولانا ۲۲/ اپریل ۱۹۲۲ء کو تیسری اور آخری مرتبہ گرفتار ہوئے اور دفعہ ۱۲۴ الف اور ۱۲۱ اے کے تحت دو سال کے لئے سزائے قید ملی لیکن میعاد گذرنے سے پہلے ہی دوسرے قیدیوں کے ساتھ رہا کر دئے گئے۔

کمیونزم سے دلچسپی

کمیونزم کے مقاصد سے مولانا کو شروع سے ہی ہمدردی تھی۔ مئی ۱۹۲۲ء میں اودھ خلافت کانفرنس میں جو شیخ مشیر حسین قدوائی کی صدارت میں ہوئی تھی نہایت قابل اعتراض تقریریں کی گئی ہیں جن میں بیرونی حملہ آوروں کی طرف اشارے تھے اور بالشویکوں کی فتح کے خیر مقدم کا رجحان پایا جاتا تھا۔ مولانا حسرت بھی اس کانفرنس میں شریک تھے۔ اور انھوں نے ہی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر پرنس آف ویلز اپنا سفر ہند ملتوی نہ کرے تو جہاں وہ جائے گا ہڑتال کرا دی جائے گی۔

---

[1] خطبہ صدارت اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ ۱۹۲۱ء احمد آباد بحوالہ "مسلمان نو کارروشن مستقبل" سے "خلافت اور عدم تعاون" سے ماخوذ۔

۱۹۲۵ء میں مولانا حسرت ہی کی کوششوں سے پہلی آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس کانپور میں منعقد ہوئی اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر مولانا ہی تھے اپنے خطبہ استقبالیہ میں جن خیالات کا اظہار انھوں نے کیا اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

" کمیونزم کی تحریک کاشتکاروں اور مزدوروں کی تحریک ہے اس تحریک کے اصول اور اغراض و مقاصد سے جمہور اہل ہند عموماً اتفاق کرتے ہیں البتہ بعض مرتبہ غلط فہمیوں کی بنا پر کمیونزم کے نام سے بعض کمزور اور وہمی طبیعت کے لوگ گھبراتے ہیں مثلاً بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کمیونزم اور خونریزی فساد لازم و ملزوم ہیں حالانکہ اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم لوگ عدم تشدد کی مزدرت و مصلحت کی بنا پر جائز سمجھتے ہیں اور مہاتما گاندھی کی طرح اس کو ہر حالت میں بطور اصول لازم قرار نہیں دیتے۔ "

کمیونزم کے مقاصد کی تشریح کرنے کے بعد مذہب کے بارے میں کمیونسٹ رویے کی توضیح اس طرح کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ مذہب کے بارے میں انتہا درجے کی رواداری کو مناسب سمجھتے ہیں ہم ہر مذہب کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں ہمارے نزدیک لا مذہبی بھی ایک مذہب ہے ہمارے بعض مسلمان لیڈر بلا وجہ کمیونزم کو اسلام کے خلاف بتاتے ہیں حالانکہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے مثلاً کم ازکم سرمایہ داری کے خلاف تو اسلام کا فیصلہ شاید کمیونسٹ عقدے سے بھی زیادہ سخت ہے اور فریضہ زکوٰۃ کا منشا بھی زیادہ تر یہی ہے کہ خلق خدا میں جب تک ایک شخص بھی بھوکا رہے اس وقت تک مال داروں کو عیش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ قرآن میں نماز کے بعد سب سے زیادہ زور زکوٰۃ پر ہی دیا گیا ہے[۱]

---

[۱] خطبہ استقبالیہ آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس کانپور۔ اردوئے معلی مئی ۱۹۲۶ء

خدام الحرمین اسی سال حجاز پر ابن سعود نے حملہ کر دیا حضرت مولانا عبدالباری کی قیادت میں خدام الحرمین کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی مولانا حسرت اس کے ممتاز بانیوں میں تھے اس انجمن کے زیر اہتمام لکھنؤ میں ایک آل انڈیا حجاز کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت مولانا حسرت نے کی خطبہ صدارت کے اقتباس ذیل سے مولانا کا موقف اس بارے میں پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

"آج کے اجتماع کا خاص مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ابن سعود اور اہل نجد کے ہاتھوں سرزمین حجاز میں مقابر و مساجد کی تباہی اور بالقصد بے حرمتی کی جو ناشائستہ حرکات اس وقت تک سرزد ہو چکی ہیں ان کی نسبت ہم اپنی انتہائی بیزاری ایک قطعی اور آخری اعلان کر دینگے اور چونکہ نجدیوں کی وحشتناک بربریت کے محرک ان کے مذہبی عقائد ہیں جن پر وہ اس وقت تک سے قائم ہیں اور رہیں گے د... کے وثوق پر وہ تخریب حرم کو بہ کمال بیباکی تطہیر حرم کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس لیے آئندہ کیلئے بھی ان سے کسی بہتر طرز عمل کی توقع نہ رکھتے ہوئے صاف صاف کہہ دیں کہ مقامات مقدسہ پر ان کی حکومت یا اقتدار کو ہم کسی حیثیت سے اور کسی حالت میں منظور یا گوارا نہیں کر سکتے۔"

اس سلسلے میں یہ ذکر شاید بیجا نہ ہو گا کہ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی مرحوم کو یہ باور کرا دیا گیا تھا کہ ان کے مرشد حضرت مولانا عبدالباری مسئلہ حجاز میں مولانا حسرت اور شیخ مشیر حسین قدوائی کی رائے سے متاثر ہو کر علی برادران سے اختلاف کر رہے ہیں مولانا حسرت موہانی نے حضرت مولانا عبدالباری کے انتقال کے بعد ان کے مختصر حالات ار دو کے

؎ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے تعزیتی مضمون تک میں اس خبر کی تصدیق کر دی ہے۔

معلیٰ میں تحریر کیے جس کے درج ذیل آخری جملے اس کی غلط فہمی کی تردید میں ہیں۔

بعض آپ کی وفات کے بعد لکھ رہے ہیں کہ آپ کی خاص کمزوری یہ تھی کہ بعض غلط مشورہ دینے والوں پر اعتماد بہت زیادہ قائم کر لیا تھا اور اپنی ذاتی عقل و بصیرت کو ان اثرات سے معطل کر لیا تھا حالانکہ حقیقت حال جس کا راقم کو ذاتی اور یقینی علم ہے اور جسے آپ کے بعد ظاہر کر دینے میں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا یہ ہے کہ اکثر امور مذہبی و نیم مذہبی میں آپ کی رائے ہمیشہ اشارہ ہائے باطن کی تابع رہا کرتی تھی یعنی جس وقت جس قسم کا طرز عمل اختیار کرنے کی ہدایت ہوتی تھی آپ پر بلا تامل کاربند ہونے تھے ؎

بہ میخانہ جامی نہ از خود برد

مگر ہمت شیخ جامش برد[1]

ابن سعود کی حکومت نے اصلاحات و تطہیر کے نام پر جو قوانین وضع کیے تھے ان میں۔ حاجیوں پر ٹیکس بھی تھا چنانچہ مولانا حسرت جب پہلی مرتبہ حج کیلئے گئے تو انھوں نے یہ سعودی ٹیکس دینے سے انکار کر دیا اور وہاں کی حکومت کو ان کے سامنے جھکنا پڑا اور یہ ٹیکس آپ سے اور ان کے ساتھیوں سے نہیں لیا گیا

گاندھی جی سے جنگ

۱۹۲۹ء میں سائمن کمیشن ہندوستان آیا مولانا کمیشن کے بائیکاٹ کے مخالف تھے۔ گاندھی جی نے کمیشن کی مخالفت میں مظاہروں کی تنظیم کے لئے سارے ملک کا دورہ کیا اور زور و شور کے ساتھ "سائمن واپس جاؤ" کے نعرے کی تبلیغ کی۔ رائے عامہ گاندھی جی کے ساتھ ہو گئی۔ دورہ کرتے ہوئے گاندھی جی جب کانپور پہنچے تو مولانا حسرت نے گنتی کے چند آدمیوں کے ساتھ کالے جھنڈوں کا مظاہرہ کیا

---

[1] اردوئے معلیٰ جنوری و فروری ۱۹۲۶ء

"سائمن گو بیک" کے توڑ پہ وہ نعرہ بلند کر رہے تھے: "گاندھی گو بیک" ایک موقع وہ بھی آیا کہ مولانا تنہا وہ کالا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ چاروں طرف سے کانگریسی رضاکاروں کے بیچ میں گھرے ہوئے برابر نعرے لگاتے رہے آخر گاندھی جی نے کانگریسی رضاکاروں کو مولانا کی مزاحمت سے روکا تب مولانا واپس ہوئے۔

روزنامے کا اجراء

اسی سال مولانا نے "مستقل" کے نام سے ایک روزنامہ کانپور سے جاری کیا لیکن یہ زیادہ دن نہیں چلا البتہ اردوئے معلیٰ جسے انھوں نے ۱۹۲۵ء میں پھر سے جاری کیا تھا کسی نہ کسی طرح ایک زمانے تک چلتا رہا۔

آزاد پارٹی

کمونل اوارڈ کے اعلان کے بعد اور ۱۹۳۵ء کے آئین کی منظوری اور نفاذ سے قبل مولانا نے شیخ مشیر حسین قدوائی مرحوم، مولانا آزاد سبحانی مرحوم سید ذاکر علی صاحب اور سید حسن ریاض صاحب کے ساتھ ملکر ایک آزاد پارٹی بنائی کامل آزادی کے حصول کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تعاون کی یہ ایک مخلصانہ سعی تھی ملک و ملت مولانا حسرت کی تمام انقلابی تجاویز کی طرح اس کی بھی قدر نہ کی اور یہ پارٹی عام انتخابات میں حصہ نہ لے سکی۔

مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ

۱۹۳۶ء میں حسرت مسلم لیگ کی تنظیم جدید سے وابستہ ہوئے یوپی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے سرگرم ممبر بنے اس زمانے میں مسلم لیگ کو عوام میں مقبول بنانے میں مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا حسرت کا بڑا حصہ ہے۔ دیہاتوں کے اکثر مسلمان قائد اعظم جناح کے نام سے بھی باخبر نہ تھے کانگریس کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا تھا کہ مسلم لیگ صرف نوابوں اور آرام طلبوں کی جماعت ہے مسلم لیگ کی جانب سے مولانا کا نام ان اعتراضات کا مسکت جواب تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ راقم تحریر نے قائد اعظم کا تعارف اس طور پر کرایا کہ وہ مولانا حسرت مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خاں کے ایسے مجاہدین حریت اور زعمائے اسلام کے تسلیم کئے ہوئے رہبر ہیں۔

مولانا حسرت یوپی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے مستقل ممبر رہے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا اس میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا اور انہی کی کوششوں سے اجلاس میں لیگ کا نصب العین کامل آزادی اور ایسا وفاقی طرز حکومت متعین ہوا جس کے صوبے اندرونی طور پر آزاد ہوں اجلاس عام میں جدید نصب العین کی تحریک کرتے ہوئے مولانا نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ وفاق ہند کے صوبوں کو اس لئے وہ آزاد رکھنا چاہتے ہیں کہ مرکزی حکومت مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کے ساتھ انصاف نہ کرے تو یہ صوبے وفاق ہند سے باہر نکل آئیں اور اگر ہندو اکثریتی صوبے نوآبادیاتی طرز حکومت پر قناعت کرلیں تو اسلامی اکثریت کے صوبے آزاد حکومت بنائیں اور ضرورت ہو تو "جمہوریہ شورویہ روسیہ" سے مل جائیں اس اجلاس کے بعد وہ لیگ کے ہر سالانہ اجلاس اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی ہر نشست میں پابندی سے شریک ہوتے رہے۔

۱۹۳۸ء میں وہ ہندوستانی مسلمانوں کے وفد کے رکن کی حیثیت سے قاہرہ کی فلسطین کانفرنس میں شریک ہوئے۔

۱۹۳۹ء میں ممالک مغربی کا سفر کیا اس سفر میں راقم تحریر بھی دمشق تک ان کے ساتھ تھا اسی اثناء میں دوسری جنگ عظیم ۲ ستمبر کو چھڑ گئی اور دمشق سے انگلستان کے تمام راستے مسدود ہو گئے اس سفر پر دوبارہ حسرت کو اتنا اصرار تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے بیروت پہنچے۔ وہ ہفتہ عشرہ تک کوئی جہاز نہ ملا۔ مولانا نے وہاں سے دمشق مجھ کو لکھ کر بھیجا کہ وہ مسئلہ فلسطین اور ہندوستان کے سیاسی مسائل پر اپنے خیالات باشندگان انگلستان اور خصوصاً حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کرنے کا عزم مصمم کر چکے ہیں اگر جہاز نہ ملا تو سمندر میں تیر کر جائیں گے مگر جائیں گے ضرور۔

"آخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ بیروت سے یونان تک کے لیے ایک جہاز میں جگہ مل گئی یونان سے لندن تک ریل سے گئے راستے میں کئی ملکوں کا ویزا نہ ہونے کی وجہ سے قید ہوئے مگر کسی نہ کسی طرح منزل مقصود تک پہنچ ہی گئے اس سفر کی یادگار ان کی وہ غزلیں ہیں جو کلیات کے حصہ یازدہم و دوازدہم میں ہیں۔

دیارِ رسول کی تڑپ

مالی عسرت کے باوجود انھوں نے گیارہ حج کیے اور بارہ مرتبہ مدینۂ طیبہ کی حاضری دی مدینہ طیبہ میں ان پر ایک عجیب کیف ہوتا مسجد نبوی میں نماز ختم ہوتے ہی دعا کا انتظار کیے بغیر مواجہ اقدس میں حاضر ہو کر درج ذیل اشعار سلام کے ساتھ ذوق و شوق سے عرض کرتے تھے۔

یا نبی اللہ السلام علیک
انما الفوز و الفلاح لدیک
بسلام آمدم جوابم دہ۔
مرہمے بر دل کبابم نہ۔
بس بود جاہ احتشام مرا
یک علیک از تو صد سلام مرا

جب وہ پہلی بار حجاز گئے تو حضرت شیخ عبدالباری ایوبی علیہ الرحمۃ[۱] سے سلاسل حدیث کی اجازت لی تھی۔ اہل مدینہ کی خدمت کا بڑا خیال رکھتے۔ مخیر حضرات سے رقمیں مقرر

۱؎ فرنگی محل کے ایک بزرگ جو مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے تھے ایک عرصے تک مسجد نبوی میں درس دیتے رہے اور وہیں وفات پائی۔

کرادی تھیں جو خود دے کر نذر کرتے تھے

سنہ ۱۹۴۲ء میں براہ کراچی و بحرین حج کے لئے جانا چاہتے تھے حجاج کے ایک قافلہ کے ساتھ بمبئی پہنچے وہاں معلوم ہوا کہ جہاز میں جگہ کراچی میں ملے گی۔ ریل سے کراچی گئے وہاں وہاں حکومت سندھ اور حکومت ہند سے ہر ممکن کوشش یا پاسپورٹ اور اجازت سفر حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ملک کے سیاسی رہنماؤں کو تار بھی دے مگر کامیابی نہ ہوئی مگر نا آخری وقت تک جد وجہد کرتے رہے اور آخر میں جب کوئی صورت کامیابی کی نہ نکلی تو حیدرآباد دکن واپس آگئے اس واقعہ کا ان پر یہ اثر ہوا۔

"آج یوم عید تھا میں نے عید گاہ میں جا کر نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا اس لیے کہ دوگانہ عید الاضحیٰ درحقیقت دوگانہ شکر متعلق بہ ادائے حج ہوتا ہے اور حج کو اہل ہند کیلئے امسال حکومت ہند نے ناممکن بنا دیا ہے مکان کے قریب والی مسجد میں میں نے نماز عید پڑھی"

مسلم لیگ کے وہ مخلص رکن تھے مگر اس جماعت میں بھی قیادت یا اکثریت کیخلاف اظہار خیال میں تامل نہیں کرتے تھے۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں اس وقت ہو رہا تھا جب مسٹر اسٹیفورڈ کرپس ہندوستانی لیڈروں سے گفت وشنید کرنے دہلی آئے تھے مولانا حسرت کو یہ اندیشہ تھا کہ قائد اعظم درجہ نوآبادیات پر راضی ہو جائینگے "مجلس مضامین" میں انھوں نے کرپس کی پیشکش کے متعلق اپنی تجویز اجلاس عام میں پیش کرنے کیلئے رکھی قائد اعظم نے اس تجویز کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دی تو مولانا نے ایک اور تجویز میں ترمیم کا نوٹس دیا جس تجویز میں یہ ترمیم مولانا پیش کرنا چاہتے تھے اس کا مدعا قائد اعظم کو کامل اختیارات سونپنا تھا جب یہ تجویز اجلاس عام میں پیش ہوئی تو مولانا تنہا اس کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے پچاس ہزار سے زائد آدمی اس وقت جلسے میں موجود تھے ہر طرف سے آوازیں آرہی تھیں "ہمیں سنیں گے نہیں سنیں گے" مولانا

مائکروفون کے سامنے کھڑے ہوئے نہایت معصومانہ انداز میں مگر نہایت جوش سے فرما رہے تھے کیوں۔ آپ یہ کیوں نہیں سنیں گے اور ہم آئے کاہے کیلئے ہیں، آخر مولانا جیتے اور مجمع ہارا انھوں نے تقریر کی اور وضاحت کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کیا دراصل حسرت کی سیاست ان دو عناصر سے تعمیر ہوئی تھی کامل آزادی اور اشتراکیت، چنانچہ سوال کرنے پر ارشاد فرمایا کہ میں پاکستان کا موید ہوں لیکن پاکستان ڈومنیین کا قائل ہیں بلکہ پاکستان جمہوریت کا علم بردار ہوں اور یہی نکتہ میرے اور قائد اعظم کے درمیان خلیج پیدا کر رہا ہے ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں پانچ جمہورتیں قائم ہونا چاہئیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) مشرقی پاکستان (۲) مغربی پاکستان (۳) مرکزی ہندوستان (۴) جنوب مشرقی ہندوستان (۵) جنوب مغربی ہندوستان اور ریاست حیدرآباد ان سب کو وفاقی اتحاد ہند کا اجزائے ترکیبی ہونا چاہئے۔[1]

مولانا کی مذکورہ بالا ہیں تجاویز تقسیم ہند کے عمل آنے سے پہلے کی ہیں اور انہی تجاویز کے سلسلے میں انھوں نے کانگریس اور مسلم لیگ زعما سے مشورے کئے، اور ملک کے اکثر حصوں کا دورہ کیا ان کے روز نامچے کے درج ذیل اقتباسات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

۲۶ر مارچ ۱۹۴۳ء آج میں نے یہ فیصلہ کیا کہ دہلی جاکر جناح صاحب کو پاکستان وزیرطانستان کی پالیسی ترک کرنے پر مجبور کروں گا اور ہو سکا تو کانگریس ورکنگ کمیٹی میں جاکر اس میں بھی کانفیڈریشن آف الازیڈ فیڈریشن کی تجویز تسلیم کرنے پر مجبور کروں گا وما توفیقی الا باللہ شب کی ایکسپریس سے دہلی روانہ ہو گیا۔

۲۷ر مارچ ۱۹۴۳ء۔ آج صبح کی گاڑی دہلی پہنچا۔ ۹ بجے دفتر مسلم لیگ میں حسن ریاض کے یہاں قیام کیا۔ اس وقت لیاقت علی خاں کے بنگلے پر جاکر قریب قریب کل ممبران مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی سے ملاقات کی نوابزادے جناح صاحب سے پوچھ کر مجھ کو ۵ بجے شام کا وقت دیا اس وقت مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر جمع ہوں گے تم اپنے خیالات ان کے سامنے رکھ سکتے ہو اسی وقت میں پہنچا اور دو باتیں مختصر طور پر پیش کر دیں اول یہ کہ ورکنگ کمیٹی یا قائد اعظم کو بھی اس کا اختیار نہیں ہے کہ ڈی منین اسٹیٹس کی بنیاد پر کرپس سے

کوئی بات چیت کریں۔ دوم یہ کہ برطانوی شکست کی حالت میں گاندھی پارٹی یا جوس پارٹی سے مل کر کانفیڈریشن کی بنیاد پر مصالحت ہو سکتی ہے کم و بیش ایک مہینے کے بعد اسی مقصد کی خاطر انھوں نے واردھا کا سفر کیا اور گاندھی جی راجگوپال اچاریہ اور ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقاتیں کیں۔

۱۱ اپریل ۱۹۴۲ء۔ راجہ جی نہایت ذہین واقع ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ بہت دور رس ہے فوراً ایمری سکیم کو سمجھ گئے اور اس سے اتفاق ظاہر کیا رات کو گاندھی جی کے ساتھ بھی واقعہ پیش آیا خدا کی شان کہ جو شخص ڈومینین اسٹیٹس کا شیدائی اور آزادی کامل کا دشمن تھا وہ اب بالکل میرا ہمنوا ہو گیا ہے۔
فالحمدللہ علی ذالک۔

بشارت اور اشارہ ہائے غیبی

حقیقت الامر یہ ہے کہ مولانا کی سیاسی سرگرمیوں کے مدار کبھی کبھی ان کے خواب یا مکاشفات بھی بنتے تھے اور جب کسی معاملے میں اشارۂ غیبی انھیں مل جاتا تو عجب شان جلال سے وہ اپنے عقاید کی تبلیغ کیا کرتے ایک واقعہ اس سلسلے میں درج کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جولائی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کونسل کا ایک تاریخی اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا اس اجلاس میں شرکت کیلئے راقم بھی ان کے ساتھ ہوائی جہاز میں..... روانہ ہوا اثنائے راہ میں انھوں نے فرمایا سنیئے صاحب پاکستان تو مل جائے گا اب آیندہ کی فکر کرنا چاہئے میں نے عرض کیا کہ آپکو یہ کیسے یقین ہے کہ پاکستان مل جائیگا فرمانے لگے کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور حافظ کے دیوان سے تفاول کیا تو شعر بھی نہایت مناسب نکلا اور حافظ کی اسی غزل پر میں نے تضمین بھی کر دی ہے اور اسی وقت اپنی ڈائری سے درج ذیل اشعار سنائے:۔

جب کہ خواب میں خود آ کے وہ شاہ خوباں — جب کہ حافظ بھی مصدق ہو بفال دیواں
تجھ کو حضرت یہ مبارک شد مہر نشاں — پردہ بردار کہ تا سجدہ کنند جملہ جہاں

طاق ابروئے تو محراب جہان خواہد بود

مورخہ ۱۸ر مارچ ۱۹۴۲ء

دوسرے دن مسلم لیگ کے اجلاس میں وہ تجویز پیش ہوئی جو راست اقدام کی تجویز کے نام سے مشہور ہے اس تجویز کی خاص بات یہ تھی کہ چونکہ حکومت برطانیہ نے مسلمانوں کا مطالبۂ پاکستان نہیں مانا تھا اس لئے تمام خطاب یافتہ حضرات کو اپنے خطابات واپس کر دینے چاہئیں مولانا حسرت نے اس تجویز میں ترمیم پیش کی جس کا مدعا یہ تھا کہ مسلم ممبران مجالس قانون ساز پاکستان دستور اسمبلی قائم کرلیں اور پاکستان کا دستور تیار کرلیں قائداعظم نے اس ترمیم کو علیحدہ تجویز قرار دیا اور ترمیم کے طور پر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مولانا حسرت کو شدید ہیجان تھا اور وہ بار بار کھڑے ہوکر تقریر کرنے کی کوشش کرتے اور روکے جاتے آخر میں انکے پاس گیا اور ان سے کہا کہ آپ نے اپنا نظریہ پیش کر دیا اب لوگ نہیں سننا چاہتے ہیں تو آپ کیوں مصر ہیں مولانا نے مجھے جواب دیا مجھے ان لوگوں کی مخالفت سے تعجب نہیں مگر حیرت ہے کہ آپ بھی مجھے بیٹھ جانے کو کہہ رہے ہیں حالانکہ میں آپ کو سب کچھ بتا چکا ہوں مولانا کا اشارہ اپنے خواب کی طرف تھا۔

اسمبلی کی رکنیت

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی اور ہندوستان کی دستور اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور دنیا جانتی ہے کہ جس بیباکی اور صفائی سے انھوں نے ان مجالس میں اپنے خیالات پیش کئے وہ انھی کا حصہ تھا ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے ابتدائی ایام میں مسلم لیگ نے اس کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا لیکن مولانا

لے مولانا کی وفات تک پاکستان کا دستور نہیں بنا تھا اور دس سال کے بعد تیار ہوا۔ اگر مولانا کی ترمیم منظور ہوگئی ہوتی اور یہ کام اس وقت ہوجاتا تو معلوم نہیں کی مسلمانوں کی تاریخ اور اس ملک کا سیاسی جغرافیہ کس قدر مختلف ہوتے۔

Kaniz Parveen
M.A. Semester II
Section 1986
Bandipore

Read this book carefully
I hope that will be
God you could.

اس فیصلے کی تائید میں نہ تھے قائداعظم سے اختلاف رائے کے باوجود مولانا ان کا بہت خیال کرتے تھے

اور خود قائداعظم نے بھی ہمیشہ ان کا لحاظ کیا۔

قائداعظم کی وفات پر اپنے روزنامچے میں تحریر فرماتے ہیں۔

۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء:۔ آج صبح گھر سے نکلنے پر قائداعظم جناح کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم اپنا مقصد پورا کر کے دنیا سے اٹھے ایسی

کامیابی بہت کم لیڈروں کو حاصل ہوتی ہے۔

تقسیم کے بعد

قیام پاکستان کے بعد مولانا حسرت ہندوستان ہی میں رہے مگر انہوں نے اپنے کسی بیان یا تقریر میں پاکستان پر نکتہ چینی نہیں کی ان کو پاکستان کی بہت سی باتیں ناپسند تھیں لیکن وہ ہندوستان میں بیٹھ کر ان پر تنقید اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ ایسی باتوں سے ہندوستانی حکومت کی خوشامد کی بو آتی تھی۔

تقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کیلئے ان کا وجود بہت بڑا سہارا تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے اپنی ذمہ داریوں کو کبھی فراموش نہیں کیا اس زمانے میں روزنامچوں سے اقتباسات ذیل درج کیے جاتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے انقلاب کے بعد بھی مولانا ایک انچ اپنی جگہ سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے۔

۱۶ ستمبر ۱۹۴۷ء:۔ آج شام کو احمدی خاں نے بانس منڈی میں بغرض تبادلہ خیالات میری کی شمی میں نے مسلمانوں کیلئے آئندہ لائحہ عمل کے باب میں تفصیلی گفتگو کر کے تقریباً جملہ اہالیان بانس منڈی کو اپنا نقطہ نظر سمجھا دیا کہ مسلمانوں کو اظہار مایوسی کی ضرورت نہیں اگر ضرورت ہو تو انہیں حکومت موجودہ کے خلاف گوریلا طریق جنگ اختیار کرنا چاہیے۔

۲۳ نومبر ۱۹۴۷ء:۔ آج دس بجے کے قریب نوری صاحب کے ہاں ناشتہ کرتے ہیں۔

بلیماران کی طرف گیا اور اس کے آخری حصے سے جو چاندنی چوک سے بالکل متصل ہے بغور معائنہ کیا چاندنی چوک میں عمل دخل اغیار کا ہے ایک آدھ کے سوائے کوئی مسلمان ادھر کا رخ نہیں کر سکتا۔

۱۱ دسمبر ۱۹۴۷ء:۔ آج نوسر دار علی ملنے آئے میں نے انکو بزرگ کے بتاشے دیئے اور کل آٹھ بیوی بچوں کے لیے باقی کل بتاشے لے جانے کو کہہ دیا۔ بہرلیان کے فضل الحق بھی ملنے کو آئے وہ انڈیا کے مسلمانوں کی مدد کا جذبہ لے کر مشرقی پاکستان سے آئے ہیں آدمی مخلص معلوم ہوتے ہیں میں نے ان کا شکریہ ادا کیا مگر آگاہ کر دیا کہ بحمد اللہ کم سے کم یوپی کے مسلمان آپ لوگوں کی مدد کے بغیر بھی اپنی حفاظت کر لیں گے۔

اسی زمانے میں کانگریسی حکومت کے اشارے پر ایک آزاد مسلم کانفرنس لکھنؤ میں بلائی گئی مولانا آزاد اس میں پیش پیش تھے اور انکی خواہش تھی کہ مسلم لیگی زعماء بھی اس کانفرنس میں شریک ہو کر نیتوں تبدیلی کی تلقین کریں اور مسلمانوں کو حالات کے مطابق بدل جانے پر آمادہ کریں یوپی مسلم لیگ نے پانچ اصحاب پر مشتمل ایک وفد مولانا آزاد سے گفت و شنید کیلئے ترتیب دیا اس گفت و شنید کی داستان مولانا حسرت کے ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء کے روزنامچے میں پیش کی جاتی ہے:۔

آج صبح سے ۷ تک ناشتہ خوری و اخبار بینی سے فارغ ہو کر کل کے فیصلے کے مطابق ہم پانچ نمائندے رضوان اللہ، حسرت موہانی، ذاکر علی، فاروقی نفیس الحسن، ۱۱ بجے کے قریب کارلٹن ہوٹل میں ابو الکلام صاحب سے ملاقات کرنے کو پہنچے مختصر گفتگو کے دوران میں ہی معلوم ہو گیا کہ میں نے جلسہ مشاورت میں جو بدگمانی مولانا ابو الکلام کی نیت کے متعلق ظاہر کی تھی وہ خود ان کی زبانی بھی محقق ہو گئی انھوں نے صاف صاف اقرار کیا کہ آج کی کانفرنس کا صرف ایک مقصد ہے وہ یہ کہ تمام مسلم ادارے سیاسی حیثیت سے ختم ہوں کل فرقہ وارانہ جماعتیں کانگریس میں مدغم ہو جائیں اس پر ہم لوگ یہ کہہ کر چلے آئے تو ہم لوگوں کی شرکت بالکل بیکار ثابت ہوگی دوران گفتگو میں چلتے چلتے میں نے ایک فقرہ ابو الکلام کے متعلق چست کر دیا جس سے ان کی ساری کارستانیوں پر پانی پھر گیا اور جس سے وہ انتہا درجے بھنائے۔ میں نے کہا ۱۸۵۷ء میں

برٹش گورنمنٹ کی بدگمانیاں رفع کرنیکی غرض سے جس طرح سرسید نے مسلمانوں کو صرف تعلیمی اور سماجی امور پر زور دینے اور سیاسی وفاداری برطانیہ کی تلقین کی تھی بالکل اسی طرح آپ کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کو بلا شرط وفاداری سکھاتے ہیں اور اسلامی اداروں کو سماجی امور تک محدود کر دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

پارلیمنٹ میں

ہندوستان پارلیمنٹ میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب مولانا حسرت کے علاوہ کوئی ممبر ایسا نہ تھا جو مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرسکے چنانچہ صرف حیدرآباد پر ہندوستانی افواج کے قبضے کے بعد تنہا مولانا حسرت ہی نے ایوان پارلیمنٹ میں وہ باتیں کہیں جو کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں تھیں لیکن کسی میں جرأت اظہار نہ تھی۔ انھوں نے سردار پٹیل کے انتہائی تند و ترش لہجہ میں انکو مخاطب کرکے فرمایا "تم نے وہی کام کیا ہے جو ہٹلر نے [illegible] کیا تھا تم نے اپنی طاقتور فوجوں کے بل بوتے پر کمزور ریاستوں کی آزادیاں چھینی ہیں تمہارے حملے پر خدا کی لعنت ہو" اسکے علاوہ یوپی اسمبلی میں بھی تنہا حسرت نے اس تجویز کی مخالفت کی جو حیدرآباد میں ہندوستانی فوج کی فتح پر مبارکباد دینے کیلئے پیش کی گئی تھی۔

پارلیمنٹ کے رکن ہونے کے بعد بھی حسرت نے اپنی زندگی بھر کے اصول کو نہیں بدلا ہمیشہ ریل کے تھرڈ کلاس میں ہی سفر کرتے رہے دہلی میں انکا قیام کبھی دفتر "وحدت" میں رہتا اور کبھی ایک مسجد کے حجرے میں۔ دستورسازی کے زمانے میں ہندوستان میں سخت فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے تھے خصوصاً دلی کی سرزمین پر مسلمانوں کیلئے عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا مولانا اس وقت بھی پابندی سے دلی جاتے رہے اور دستورسازی میں حصہ لیتے رہے لیکن دستور مکمل ہونے کے بعد چونکہ وہ مولانا کی مرضی کے مطابق نہ تھا اس لئے انھوں نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا مولانا حسرت ہندوستان کیلئے ایک کانفیڈریشن بنانے کے حامی تھے دیسی ریاستوں کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ بشرط حصول آزادی و جمہوریت انکا نفیڈریشن

میں اپنی اپنی حیثیت و اہمیت شامل ہو سکتی ہیں۔ شیخ عبداللہ سے بھی اس سلسلے میں ان کی جھڑپ ہوئی جس پر انکی ڈائری کے درج ذیل اقتباس سے روشنی پڑتی ہے۔

۱۶ ار جون ۱۹۴۹ء: آج کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی میں نمایندگان کشمیر پہلی بار شریک ہوئے میں نے شیخ عبداللہ سے دیر تک بحث کی کہ راجہ کشمیر کی حکمرانی کیوں تسلیم کی اور تسلیم نہیں کی تو پھر انکی دفت سے نامزد ہو کر تم یہاں کیونکر پہنچے؟ میں نے بڑودہ میسور اور بھوپال کی نسبت بھی پوچھا کہ انکو دھوکا کیوں دیا؟ مولانا جس طرح ہندوستان سے مطمئن نہ تھے اس سے کچھ زائد ہی وہ ہندوستان کی آزادی کو اصل آزادی سمجھنے کیلئے تیار نہ تھے اس کا اندازہ ان کے روزنامچے کے درج ذیل اقتباس سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۹ء: "آج یوم آزادی کے سلسلے میں راجہ جی[1] "کے یہاں شب کی دعوت تھی میں بھی مدعو تھا مگر موٹر یا سواری کا انتظام نہ ہو سکا اس لئے نہ گیا۔ علاوہ ازیں حاصل شدہ آزادی کو حقیقی آزادی سمجھنے کا ابھی میرے دل کو اطمینان نہیں ہے۔

اسی روزنامچے میں دلی کے ایک مشاعرہ پر بھی دلچسپ تبصرہ کیا ہے۔

۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء: آج دہلی کالج میں مشاعرہ تھا۔ مرزا جعفر علی خاں اثر کی صدارت کے اعلان نے بھی ان شاعروں کو بھی اس مشاعرے کی شرکت پر آمادہ کر دیا جو ایسے نافہم سامعین کے سامنے اپنا کلام اور وقت ضائع کرنے کا ارادہ کر چکے تھے مثلاً جوش اور میں خود۔ کالج کے لڑکے اردو زبان سے بیگانہ محض ہیں اس لیے بے سمجھے بوجھے جہاں چاہتے ہیں تالیاں بجا دیتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں واہ واہ سے آسمان سر پہ اٹھا لیتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ اثر صاحب بھی اس لغویت سے متاثر ہوئے اور اپنی تسلیم صدارت سے منفعل۔

---

[1] راجگوپال اچاریہ گورنر جنرل ہندوستان۔

آخری ایّام

سنہ ۱۹۵۶ء میں مولانا نے آخری بار فریضۂ حج ادا کیا اور غالباً اسی سفر کے دوران میں انھیں اپنے وقت کے قریب آجانے کا احساس ہو گیا تھا مدینہ طیبہ میں دو تین دفعہ کی حاضری کے بعد انھوں نے واپسی کا قصد ظاہر کیا اور مجھ سے فرمایا کہ وہ جلد از جلد کراچی اور لاہور ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچ جائیں گے کیونکہ اب انھیں زیادہ دن جینا نہیں ہے۔

ان کی صحت سنہ ۵۹ء سے ہی گرنے لگی تھی سفرِ حج میں بھی وہ بہت کمزور معلوم ہوتے تھے کانپور واپسی کے بعد فوراً لکھنؤ منتقل ہو گئے مجھے ان کی نازک حالت اور تشویشناک علالت کی خبر ان کے رشتے کے بھائی اور اپنے عزیز دوست مولوی علی حسین کے خط سے ہوئی اور حضرت صاحب کا یہ مختصر پیغام بھی معلوم ہوا میں یہاں ہوں اور مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ یہاں نہیں ہیں۔

جب میں لکھنؤ پہنچا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ ایک پلنگ پر لیٹے تھے جس پر پال یا ٹاٹ کی ایسی کوئی چیز بچھی تھی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مولانا کو اصرار ہے کہ وہ گدے یا قالین کو استعمال نہیں کریں گے میں نے بہ اصرار پلنگ پر توشک بچھوائی اور ان سے کہا کہ اگر آپ ٹاٹ پر لیٹے رہے تو آپ کی پیٹھ پر زخم پڑ جائیں گے جس سے آپ کے علاوہ آپ کے تیمارداروں کو سخت اذیت ہو گی تب وہ توشک بچھوانے پر راضی ہوئے مگر ایک عجیب انداز سے کہنے لگے کہ میں نے تمام زندگی اسی طرح بسر کی آپ چاہتے ہیں میرا وقت گدوں اور قالینوں پر آئے۔

دوا استعمال کرنے اور انجکشن لینے سے بھی بہت الجھتے تھے ایک ڈاکٹر نے طنزاً کہا مولانا! آپ ذرا سی سوئی کی تکلیف سے ڈرتے ہیں اس پر سخت ناراض ہوئے اور کہا میں اپنی تمام زندگی میں کسی تکلیف سے نہیں ڈرا اس سوئی سے کیا ڈروں گا مزاحمت اس لیے کرتا ہوں کہ اسے بیکار سمجھتا ہوں۔

دورانِ علالت میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم عیادت کے لیے تشریف لائے کلماتِ تسکین دلشفی کے طور پر کہنے لگے مولانا گھبرائیے نہیں آپکی علالت خطرناک نہیں ہے آپ اچھے ہو جائیے گا مولانا حسرتؔ الکر بیٹھ گئے اور جواب دیا۔ میاں صاحب میں بیمار تو ہوں مگر بے وقوف نہیں ہوں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا وقت آگیا ہے۔"

۱۹۵۱ء کے روزنامچے کے درج ذیل صفحات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کی قربت کا انہیں پورا علم تھا۔

یکم جنوری ۱۹۵۱ء۔ آج نئے سال کا پہلا دن ہے ہر شخص خیال کرتا ہوگا کہ اس کی عمر میں ایک سال کا اضافہ ہو گیا مگر درحقیقت مقدارِ عمر ایک سال کم ہو گئی اور مرنے کا دن ایک سال قریب ہو گیا۔

۱۵ فروری ۱۹۵۱ء حسنِ اتفاق مردم شماری میں میرا نام لکھنؤ ہی میں لکھا ہے۔ کانپور میں اس وقت تک نوبت نہیں آئی تھی میرا مقطع بالکل درست نکلا ہے

بہت ہم نے چاہا ہمیں کانپوری | نہ چھوٹا دیارِ حسرتؔ نہ چھوٹا

۱۸ مارچ ۱۹۵۱ء آج رات کو میں نے عالمِ رویا میں جنت کا نظارہ دیکھا۔ اچھی طرح کیا بہشت کی ایسی تصویر پیشِ نظر ہوئی کہ دل کو یقین ہو گیا کہ یہی اس کی اصلی صورت ہے۔ واللہ اعلم

اس سال کی ڈائری کا بیشتر حصہ بیماری اور علاج کی تفصیلات پر مشتمل ہے آخری روزنامچہ ۱۶ مارچ ۱۹۵۱ء کو تحریر کیا۔

انتقال سے تین دن پہلے مولانا حسرتؔ نے خواہش ظاہر کی کہ انکی ڈاکٹر کا حساب صاف کر دیا جائے وہ میرے یہاں مقیم تھے مگر اپنے اخراجات میں کسی کے شرمندۂ احسان نہیں ہوئے میں نے عرض کیا کہ حساب کی صفائی کی کیا عجلت ہے صحت کے بعد رقم دیدی جائیگی مگر مولانا نے کسی طرح نہ مانا اصرار کر کے رقم ادا کر دی عجیب امر ہے کہ انھوں نے چند روز پہلے دواخانے میں فاضل جمع کرا دیے تھے انتقال کے دن حساب بالکل برابر

تھا۔ کوئی پیسہ ان کے ذمہ نہ تھا۔ دوران علالت میں کسی تکلیف کا اظہار نہیں کرتے تھے اف یا آہ تک ان کے منہ سے کسی نے نہیں سنی۔ زیادہ تر درود شریف یا استغفار پڑھتے رہتے تھے۔

۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو ساڑھے تین بجے صبح مجھے ان کے داماد سید عبدالسمیع صاحب نعمانی موہانی نے خبر دی کہ مولانا کی حالت بہت نازک ہے جب میں پہنچا تو پلنگ کے گرد ان کے اعزا گریہ و زاری میں مصروف تھے مولانا کی سانس اکھڑ رہی تھی انھوں نے مجھ کو پہنچانا اور اعزا کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا کہ ان سے کہئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہو رہی ہے۔

یہ ان کا آخری کلام تھا اس کے بعد صرف درود یا استغفار پڑھنے کا اندازہ ان کے ہونٹوں کی جنبش سے ہوتا تھا اسی دن ۱۲ بجے دوپہر کو انھوں نے رحلت فرمائی بعد مغرب باغ مولانا انوار میں نماز جنازہ ہوئی اور وہیں دفن ہوئے وفات کے وقت ہجری اعتبار سے وہ چھہتر برس کے تھے انا للہ و انا الیہ راجعون

مولانا حسرت کی پہلی بیوی سے صرف ایک صاحبزادی نعیمہ بیگم سید عبدالسمیع موہانی ہیں ان کے پانچ بچے اور دو لڑکیاں ہیں بڑے لڑکے سید رضوان الحسن کو ان کی نانی نے پالا تھا مولانا نے ان کی تاریخ ولادت جو نکالی تھی یہی تھی۔

سال پیدائش رضوان حسرت   تانی حسرت موہانی ہے

نعیمہ بیگم اپنے شوہر اور لڑکوں کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں۔ مولانا حسرت نے دوسری شادی اپنے خاندان کی ایک بیوہ سے کی تھی ان سے بھی صرف ایک صاحبزادی خالدہ ہیں جو اپنی والدہ کے ساتھ کانپور میں رہتی ہیں۔

مولانا کے تین بھائی تھے بڑے بھائی سید نظر الحسن اور ایک چھوٹے بھائی حامد کریم مرحوم کا انتقال مولانا کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا سب سے چھوٹے بھائی سید مبین الحسن بقید حیات ہیں اور ہند کے ضلع فتحپور میں مقیم ہیں۔

ان کی تین بہنیں بھی تھیں جن میں سے دو بقید حیات ہیں اور حیدرآباد دکن میں رہتی ہیں۔

مولانا نے کوئی قابل ذکر ترکہ نہیں [illegible] رہتے ہیں ان کو جو جائداد ملی تھی اس کا ایک حصہ

جد شادروجہ اور ایک حصہ اپنے مرشد مولانا عبدالوہاب فرنگی محلی کے اعراس کے لیے وقف کر چکے تھے۔ ایک حصہ وقف علی اولاد کر دیا تھا جس کا منافع ان کی صاحبزادی تسنیمہ بیگم کو ملتا تھا۔ وہ خود اس سے بھی متمتع نہیں ہوتے تھے ایک قلیل سرمایہ بعض تجارتی کمپنیوں میں بھی لگا ہوا تھا جو بعد کو ان کے ورثا میں تقسیم ہوا۔

حلیہ اور اوصاف

ان کا قد چھوٹا تھا اور رنگ گندمی آنکھیں بڑی تھیں اور چہرے پر چیچک کے داغ نمایاں آواز یک تھیں اور جوانی میں کافی مترنم تھی دور کی نظر ان کی ہمیشہ سے کمزور تھی اس لیے عینک لگانے کے عادی تھے۔

جو وضع انھوں نے اختیار کی اس پر آخیر دم تک قائم رہے شیروانی، ترکی ٹوپی اور پائجامہ عموماً پہنتے تھے جوانی میں ڈاڑھی منڈایا کرتے تھے مگر ایک بار ان کے مخلص دوست عبدالباری خاں وفا نے ان سے وعدہ لیا کہ ڈاڑھی کبھی نہ منڈائیں گے حسرت قول دے چکے تھے اس وعدے کو پورا کیا اور پھر تمام زندگی کبھی ڈاڑھی نہیں منڈوائی ترکی ٹوپی کے وہ پابند نہ تھے ان کے سودیشی اسٹور کے بچے ہوئے سامان میں بہت سی ترکی ٹوپیاں تھیں جب تک یہ چلتی رہیں پہنتے رہے۔ بعد کو دوسری ٹوپیاں بھی استعمال کیں۔

رات کو سوتے وقت سر میں ٹوپی کپڑا باندھ لیتے صبح بہت جلد اٹھتے کھانا اول وقت کھالیا کرتے۔ کھانے پینے میں کسی چیز کے پابند نہ تھے جو مل گیا وہ بخوشی تناول کر لیتے تھے البتہ ترش چیزیں یہاں تک کہ دہی بھی نہ کھاتے تھے۔ پان تو خیر کھا لیتے تھے لیکن تمباکو حقے سگریٹ وغیرہ سے انھوں نے ہمیشہ اجتناب کیا اور سرمہ لگانا کبھی نہ چھوڑا[1]

اخبار بہت پابندی سے اور شروع سے لیکر آخر تک پڑھتے تھے زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے۔

---

[1] نیاز فتحپوری۔

سیاسی امور پر جب مباحثہ ہوتا اور ان کو جوش آجاتا تو اور بات تھی سیاسی اختلافات کی بنا پر سخت تنقید سے تامل نہیں کرتے مگر ذاتی طور پر انھیں کسی سے عداوت یا عناد نہ تھا اپنے عقائد میں بڑے مضبوط تھے مگر ان کے احباب کے دائرے میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قسم کے لوگ تھے۔

اپنے ذاتی کام سے کبھی کسی امیر یا حاکم کے پاس نہیں گئے مگر ضرورت مندوں کیلئے ارباب ثروت سے سفارش کرنے میں انھیں تامل نہ ہوتا تھا ارباب غرض اپنے کاموں کیلئے انھیں وزرا یا حکام کے پاس لے جاتے تو وہ بے تکلف چلے جاتے۔

طبیعت میں نہایت انکسار تھا کسی شاعر کی مذمت یا تذلیل نہیں کرتے تھے بلا ضرورت اپنے علم کا اظہار نہیں کرتے تھے بہت اصرار کیا جاتا تو اپنے شعر سنا دیتے تھے اپنی تقریر یا گفتگو میں اپنا کوئی شعر کبھی نہیں پڑھا۔

"ان کی زندگی درویشانہ بلکہ قلندرانہ قسم کی تھی اور مزاج میں حد درجہ استغنا تھا انھوں نے کبھی لیڈر بننے کی کوشش نہیں کی اور نہ کسی بڑے سے بڑے لیڈر سے مرعوب ہوئے دنیاوی لحاظ سے وہ بڑی مختصر تمنائیں رکھنے والے انسان تھے اس لئے ان پر کبھی مایوسی کی کیفیت طاری نہیں ہوتی تھی"[1]

اسلامیت کا پیکر

حسرت کی زندگی صحیح معنوں میں ایک مرد مسلمان کی زندگی تھی ان کی سب سے بڑی صفت یہی تھی کہ ظاہر و باطن یکساں اور ریا سے پاک و صاف تھا نہ نفاق تھا وہ زرکے پرستار ہی نہیں بلکہ ایک سچے خدا پرست کی طرح انسانیت سے محبت رکھتے نمود و نمائش سے نفرت کرتے ایسی اعلیٰ فضیلت و درجہ کے باوجود حلم و تواضع اور منکسر مزاجی ان کی طبیعت کا خاصہ رہی انکے احباب میں امیر و کبیر ہستیاں، نامور مدبرین اور مشاہیر شامل تھے لیکن انھوں نے کسی کا امیرانہ ڈھنڈورا اور

---

[1] نیاز فتحپوری

نہ کبھی کسی سے اپنے مقصد یا غرض کی خاطر کسی توقع یا اعانت کے طالب ہوئے اپنی سادہ زندگی کے ہمیشہ خود کفیل رہے کسی دوست کی کوئی مدد کسی حالت میں قبول نہ کی یہاں تک کہ گھر کے کام کاج کے لیے بھی نوکر تک کی امداد گوارا نہ کرتے اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتے میں نے بارہا بچشم خود انھیں گھر کا سودا سلف بازار سے لاتے محلے کے نل سے پانی بھر کر بالٹیاں اٹھاتے دیکھا ہے اسی طرح سادہ وضع پر تا حیات قائم رہے اور دوسروں کے دست نگر نہ رہے۔[1]

حسرت عمل کس قیامت کا یہ آدمی تھا۔ حسرت خیال نہیں محشر عمل جس بات کو اپنے نزدیک حق سمجھتا تھا اس کو بغیر تامل کے بغیر گومگو کے بڑھائے بغیر ہموار کیے بغیر مصلحت یا موقعے کا انتظار کیے بے ضغطۂ زبان بغیر پلک جھپکائے۔ مخاطب فلاطون ہو یا فرعون۔ اس کے سامنے کہہ ڈالنا حسرت کے لیے معمولی بات تھی۔

"ایسا نڈر، سچا محبت کرنے والا اور محبت کے گیت گانے والا اب کہاں سے آئیگا۔ کسی شے دبنے والا ہر شخص پر شفقت کرنے والا، زبان کا نباض، شاعروں کا والی، غزل کا امام، ادب کا خدمت گزار۔

کیسی سچی بات کسی نے کہی کہ "سیاست کوئلے کا کاروبار ہے جس میں سبھی کا ہاتھ تھوڑا بہت کالا ہوتا ہے۔ سوائے حسرت کے"[2]

---

[1] عشرت رحمانی ص ۲۲۵ [2] رشید احمد صدیقی

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

مولانا حسرت کے تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کی سیرت کی تعمیر اور انکی سیاسی اور ادبی خدمات میں بڑا حصہ مرحومہ بیگم حسرت کا ہے ان کا نام نشاط النساء تھا اور مولانا کے قریبی عزیز سید شبیر حسن موہانی کی دختر نیک اختر تھیں غالباً ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئیں اور ان کا عقد مولانا حسرت کی طالب علمی ہی کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ رواج کے مطابق گھر پر تعلیم پائی تھیں تصنیف کا ذوق اور ادبی مذاق دونوں میں مولانا حسرت کی شریک تھیں ان کی بیوی نے جس دلیری بہادری استقلال اور صبر سے مشکلات کا سامنا کیا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے مولانا کی قید کے زمانے میں ان کے مقدمات کی پیروی اردوئے معلیٰ کی اشاعت پریس کا بندوبست تجارت کی نگرانی، دواوین کی ترتیب و طباعت سب کام ان محترم خاتون نے انجام دئے حقیقی معنوں میں مولانا حسرت کی شریک حیات تھیں۔

سیاسی معاملات میں بھی وہ مولانا کے ساتھ شریک رہیں ۲۵ء کانگریس کا سالانہ اجلاس مسز نیڈو کی صدارت میں کانپور میں ہو رہا تھا مولانا حسرت اور بیگم حسرت مزدوروں کے ایک جلوس کی قیادت کر رہے تھے جب کانگریس کے پنڈال کے قریب یہ جلوس پہنچا تو پنڈت جواہر لال نہرو نے جو کانگریس رضاکاروں کی کمان کر رہے تھے اس جلوس پر لاٹھی چارج کرنے کی دھمکی دی اس پر مرحومہ بیگم حسرت موہانی نے جواہر لال نہرو کے منہ پر طمانچہ لگایا اور نادری حکم کی بدتمیزی پر سرزنش کی جواہر لال نہرو نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور یہ جلوس کانگریس کے اجلاس میں شامل ہو گیا۔

مولانا کی پہلی گرفتاری کے موقعہ پر انھوں نے جس کردار کا مظاہرہ کیا اس کا اندازہ درج ذیل عبارتوں سے کیا۔

گرفتاری کے وقت راقم حروف کی شیر خوار لڑکی نعیمہ حد درجہ علیل تھیں اور اتفاق سے مکان پہ...

والدہ نعیمہ ایک خادمہ کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا لیکن ان کی ذات سے اس نازک وقت میں بر بنائے قیادت وتائیدِ ربانی حیرت انگیز حوصلہ واستقلال کا اظہار ہوا خود پریشان ہو کر راقم کو بھی مغموم کرنے کے بجائے انھوں نے دوسرے ہی دن بذریعہ سپرنٹنڈنٹ جیل ایک ایسا ہمت افزا خط بھیجا جسے دیکھ کر جملہ کارپردازان زندان حیران رہ گئے راقم کا دل بفضلہ امر حق کی بہبودی کے باعث یونہی قوی تھا لیکن ان کی یہ تحریر کا تم پر جو افتاد پڑی ہے اسے مردانہ وار برداشت کرو میرا یا گھر کا مطلق خیال نہ کرنا خبردار تم سے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ ہو تقویت مزید کا باعث ہوئی بھائی صاحب کو انھوں نے تار دے کر بلوا لیا تھا جن کے ہمراہ مجھ سے وہ ملنے بھی آئیں اور جب تک مقدمہ چلتا رہا ہر ہفتہ آیا کیں اور آخر تک ان کی جرائت ہمت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

ان محترم خاتون کی وفات پر مولانا حسرت نے تحریر فرمایا۔

۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء ٹھیک گیارہ بجے دن کے وقت بیگم حسرت بکر وہات دنیا سے آزاد ہو کر باطمینان تمام واصل بے حق ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سلسلۂ علالت کئی سال سے جاری تھا سال بھر بیمار رہتی تھیں لیکن موسم حج کے قریب اس قدر صحت حاصل کر لیتی تھیں کہ حج کے لیے میرے ساتھ جانے میں بہ ظاہر کوئی دشواری نظر نہ آتی تھی چار سال یہی حال رہا آخری بار یعنی ۱۹۳۶ء میں براہ عراق سفر حج کے وقت البتہ وہ اس قدر کمزور تھیں کہ ان کو ساتھ لے جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر ان کی دل شکنی اور مایوسی کا خیال بھی سوہان روح تھا مجبوراً مجھ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ بصرہ تک جہاز اور وہاں سے بغداد تک ریل میں جانا چونکہ نسبتاً آسان ہے اس لیے ان کو وہیں چھوڑوں گا اور دہنِ صحرائے عرب ۱۲۰۰ میل موٹر میں طے کر کے مدینہ اور مدینہ سے مکے ہو کر پھر اسی راہ واپس آؤں گا اور بغداد سے ان کو ساتھ لوں گا اس تجویز کو انھوں نے سنا مگر کچھ نہ سنا اور کچھ نہ کہا اور ساتھ ہو لیں مگر بغداد پہنچ کر اپنے جد امجد حضرت امام موسیٰ کاظم کے روبرو دل سے اللہ سے دعا کی کہ زیارت

روضۂ رسول اور حج زیارت سے محروم ہوں اس دعا نے تریاق محبوب کا کام کیا اور انھوں نے باوجود علالت ونقاہت تمام ارکان حج بخوبی ادا کیے اور دو بار مدینے اور دو ہی بار بغداد و کاظمین نجف و کربلا میں حاضری دے کر صحیح وسلامت کانپور پہنچ گئیں۔ مگر پھرے سے کراچی پہنچتے پہنچتے علالت پھر نمودار ہو گئی جس کی روز افزوں تکلیفیں آخر کار ان کی جان لے کر ہی گئیں۔

ریڑھ کی ہڈی میں کچھ خرابی ایسی پیدا ہو گئی تھی جو ڈاکٹروں کی رائے میں لاعلاج ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے ان کے جسم کا نصف حصہ اسفل کئی ماہ سے بالکل بے حس ہو گیا تھا اور پلنگ پر پڑے پڑے کئی زخم نہایت درد تکلیف دہ پیدا ہو گئے تھے پسلیوں میں بھی شدید درد رہنے لگا۔ مگر ان کی زبان سے اس کے سوا کہ "جو اللہ کی مرضی" اور اس کی مصلحت کا تقاضا کسی نے بھی کوئی شکایت نہ سنا کبھی کبھی البتہ اتنا کہہ دیتی تھیں کہ جب بیماری میں تکلیف کی شدت ہو تو جسم روح کے وقت کیا حال ہو گا۔ مگر انتقال سے ایک روز قبل نماز فجر کے اول وقت ٹوٹے پھوٹے الفاظوں میں کہا کہ اب مجھ کو کسی تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے اس لیے کہ ابھی ابھی حضور تشریف لائے تھے تو میں نے دامن تھام اور عرض کیا کہ مجھکو مدینے لے چلیے آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں ہم تم کو جلد بلا لیں اور تکلیف جان کنی کی نسبت بھی ارشاد ہوا تم ذمہ دار ہیں تم کو ایسی کوئی تکلیف نہ ہو گی چنانچہ اب ہم کو کوئی فکر نہیں ہے۔

الحمد للہ کہ نتیجہ بھی واقعی اسی شکل میں ظاہر ہوا کہ میرے سوا کسی کو آخر تک اس کا احساس نہ ہوا کہ ان کا خاتمہ اس درجہ قریب ہے۔

خدا گواہ ہے کہ راقم کے اس قول میں ذرا برابر بھی مبالغہ نہیں ہے کہ ایثار حیا و غیرت مروت و محبت فہم و فراست، جرأت و صداقت، وفاداری، حسن عقیدت، اصدق درنیت، خلوص و عبادت حسن خلق، صحت مذاق، پاکی و پاکیزگی، صبر و استقلال اور سب سے بڑھ کر عشق رسول اور محبت حضرت حق کے لحاظ سے شاید مسلمان عورتوں بلکہ مردوں میں بھی کم ایسے افراد موجود ہوں گے جن

کو ہم بیگم حسرت سے بہتر بنا کر برابر دے سکیں ان تمام باتوں کی تفصیل ایک حد اماہ تصنیف کے طالب ہیں۔

این سعادت بہ زور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

راقم کو بیگم حسرت کی جدائی سب سے زیادہ از خیال سے شاق ہے کہ اب کوئی اس کی کوتاہیوں پر ملامت کرنیوالا نہ رہا ظاہری تعلیم کو چھوڑ کر باقی کل باتوں میں بیگم اس سے بدرجہا بہتر تھیں ان کو ہر قسم کی تنبیہ کا حق حاصل تھا جس کا اثر بھی خاطر خواہ ہوتا تھا افسوس کہ گذشتہ چند ماہ کے دوران میں مجھ سے بعض خانگی امور میں بالکل نادانستہ طور پر ایسی خامیاں ظاہر ہوئیں جن کی بنا پر انہوں نے اپنے لیے میری جانب سے بے رخی و کم التفاتی کا گمان پیدا ہو گیا اور اس کا انکیں بہت صدمہ ہوا بعد میں اگرچہ فطری نیک نیتی اور عالی حوصلگی کی بنا پر انھوں نے میری معذرت کو صحیح تسلیم کر کے دل کو صاف کر لیا تھا مگر مجھکو پاداش کا خطرہ ہی .... لگا رہتا تھا جس کا اظہار میں نے اپنی آخری غزل میں بہ ایں الفاظ کیا تھا۔

چھوڑ کر وہ چل نہ دیں آخر زرہ انتقام
مجھ کو ہمارات دن آنسو بہانے کے لئے

افسوس کہ جس بات کا ڈر تھا وہی سامنے آئی اور ہمیشہ کیلئے مجھ کو مغموم و محروم بنا گئی

(منقول از حسرت موہانی)

(مصنفہ از پرنسپل عبدالشکور)

مولانا حسرت کا سلسلہ طریقت

مولانا حسرت کے مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب فرنگی محل ایک ایسے خاندان کے رکن تھے جس کا علمی تبحر اور حذاقت مسلم ہے انکے جد اعلیٰ حضرت ملا قطب الدین شہید سہالوی سلسلہ چشتیہ سے وابستہ تھے لیکن حضرت قطب شہید کے فرزند استاذ الہند ملا نظام الدین اور پوتے حضرت ملا احمد عبدالحق ایک ایسے بزرگ کے وسیلے سے قادریہ میں داخل ہوئے جو عارف رموز شریعت و طریقت تھے مگر بظاہر نوشت و خواند سے بھی نا آشنا تھے۔ ؎

نگار ما کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

ان جلیل القدر بزرگ کا نام نامی اور اسم گرامی (سید السادات حضرت شاہ) عبدالرزاق (علیہ الرحمۃ) تھا حضرت ممدوح اودھ کے ایک گاؤں بانسہ شریف میں اقامت پذیر ہوئے اور وہیں آپکا مرقد منور ہے سید صاحب نے مولا علی کرم اللہ وجہہ کی خواب میں زیارت کی اور ان کے ارشاد کے بموجب حضرت میر سید عبدالصمد خدا نما احمد آبادی کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے میر خدا نما علیہ الرحمۃ کے ایک خادم خصوصی تاج بابا نے بیعت کے بعد درخواست کی کہ معمول کے مطابق حضرت سید صاحب کو چلہ کشی کی ہدایت کی جائے اس پر حضرت میر عبدالصمد خدا نما نے فرمایا "اولیاء کاملین کو جو کچھ خلوت اور چلہ کشی میں حاصل ہوا ہے وہ اس سپاہی کو گھوڑے کی پیٹھ پر حاصل ہوگا" حضرت سید صاحب کو رخصت کرتے وقت ہدایت فرمائی کہ جب دہلی سے گزریں میر سید حسین رسول نما سے ملاقات کریں جب وہ دہلی پہنچے اور میر سید حسن رسول نما سے ملے تو انھوں نے فرمایا اے مرد سپاہی ایک ہی بات ہے جو تم کو تمہارے پیر و مرشد سے پہنچی اور مجھکو میرے پیر سے لیکن مطالب کا حصول ہر ایک کی سعی کوشش کے بقدر ہے ایسا نہ چاہیے کہ خوب شکم سیر ہو کر کھائے اور پیر پھیلا کے سوئے اور کسی فقیر کو بدنام کرے۔

مولانا حسرت کے جد سید محمود نیشاپوری کو دسویں پشت میں حضرت شاہ وجیہہ الدین محمد تھے جو ۱۰۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۸ھ میں انکی وفات ہوئی شاہ وجیہہ تحصیل علوم کے بعد گئے تھے اور وہاں سید حسن رسولنما کی خدمت میں حاضر ہوئے غالباً بیعت سے بھی مشرف ہوئے شاہ وجیہہ مولانا حسرت کے پر دادا تھے ان کا عرس موہان میں ہوتا ہے اور مولانا حسرت نے اپنی جائداد کا ایک حصہ اس عرس کیلئے پہلے حج کے جانے سے پہلے وقف ہی کر دیا تھا۔

ملا احمد عبدالحق فرنگی محلی کے فرزند مولانا انوار الحق سلسلہ رزاقیہ قادریہ کے ایک نمایاں بزرگ تھے قبرستان فرنگی محلی جہاں مولانا حسرت مدفون ہیں انھیں کے نام سے منسوب ہے اور باغ انوار کہا جاتا ہے سادات موہان مولانا انوار الحق کے زمانے ہی سے وابستہ ہو چکے تھے مولانا حسرت کے پر نانا مولانا سید آل حسن مرحوم مولانا انوار الحق کے مرید تھے مولانا انوار الحق کے جانشین مولانا عبدالوالی اور انکے جانشین مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی تھے مولانا حسرت کے نانا احمد سعید مولانا عبدالرزاق کے خصوصی مرید تھے اور مدت العمر فرنگی محل میں اپنے پیر و مرشد کے پاس رہے مولانا حسرت کا پورا خاندان شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی کا ارادت مند تھا انکی والدہ اعراس میں شرکت کیلئے پابندی سے جایا کرتی تھیں اور مولانا ان کے ساتھ ہوتے تھے اس لیے عہد طفولیت ہی سے وہ حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق کے معتقد تھے اور ارادت مند تھے بہت ممکن ہے کہ انھوں نے بچپن ہی سے بیعت کی ہو کیونکہ اکثر اشعار میں اس طرف اشارے ملتے ہیں مثلاً ؂

غلام حضرت رزاق کیا ہوئے حسرت

کہ آپ نام خدا عاشقوں کے میر ہوئے

مولانا حسرت کو مولانا شاہ عبدالرزاق سے بے حد عقیدت تھی اردوئے معلیٰ اگست ۱۹۰۳ء کی اشاعت میں انوار رزاقیہ (سوانح حیات مولانا شاہ عبدالرزاق) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہمارے حضرت کا ولی کامل، امام وقت اور غوث دوراں ہونا ارباب نظر اور اہل تحقیق کے نزدیک مسلم ہے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو حضور کی زیارت نصیب ہوئی جن لوگوں کو یہ دولت نہیں نصیب ہوئی انھیں کم سے کم اس کتاب کے مطالعہ سے فیضیاب ہونا لازم ہے لکھنؤ منسٹرل جیل میں فقیر نے حضور کی شان میں یہ شعر کہے تھے ؎

اک خلش ہوتی ہے محسوس رگ جاں کے قریب — آن پہنچے ہیں مگر منزل جاناں کے قریب

لکھنؤ آئے کا باعث یہ کھلا آخر کار — کھینچ لایا ہے دل اک شاہد پنہاں کے قریب

روز ہو جاتی ہے رویائیں بیارت حسرتؔ — آستانِ شہ رزاق ہے زنداں کے قریب

مولانا عبدالرزق کے وصال بعد ان کے جانشین ان کے فرزند مولانا عبدالوہاب ہوئے مولانا حسرتؔ نے تجدید بیعت یا باقاعدہ بیعت ان سے کی خود بیان فرماتے تھے کہ یہ بیعت بعض قلبی شکوک کے رفع ہو جانے کی وجہ سے کی گئی اس مقطع میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔

کیا چیز تھی وہ مرشد وہاب کی نگاہ — حسرتؔ کو جس نے عارف کامل بنادیا

اردوئے معلیٰ میں جو شجرے شائع ہوئے ہیں وہ مولانا عبدالباری کے عنایت کیے ہوئے ہیں اور عبارت ذیل ان پر لکھی ہیں: ”مولوی سید فضل الحسن لالہ بر دست حضرت ابن مرشدی مولانا عبدالوہاب قدس سرالعزیز توبہ کردہ بیعت نمودہ داخل سلسلہ قادریہ رزاقیہ والیہ رزاقیہ شدہ استقامت بر توبہ بخشاد خاتمہ بخیر کناد“

اس سلسلہ مشائخ کا دستور تھا کہ وہ مرید کو پہلے سلسلہ قادریہ میں اور بعد کو ظرف استطاعت کے مطابق سلاسل چشت و دیگر سلاسل میں بھی داخل کرتے تھے حضرت سید بانسوی کو سلسلہ چشتیہ کی ازجات باطنی مکاشفات کی بنا پر ہوئی مولانا حسرتؔ کو سلسلہ قادریہ کی خلافت حاصل ہو چکی تھی اور بعد کو دولت چشت بعطائے خاص حاصل ہوئی اجمال اس تفصیل کی درج ذیل مکتوب سے ہوتی ہے۔

از زیر دواستر دل جیل ۔ ۵ رشعبان المعظم

مخدومی و مطاعی ۔ بعد سلام مسنون گذارش ہے کہ اس وقت تک میں نے شرم کے سبب سے اپنا

حال آپ کو نہیں لکھا تھا اگر آپ با ایمائے خاص بذریعہ عریضہ ہذا درخواست کرتا ہوں کہ بروقت ضرورت مجھکو سلسلہ چشتیہ صابریہ رزاقیہ انواریہ والیہ رزاقیہ میں بیعت لینے کی اجازت مرحمت ہو میں آپکی اجازت کو اپنے اور آپکے مرشد علیہ الرحمتہ کی اجازت کا قائم مقام سمجھوں گا۔

درصورت منظوری درخواست اگر جواب بذریعہ تار مرحمت ہو تو اور بھی خوب ہو

خاک پائے شما دبزرگان شما۔ فقیر حسرت موہانی

پتہ یہ ہے :- درجیل خانہ حسرت موہانی بذریعہ سپرنٹنڈنٹ جیل۔ یرودا۔ پونا

جواب از حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کا خط مولانا عبدالوالی صاحبؒ کے عرس کے دوران میں پہنچا جو آپ کی شرکت کا قائم مقام ہے میں آپ کو مطلوبہ اخذ بیعت کی اجازت بخوشی دیتا ہوں اور اپنے لیے باعث افتخار و مغفرت سمجھتا ہوں مجھے آپ کی تخفیف سزا کا حال معلوم ہوا۔

مولانا حسرت کو دوسرے سلاسل میں بھی بیعت لینے کی اجازت ان کے مرشد زادے نے دے دی تھی لیکن شاگردان شاعری کی طرح مریدان حسرت کی تعداد بہت مختصر ہے۔

مولانا حسرت نے اپنے شیوخ کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ تصنع سے بری ہیں اور ان میں زیادہ تر ایسے معاملات کا ذکر ہے جو ان پر خود گزرے ہیں مثلاً قید فرنگ ثانی میں ان کو بلا اطلاع فیض آباد جیل سے ہرول جیل لایا گیا مولانا حسرت قید تنہائی میں تھے اور بند گاڑی میں لکھنؤ لائے گئے کسی بیرونی ذریعہ سے انھیں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس جگہ ہیں پہلی ہی شب میں انھوں نے خواب میں حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق کی زیارت کی حضرت نے تسلی دی اور کہا کہ وہ قریب ہیں۔ مولانا حسرت فرماتے ہیں کہ جتنے دن لکھنؤ جیل میں رہے ہر روز زیارت کی مقطع میں برملا اس کا ذکر موجود ہے ؎

روز ہو جاتی ہے رویا میں زیارت حسرت آستان شہ رزاق ہے زنداں کے قریب

اس غزل کے ان دو اشعار کے علاوہ جو اوپر درج ہو چکے یہ دو شعر بھی بیان واقعہ ہیں۔

وہ جو ہیں پاس تو بھی ہے اک بلائے مبین — کامیابی بھی نمودار ہے حرماں کے قریب

پلٹئے اس ڈھب سے کہ پھر ہو نہ جدا خاک مری — کہیں پہونچے بھی تو اس گوشہ داماں کے قریب

سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت غوث اعظم جیلانی سے مولانا حسرت موہانی کو والہانہ شیفتگی تھی اور ان کا عقیدہ تھا کہ جو بھی خواہش وہ دربار غوثیہ میں ظاہر کرتے ہیں وہ ضرور قبول ہوتی ہے جب وہ زمانہ جنگ میں بغداد شریف حاضر ہوئے تو دعا کی کہ روس کو شکست نہ ہو لڑائی کے خاتمے کے بعد کہا کرتے تھے کہ ان کی یہ دعا بھی قبول ہوئی حضرت غوث پاک کی شان میں ایک غزل ایسی ہے جو بعض قادری خانوادوں میں وظیفے کے ساتھ پڑھی جاتی تھی

دستگیری کا طلبگار رہوں شیاءً للہ — میں بغداد میں بیمار ہوں شیاءً للہ

اس غزل کے مقطع میں بھی ان کے متکلم عقیدے کا اظہار ہے۔

غوث الاعظم سے جو مانگو گے ملیگا حسرت — بس کہو حاضر دربار ہوں شیاءً للہ

سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے اعراس میں بھی پابندی سے شریک ہوتے تھے پہلی بار قید فرنگ سے رہا ہوتے وقت ان کو سب سے زیادہ مسرت یہ تھی کہ حضرت مخدوم عبدالحق ردولوی کے عرس میں شرکت ہو جائیگی۔

راقم حروف کو بزرگان دین کی عقیدت کے ساتھ جو فطری انس ہے اسکی بدولت زندان فرنگ میں جیسی کچھ قلبی قوت اور روحانی آزادی و اطمینان میسر رہا اور ضمناً جو باطنی فیض حاصل ہوئے الفاظ کے ذریعہ سے انکی حقیقت صحیح طور سے بیان نہ ہو سکتی تھی نہ انکے ذکر کا یہ محل ہے اس لیے اس سے قطع نظر ہی مناسب ہے۔

البتہ آخر زمانہ قید فرنگ کا ایک واقعہ ایسا ہے جس کے اظہار پر کوئی حرج نہیں ردولی شریف کا عرس ماہ جمادی الثانی کی درمیانی تاریخوں میں ہوتا ہے۔ سنہ ۸ء میں یہ تاریخیں ماہ جولائی کی ابتدائی تاریخوں سے مطابق واقع ہوئی تھیں اتفاق سے میں نے ایک روز سوتے وقت حساب کیا تو معلوم ہوا کہ میری رہائی کا دن ٹھیک اس تاریخ مقرر ہوا ہے جو عرس کا آخری روز ہوگا مجھ کو چونکہ حاضری عرس شیخ العالم سے سعادت اندوز

اور فیض پذیر ہونے کا اکثر اتفاق ہو چکا تھا اس لیے بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ رہائی کی تاریخ دو ایک روز قبل ہی مقرر ہوتی تو شرکت عرس کا موقع مل سکتا تھا لیکن تاریخ رہائی ٹکٹ پر درج ہو جانے کے بعد دوبارہ تبدیلی ہو سکنے کا اس وقت میرے دل میں وہم و گمان بھی نہ تھا پھر بھی نہ اٹھنے پر سب سے پہلی بات جو مجھے معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے صبح اٹھنے پر مجھے غیر معمولی طور پر دفتر کے بجائے نئی تکلیف میں طلب کیا نئی تکلیف میں پہونچکر منشی صاحب سے معلوم ہوا کہ صاحب بہادر میرے استقلال اور نیک چلنی سے بہت خوش ہوئے ہیں اور اس لیے اپنے اختیار سے غالباً وقت مقررہ سے کچھ قبل ہی مجھے رہا کر دیںگے اس مژدۂ جانفزا کے سننے سے مجھکو بھی بہت مسرت ہوئی اور یقین ہو گیا کہ گذشتہ شب کی آرزو اب ضرور پوری ہوگی سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھ کو دیکھتے ہی حکم دیا کہ ہم اپنی جانب سے ان کو پندرہ دن کی رہائی پہلے دیتے ہیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور تاریخ مقررہ سے پندرہ روز قبل رہا ہو کر شام تک الہ آباد میں شہر کو مکان روانہ ہوا اور وہاں دس دن قیام کر کے بااطمینان تمام ردولی روانہ ہوا ممکن ہے کہ لوگ اس واقعہ کو حسن اتفاق پر محمول کریں لیکن راقم کے نزدیک یہ سب کچھ شیخ العالم مخدوم احمد عبدالحق ردولی رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی تصرف اور توجہ کا نتیجہ تھا۔

(مشاہدات زندان صفحہ ۱۲)

مولانا حسرت نہ صرف باقاعدہ مرید اور بزرگان سلسلہ کے معتقد تھے وہ اپنے سلسلے کے سلوک اور زیارت سے بھی آگاہ تھے جس طرح انکی شاعری غور و فکر، عمیق مطالعے اور قدیم قواعد کی پابندی کی وجہ سے اساتذہ قدیم کے اصول پر بھی درست ہے اور ندرت مضامین و جدتِ فکر کے لحاظ سے جدید تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے اسی طرح ان کی طریقت اگر ایک طرف مجاہدات و مکاشفات سے وابستہ ہے تو دوسری طرف ان کے سیاسی کردار و افکار پر اس کے گہرے اثرات پڑے ہیں ایک سچے درویش کی طرح وہ زندگی بھر ساز و سامان سے بے نیاز رہے اللہ کے ایک فقیر کی شان سے کبھی مخلوق کے سامنے دست طلب دراز نہیں کیا قید فرنگ میں جن مصائب کا سامنا ہوا وہ خوشی خوشی برداشت کیں جن کوئی اور بے خوفی انکا شعار رہا کبھی مایوس و ملول

نہیں ہوئے طالبان حق و مالکانِ معرفت کو جو کچھ چلہ کشی اور ریاضت سے حاصل ہوتا ہے وہ مولانا حسرت کو چکی کی مشقت اور جیل خانہ کے اعتکاف میں حاصل ہوا مشاہدات زندان کے صفحات گواہ ہیں کہ سیاسی جد و جہد اور قید و بند کے تمام مراحل انھوں نے ایک پکے صوفی کے انداز سے طے کیے ان کے سیاسی نظریات کلیتہً ان کی درویشی کا نتیجہ تھے حد یہ ہے کہ اشتراکیت کے ایسے نظریے کو بھی وہ اپنے درویشی اور اسلام سے مرتبط سمجھتے تھے خود فرماتے ہیں۔

اہل ایماں رکھتے ہیں کامل بقول اے جنوں
شان لاخوف علیہم شیوۂ لایحزنون

کامیاب و کامراں ہیں شاد و کام و شادماں
گو کہ دیوانے ترے ظاہر میں ہیں زار و زبوں

روشنی بخش دل و جاں ہو نہ کیوں اس کا خیال
جس کے جلوے کی درخشانی ہے انوار العیون

تکمیل علاج دنیوی کو حسرت
ہے خواہش حسن عاقبت بھی لازم

درویشی و انقلاب مسلک ہے مرا
صوفی مومن ہوں اشتراکی مسلم

زانرو کہ بہ ہیچ است مآل اسلام
فی الجملہ ہے آئینہ سویت قائم

پرنسپل عبد الشکور صاحب نے اپنی کتاب حسرت موہانی میں ان کا ایک جملہ نقل کیا ہے جس سے ان کے عقائد کی پوری تشریح ہو جاتی ہے۔ "میں قدامت پرست سنی اور صوفی ہوں تصوف کو مذہب کا جوہر سمجھتا ہوں اور تصوف کا ماحصل میرے نزدیک جذبۂ عشق ہے۔"

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے:۔

"بچپن ہی میں وہ قادری سلسلہ میں مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب فرنگی محلی لیڈر بزرگ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی یعنی جد بزرگوار مولانا جمال میاں فرنگی محلی کے مرید ہو چکے تھے اور اس سلسلہ میں سید مولانا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے انکو خاص عقیدت تھی یہی وجہ ہے کہ ہزاروں انقلابات کے باوجود حسرت اپنی زندگی اور صوفیانہ مشرب میں غیر متزلزل رہے۔ بچپن سے موت تک وہ سچے اور پکے دیندار مسلمان رہے وہ نہ صرف مسلمان

بلکہ صوفی مسلمان تھے اور صوفیوں میں بھی وہ صوفی جنہیں بزرگوں کا کوئی مزار اور کوئی عرس اور کوئی قوالی کی مجلس چھوٹتی نہ تھی خصوصاً فرنگی محلی اور ردولی کی مجلس سید فضل الحسن موہانی کی زندگی کے واقعات پر نظر کرکے ان کی شان حضرت ابوذر صحابی کی سی نظر آتی ہے جن کی نسبت رسول اللہ نے فرمایا ابوذر سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی سچ یہ ہے کہ اس عہد پر فریب میں حسرت سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی ۔

مولانا حسرت نے جابجا اس کا اظہار کیا ہے کہ انکی بے انتہا قوت برداشت اور فطری شادمانی وبےغمی کا سرچشمہ ان کا ذوق تصوف اور جذبہ عشق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شاعری اور سیاست ان کے تصوف سے وابستہ ہیں ان کا عشق مجازی بھی ہے تو صرف حقیقت کی رہنمائی کے لیے ۔

عشق بتاں سراج طریقت صفا بنا　　حق الیقیں تک آئے ہیں عین الیقیں سے ہم

مولانا صوفی تھے صاحب نسبت تھے اپنے مرشدین کی روحانیت سے اکتساب فیوض کرتے تھے ان کے سلسلہ طریقت میں صفائے باطن اور تہذیب اخلاق کے ساتھ شریعت کی کامل پابندی لازمی ہے اس لیے انکا کلام یکسر ان اصطلاحات اور مضامین سے خالی ہے جو ارباب تصوف کے نقل کرنیکا شعار ہیں انھوں نے ایسے اشعار نہیں لکھے ہیں جو شریعت اور طریقت کے پورے معیار پر نہ اتریں انھوں نے اپنا سلوک دو مصرعوں میں بیان کر دیا اور ان کی سیرت شاہد ہے کہ وہ ان پر عامل رہے ۔

پڑھئے اس کے سوا نہ کوئی سبق　　خدمت خلق و عشق حضرت حق

ان کا خیال تھا کہ گیتا میں وراگ اور تیاگ پر زور نہیں دیا گیا ہے بلکہ سری کرشن عمل یعنی کرم یوگ کے فلسفہ کی تبلیغ کرتے تھے اس لیے انکے نزدیک اسلام اور گیتا کی تعلیمات میں جابجا یکسانیت پائی جاتی ہے کرشن جی کے ساتھ اس حسن باطن کے باوجود انھوں نے ان کی مدح میں جو غزلیں لکھی ہیں ان کے ساتھ حضرت سید بانسوی کے مکاشفے کا بھی حوالہ دیا ہے اور اس مدح میں بھی اپنے اصول سے نہیں ہٹتے ہیں ۔

متھرا کہ نگر ہے عاشقی کا — دم بھرتی ہے آرزو اسی کا

پیغام حیات جاوداں تھا — ہر نغمۂ کرشن بانسری کا

وہ نور سیاہ تھا کہ حسرتؔ — سرچشمہ فروغ آگہی کا

دیوان ہفتم کے دیباچہ میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے "جن جن بزرگوں سے فقیر کو فیض پہنچا ہے ان سب کی جانب اس مجموعہ میں کہیں نہ کہیں اشارہ موجود ہے بزرگانِ دین اسلام کے علاوہ ایک موقع پر سری کرشن کا بھی نام آیا ہے۔ حضرت سری کرشن علیہ الرحمۃ کے سلسلے میں فقیر اپنے پیر اور پیروں کے پیر حضرت سید عبد الرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ کے مسلک عاشقی کا پیرو ہے ؎

مسلک عشق ہے پرستش حسن — ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب

طریقت نے انکو سب سے بڑی نعمت یہ عنایت کی کہ وہ صوم و صلوٰۃ حج اور خیرات کی انتہائی پابندی اور منہات شرعیہ سے مکمل اقرار کے باوجود تقشف کی خشونت اور زہد کے غرور سے محفوظ رہے کلیات حسرت کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے راہ سلوک و تصوف کو طے کر لیا تھا تصور شیخ اور محبت شیخ سے تصور رسول اور محبت رسول تک پہنچے۔ فنافی الشیخ سے فنافی الرسول ہوئے اور درجہ کمال یعنی فنافی اللہ بھی حاصل کر لیا کلیات کے ابتدائی حصوں میں شیوخ طریقت کی مدح سرائی ہے اور آخری حصوں میں زیادہ تر نعت و حمد ہے۔

مولانا حسرت کی شاعری اور انکی سیاست بلکہ انکی ساری زندگی تصوف اور روحانیت پر مبنی تھی انکے روزنامچے کے چند صفحات یہاں نقل کیے جا رہے ہیں جن سے انکی قلبی کیفیات اور بعض رویائے صالحہ کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

۶ مارچ ۱۹۴۲ء آج بیگم حسرت مرحوم کا فاتحہ تھا حسب معمول میں نے بتاشوں پر نیاز دیکر بچوں کو تقسیم کر دیئے میرا تجربہ یہ ہے کہ ہر ماہ گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخیں واقعات و حوادث زندگی کیلئے نہایت درجہ اہم ہوتی ہیں چنانچہ آج بارھویں تاریخ کی شب میں پہلی بار رسول اللہ کی زیارت نصیب

ہوئی۔ حضرت ایک تہہ بند پہنے ہوئے تھے اور جسم مبارک پر ایک کوٹ تھا قمیص تھی شکل مبارک کا ایک ایک حصہ فقیر کی نظروں اسوقت تک موجود ہے ایک قلعہ نما عمارت میں پہلی حاضری کا اتفاق ہوا اور دہیں شناسائی کی دولت نصیب ہوئی قلعے کے باہر ایک میدان میں بڑی نماز جماعت کے ساتھ ہو رہی تھی ایک رکعت ختم ہوگئی تھی میں رسول اللہ سے دور تھا مگر میں نے دوڑ کر حضور ہی کے قریب جماعت میں شرکت کی اور پہلی رکعت ملنے کی پروانہ کی بعد نماز کرسیوں پر حاضرین کی جماعت بیٹھی رہی حضور نے اپنے سامنے کی ایک قاب سے دو نارنگی کی پھانکیں مجھ کو خاص طور پر مرحمت فرمائیں سب لوگوں نے اس لطف پر مبارکباد دی میرے خیال میں یہ پھانکیں اس کی علامت ہیں کہ حضور کو فقیر کے ذریعہ درویشی کی اشاعت منظور ہے۔

۱۳ر مارچ ۱۹۲۲ء:۔ رات کے خواب کا آج دن بھر دل پر اثر رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاید آزادی ہند و مسلمین ہند کا کام مجھ سے لینا ہے اب مجھکو یہ بھی یاد آتا ہے کہ پہلے سفر حج کے موقعہ پر جبل احد پر چلہ اس غرض سے باندھا تھا کہ انگریزوں کی حکومت کا ہندوستان میں خاتمہ ہو جائے۔ رات کے خواب کی نسبت یہ دو باتیں اور یاد آئیں۔

(۱) یہ کہ نماز جماعت اور اجلاس عام بعد نماز سے پہلے ہی قلعہ میں حضور کی نظر مجھ پر پڑ چکی تھی اور حضور نے خوب پہچان کر توجہ کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔

(۲) اجلاس عام میں جب پہلے انش ایک رکاب میں تمام حاضرین میں تقسیم کی گئی اور ہر شخص کو چند دانہائے انار نصیب ہوئے مجھ کو بھی ملے۔ نارنگی کی پھانکیں صرف مجھ کو ملیں۔

نوٹ:۔ یہ واقعہ ۲۵ر صفر ۱۳۴۱ھ کو پیش آیا جو ان کے مرشد کی تاریخ عرس بھی ہے۔ ج

۲ر اپریل ۱۹۲۲ء "رات یعنی ۲ر ۳ر اپریل کی درمیانی رات میں اور ۲ بجے شب کے دقیقہ" رسول اللہ کی زیارت دو بار نصیب ہوئی ایک مربع کمرے میں آپ استراحت فرما رہے تھے صورت قاضی محمد حامد حسرت فیض آبادی

سے مشابہ تھی فرطِ شوق میں جب دست بوسی کے قریب ہوا تو حضور نے لیٹے لیٹے دست مبارک میری طرف بڑھا دیا اور میری اس بے باکی کو گستاخی پر محمول نہ فرمایا بلکہ بہ تبسم کچھ نصیحتیں کیں جو مجھ کو یاد نہ رہیں۔

۲ مئی ۱۹۶۰ء۔ آج رات کے نصف آخر حصہ میں بلا تکلف رسول اللہ کی زیارت نصیب ہوئی ایسا معلوم ہوا کہ روضۂ مبارک میں جو گنبدِ خضرا کے تحت میں محصور و محدود ہے حضور لحد مبارک کے قریب کسی چیز سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ تہ بند چادری وضع کا ہے اور بند کوٹ پھول دار کپڑے کا زیب بر ہے۔ جس کے درمیان ایک پیٹی بھی ہے جس کی وضع وہی ہے جیسی کہ حجاج استعمال کرتے ہیں میرے دل میں بے اختیار خواہش پیدا ہوئی کہ حضور میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر اسی وقت مجھ کو بیعت کر لیں میں نے بغور دیکھا تو حلیہ مبارک کو قریب قریب ویسا ہی پایا جیسا کہ کتب حدیث مثلاً شمائل ترمذی میں منقول ہے۔

ایک موقع ایسا آیا کہ میں اسقدر قریب ہو گیا کہ جسم مبارک کی خوشبو خوب محسوس ہوئی اس کے بعد کیا ہوا وہ آنکھ کھلنے پر مجھے یاد نہیں رہا دوبارہ آنکھ لگنے پر ایک بار پھر وہی منظر پیش نظر ہوا۔ مگر اس کی تفصیل بھی باوجود کوشش کے کچھ یاد نہ آئی۔

مولانا حسرت کا سلسلہ سخن

شاہ ظہور الدین حاتم

مرزا محمد رفیع سودا

قیام الدین قائم ← خواجہ میر درد سے بھی تلمذ تھا

شاہ محمدی مائل دہلوی

شاہ نصیر

حکیم مومن خاں مومن

نواب اصغر علی خاں نسیم

منشی احمد امیر اللہ تسلیم

مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی

مولانا شفیق جونپوری — شفقت کاظمی

فن شاعری میں مولانا حسرت کا سلسلۂ تلمذ ایک ایسے خاندان سے ہے جس میں یکے بعد دیگرے نامی گرامی اساتذۂ فن ہوئے۔ سب سے پہلے شیخ ظہور الدین حاتم ۱۱۱۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۹۶ برس کی عمر میں ۱۲۰۷ھ میں وفات پائی۔ ان کی زبان صحیح اور کلام بے تکلف تھا۔ حیرت ہے کہ اتنے قدیم زمانے میں اتنی شیریں اور سہل اردو کیسے استعمال کی۔

مژدہ اے حاتم جہاں کو جن کے فانی خدا کو جاہ — اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

دامن تلک بھی اس کے نہ پہنچا مرا غبار — کہتے ہیں سچ زمیں کہاں آسماں کہاں

کعبے میں جسکو ڈھونڈنے جاتا ہے شیخ تو — وہ تیرے ہی بغل میں ہے اندھے وہاں کہاں

مولانا حسرت نے ان کے دیوان کا انتخاب شائع کیا ہے۔ وہ بلاشبہ شاہ حاتم استاذ الاساتذہ تھے اور اردو شاعری کے موجودہ زبان کے بانی تھے۔ ان کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے جس میں مرزا رفیع سودا کے ایسے استاد بھی شامل ہیں۔

مرزا رفیع سودا بھی دہلی کے رہنے والے تھے ۱۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے ۷۰ برس کی عمر میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت شاہ حاتم موجود تھے سن کر بہت روئے اور کہا افسوس ہمارا پہلوان سخن اٹھ گیا۔ اس شخص نے زبان اردو کو پاک صاف کیا۔ تمام ہندوستان میں پہلا نمبر ہے۔ (آب حیات)

سودا کی قادر الکلامی اور استادی مسلم ہے۔ جہاں گوشہ ... علاوہ ازیں شاعری کے ماہر تھے اس فن پر ایک کتاب تنبیہ الغافلین بھی لکھی ہے۔ ان کے اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ دو شعر جن ... ہوئے

گل پھینکے ہیں غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا — ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

سودا کے شاگرد ضیاء الدین قائم تھے۔ قائم سے خواجہ میر درد علیہ الرحمہ نے اصلاح لی تھی۔ ان کے

شاگرد شاہ محمدی مائل اور شاہ محمد مائل کے شاگرد رشید شاہ نصیر دہلوی ہوئے شاہ نصیر کے شاگردوں کی تعداد بیشمار ہے جنہیں ذوق کے ایسے تلامذہ بھی تھے اور حکیم مومن خاں مومن ایسے رنگین بیان اور زندہ جاوید شاعر بھی

حکیم مومن خاں مومن ۱۲۱۵ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کا نام رکھا علوم عربیہ اور دہلویہ کی تحصیل کی طبابت اور نجوم میں بھی کمال حاصل کیا شاعری کا مذاق بہ شعور سے تھا غزلوں میں ان کے خیالات نہایت نازک اور مضامین عالی ہیں اشعار میں فارسی کی ترکیبیں اور دلکش تراشیں ان کی خصوصیت ہیں اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ایک طرز خاص کے موجد تھے۔ نمونہ کلام

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

تو میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

نہ مانوں گا نصیحت کو نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات پر ناصح تمہارا نام لیتا تھا

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانہ کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں سب ہجراں ہونگے

عمر تو ساری کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

مومن دہلوی کے سب سے بہتر شاگرد نواب اصغر علی خاں نسیم اپنے دو بھائیوں سے ناراض ہوکر لکھنؤ چلے آئے پھر بقیہ عمر یہیں بسر کی اول درجے کے خوشنویس اور زباندان شخص تھے کچھ دن مطبع نولکشور میں ملازم رہے پھر گلدستے میں نسیم کی ایک غزل دیکھکر مرزا غالب نے نولکشور سے انکا حال دریافت کیا اور انکی چند دیگر غزلوں کا شوق ظاہر کیا منشی صاحب نے ان سے بہ وقت تمام سب حال پوچھکر لکھا اور غزلیں بھی بھیجیں غالب نے جواب میں اپنی کمال پسندیدگی کا اظہار کیا اور ان کا دہلوی ہونا معلوم کرکے لکھا۔

"لہر یا جستم و عقیق یافتم" دل نیرنگی خیال اور رنگینی بیان "دو خاص جو میر نسیم کو مومن خاں سے بہ

حیثیت میراث استاد حاصل ہوئے جنکو انھوں نے بہ تجدید خوب سے خوب بنا کر دئیے دیناشاعری ہیں اس آن بان کے ساتھ لیا کہ لکھنؤ کے لفظ پرستوں نے بھی داد دی اور اظہار پسندیدگی سے باز نہ رہ سکے لکھنؤ کی زبان دہلی کے بیان کی پسندیدہ اور معتدل ترکیب کا جلوہ جیسا مرزا نسیم کی شاعری میں نظر آتا ہے اسکی مثال کسی اور دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں مل سکی اور یہیں سے ہم کہ ہم نسیم کی منتخب غزلوں کی اردو شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہیں۔ لارڈ دے معلیٰ جنوری ۱۹۰۸ء) نمونہ کلام

ساغر ہلال کے بے خبر دو جہاں بنا | او پیر مے فروش ہمیں بھی جواں بنا
اللہ رے درازی آغاز مدعا | نکلا جو حرف منہ سے مرے داستاں بنا
خوشا قسمت قفس ہیں ہم، قفس پر سینکڑوں پردے | نظر بھی اب تو جا سکتی نہیں دیوار گلشن پر
دیکھا و قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم | چارہ گر سے درد مالان درد دل ہو دل سے ہم
سینہ و دل ہیں ہجوم داغ حسرت سے نسیم | پھول چن لیتے ہیں اپنے گلشن حاصل سے ہم

نسیم کو اپنی زبان دانی پر ناز تھا خود کہہ گئے ہیں۔

نسیم دہلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں | کوئی اردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں۔

نسیم دہلوی کے شاگرد منشی امیر اللہ تسلیم بدو کی مضافات دریا آباد کے رہنے والے تھے مالی پریشانیاں لکھنؤ لائیں اور محمدی شاہ کی سرکار میں تیس روپے ماہوار پر ملازم ہوئے پانچسو سواروں کے افسر اور پیشہ سپہ گری تھا عہد واجد علی شاہ بہ حیثیت شاعر ملازم رہے انھوں نے ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کے چند ابتدائی شعر یہ ہیں :

کس طرح نہ دل تڑپے رگ و جاں کے برابر | ہر دم ہے دم خنجر براں کے برابر
ناکامی قسمت سے ہے مجھ کو یہ گردوں | ہر روز تمنا شب ہجراں کے برابر
کیا کیا نہیں خوں گشتہ تمنائیں جگر میں | سینہ ہے مرا گنج شہیداں کے برابر

واجد علی شاہ نے اس قصیدہ پر درج ذیل دو شعر میں اپنا حکم درج فرمایا:-

بشنو اے خوشنویس ویائے خوش گو — ہر دو فن می کنی دہر دو نکو

اسم تو مندرج بہ دفتر شد — بست و دو روپیہ مقرر شد

سلطنت اودھ کے خاتمے کے بعد کچھ دن نولکشور میں اپنے استاد کی طرح خوشنویسی کی خدمت پر ملازم رہے نواب کلب علیخاں کے عہد میں رام پور چلے گئے اور وہیں ۱۹۱۱ء میں وفات پائی پیدائش کی صحیح تاریخ معلوم نہیں مگر سو سال سے زائد سن ہوا خود کہتے ہیں:-

سو برس کی عمر میں تسلیم کیسی شاعری — اب دل کو نظم کی خواہش نہ انشاء کی ہوس

نواب حامد علیخاں کے عہد میں ۱۹۰۸ء میں چالیس روپے ماہانہ پنشن مقرر ہوئی جو آخر تک ملتی رہی

وہ راحت پائی ہے حامد علیخاں کے تصدق میں — عجب کیا خلد میں بھی یاد مجھکو رام پور آئے

تسلیم نے ناسخ اور آتش کو بھی دیکھا تھا لکھنؤ میں تمام نامی گرامی شعراء کیساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے تھے فن شاعری و تمام کمال اپنے استاد نسیم سے حاصل کیا استاد کی زندگی ہی میں انکے کمال کا شہرہ ہو گیا تھا علیگڑھ کا یہ شاندار مشاعرہ جس پر منشی امیر اللہ تسلیم اس قدر برہم ہوئے مولانا حسرت کیلئے بڑی مشکل کا باعث ہوا اس اجمال کی تفصیل جناب مجنوں گورکھپوری کی شگفتہ عبارت میں درج ذیل ہے:

غالباً ۱۹۰۲ء کے ایام تھے تدریسی مہینے ختم ہو چکے تھے اور طلباء امتحان کی تیاریاں کر رہے تھے حسرت بھی بی اے کے امتحان میں شریک ہونے والے تھے اس زمانے میں انجمن اردوئے معلی کی طرف سے جس کے معتمد و مہتمم حسرت تھے ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد ہوا یہ مشاعرہ کئی اعتبار سے یادگار ہے ہندوستان کے تمام اکابر شعراء اس میں شریک ہوئے غالب کے محبوب شاگرد میر مہدی مجروح جو کافی سن رسیدہ اور ضعیف ہو چکے تھے اس محفل میں سب سے نمایاں اور ممتاز صورت تھے۔ اس زمانے میں امیر مینائی کے شاگرد گستاخ رامپوری جن کی گستاخ نگاری کی کافی شہرت ہو چکی تھی علیگڑھ میں جیل کے جیلر پر مامور تھے

وہی گستاخ ہیں۔ جن کے بعض شعر زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں ؎

دل ہے گستاخ دلربا گستاخ — ایک سے ایک ہے سوا گستاخ
پوچھتے ہیں وہ صبح وصال — اب کہو دل کا مدعا گستاخ
بول اٹھے رند دیکھ کر یں صنم — شیخ ہے یار ریاض یا گستاخ
ان کی صحبت میں اب وہ لطف نہیں — ہو گئے جب سے پارسا گستاخ
صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور — نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی
نہ جانے کس نے بگاڑا اسے علی گڑھ میں — کہ رام پور میں وہ یوں خراب نہ تھا

غرض کہ مشاعرہ بڑی دھوم دھام کا رہا اور بڑی چہل پہل رہی
طرحی غزل میں گستاخ نے ایک مطلع سنایا تھا

یہ مرض گستاخ تجھکو کیسا پیدا ہو گیا — جس کی صورت اچھی دیکھی اس پہ شیدا ہو گیا

مشاعرے کی محفل بڑی کامیاب ہی کالج کی تمام سربرآوردہ ہستیاں اور شہر کے منتخب اور ممتاز ارباب مشاعرے میں موجود تھے اور سب اس یادگار بزم کی تعریف کرتے ہی اٹھے اور دوسرا دن حسرت کیلئے بڑی آزمائش کا دن تھا ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ زمانہ برطانوی قیصریت کے شباب کا زمانہ تھا مسٹر ماریسن کالج کے پرنسپل تھے اور نواب محسن الملک سکریٹری ارباب حل وعقد پر سرکار برطانیہ کا رعب چھایا ہوا تھا اور کالج میں گھر کے بھیدی لنکا ڈھانے والوں کی بھی کمی نہ تھی پیٹھ پیچھے لڑائی کرنے والوں نے جن کو حسرت کی آزاد و مستغنی طبیعت سے زوال ہی سے اختلاف تھا ماریسن سے جا کر کہہ دیا کہ مشاعرہ میں تہذیب سے گرے ہوئے اشعار پڑھے گئے اور مثال کے طور پر گستاخ رامپوری کا وہ شعر پیش کیا جو اوپر حوالہ قلم ہو چکا ہے اس اعتراض کرنے والے فرقہ کے امام محمد علی مرحوم تھے اسوقت میں حال ہی ولایت سے واپس آئے تھے اور نہایت خالص محمد علی تھے ان لوگوں نے مشاعرے کو نہ جانے کس روشنی میں پیش کیا اور گستاخ رامپوری اور بیچارے شعر کی کیا تشریح کی کہ ماریسن آگ بگولہ ہو گیا اور حسرت کو بلا کر نہایت

خشونت کے لہجے میں کہا کہ تمہارا مشاعرہ نہایت غیر مہذب اور مخرب اخلاق تھا حسرت نے پہلے تو نرم لہجے میں اختلاف کیا لیکن مارلیسن کا غصہ کسی طرح دھیما نہ پڑا تو نہایت بیباکی کے ساتھ کہہ دیا کہ ممکن ہے کہ آپ کے معیار اخلاق سے ایسا ہی ہوا ہو ہمارے معیار اخلاق سے تو مشاعرے میں کوئی خلاف تہذیب بات نہ تھی حسرت کا یہ کہنا تھا کہ مارلیسن آپے سے باہر ہو گیا اور انتہائی غیض و غضب میں چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ کیا یہ ثابت کرنا ہے کہ دنیا میں اخلاق و تہذیب کے دو معیار ہیں اس کے بعد اس نے فوراً کالج کے معتمدین کا ایک خاص اجلاس طلب کیا اور اس میں یہ تجویز پیش کی کہ حسرت کو کالج سے نکال دیا جائے اور کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ مارلیسن کی رائے سے اختلاف کرتا لیکن چونکہ حسرت کی شخصیت کا رعب سب پر چھا چکا تھا یہاں تک کہ خود نواب محسن الملک ان کی قابلیت اور فضیلت کے معترف تھے اس لئے اس تجویز میں اتنی ترمیم کر دی گئی کہ حسرت کو کالج سے نکال تو دیا جائے لیکن امتحان میں شریک ہونے سے نہ روکا جائے ....

تسلیم کے شاگرد غزلیں اصلاح کے لئے انھیں کو دکھاتے تھے [لے]

تسلیم آخری مشاعرے میں مولانا حسرت کے اصرار سے شریک ہوئے تھے یہ مشاعرہ علیگڈھ میں ہوا تھا جس میں اس عہد کے تمام معمر شعرا موجود تھے مشاعرے سے واپسی کے بعد اپنے شاگرد عرش کو تجدید کیا۔

• مولوی فضل الحسن حسرت موہانی کی ضد سے میں اس مشاعرے میں شریک ہوا اس مشاعرے میں نئی روشنی والوں کی یہ قدر دانی نہیں بھولتی کہ عرض واہ واہ کے یاروں نے تالیاں بھی بجائیں ؎

مٹائے جاتے ہیں اردو کو انگریزی فیشن والے ... خرابی اس کی قسمت میں خدا جانے کہاں تک ہے

لے تسلیم کے دو شعر خوب ہیں ؎

یادگار ہستی موہوم ہم رکھتے ہیں ... صورت عمر رواں نقش قدم رکھتے ہیں

ایک صورت پر بسر کرتے ہیں اہل ایماں ... صورت ماہ دو ہفتہ بیش و کم رکھتے ہیں

سخت کرتا ہے خیال قدیم ہو یا پامال ہو کم سے کم اس کی بندش میں جو محنت شاعر نے کی ہے اس کی قدر کرنا چاہئے اور اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ ہر شعر اپنی جگہ پر اچھا ہوتا ہے۔

کلام حسرت کی دل پذیری میں بڑا دخل الفاظ کی شیرینی کو ہے وہ انتخاب الفاظ کا خاص خیال رکھتے تھے خود تحریر فرماتے ہیں شاعری اور استادی کا صرف یہی کمال نہیں کہ مضمون بلند ہو اور زبان صحیح یا ردیف کھلتی ہوئی ہو اور تازہ بلکہ ان سب باتوں کے علاوہ سب سے بڑی خوبی جو سب سے بڑھکر مشکل لیکن سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے وہ انتخاب الفاظ سے متعلق ہے (اردوئے معلیٰ اگست سنہ ۱۹۰۵ء منقول از مضمون آل احمد سرور)۔

مولانا حسرت نے بہ اعتبار مضامین غزلیات یا اشعار کی تقسیم کی تھی۔ پرنسپل عبدالشکور صاحب نے اپنی کتاب میں یہ غیر مطبوعہ مقالہ درج کیا ہے چونکہ اس مقالے سے مولانا مرحوم کے نقطہ نظر کی ترجمانی ہوتی ہے اس لئے ہم پورے مقالے کی نقل کرتے ہیں۔

غزلوں (یا اشعار) کی قسمیں حسرت کے خیال میں یہ ہیں:-

آمد (۱) عاشقانہ (۲) عارفانہ (۳) فاسقانہ

آورد (۱) ماہرانہ (۲) ناقدانہ (۳) ضاحکانہ

آمد و آورد (۱) شاعرانہ (۲) واصفانہ (۳) باغیانہ

چنانچہ بقول حسرت ناسخ کا کلام ماہرانہ ہے چونکہ ان کے ہاں آورد ہی آورد ہے اور جگر کا کلام بالعموم ہوتا ہے کیونکہ ان کے ہاں اکثر آمد پائی جاتی ہے۔ ناقدانہ کلام میں عام طور سے پند و نصائح ہوتے ہیں اکبر کا ضاحکانہ کلام کی مثال ہے یہ تقسیم چونکہ شاعری کا تعلق وجدان اور کیفیت روحانی سے ہے اس لیے اسے کسی کاغذی نقشے میں مقید نہیں کیا جاسکتا لیکن حسرت نے جو شکل پیش کی تھی وہ بہت بڑی حد تک جامع ہے اور ان کا خیال تھا کہ جب تک کسی خاص رنگ میں کم از کم پانچ غزلیں موجود نہ ہوں تب تک وہ رنگ کسی شاعر سے منسوب کرنا مناسب نہیں ہے پانچ چھ مکمل عارفانہ غزلیں کہنے کے بعد شاعر کا کلام عارفانہ کہا جاسکتا ہے۔

حسرت نے داخلی شاعری کو تین قسموں پر مشتمل کیا تھا جو کلام خالص جذباتِ حسن و عشق کا حامل اور اپنی خوبی کیلئے کسی محسوس صنعت گری کا محتاج نہ ہو وہ عاشقانہ کہلائیگا اور جس کلام میں عشق مجازی سے برتر درجہ پر عشق سے اور حسن سے حسن مطلق مراد ہو وہ عارفانہ ہوگا اور اس کے برخلاف جن غزلوں میں مجازی عشق سے کم تر درجے کے جذبات ہوس کی مصوری اور صحیح مصوری موجود ہو وہ فاسقانہ کہلائے گا مثلاً عاشقانہ شاعری کی مثالیں زیادہ تر میر و مصحفی، قائم و غالب، شیفتہ و حالی، جلال لکھنوی و شاد عظیم آبادی کی غزلوں میں ملیں گی اور عارفانہ شاعری کے نمونے درد دہلوی، نیاز بریلوی اور آسی سکندرپوری کی غزلوں میں دستیاب ہونگی اور فاسقانہ سخن گوئی کی تصویریں زیادہ تر جرأت اور کم تر مصحفی و انشا یا متاخرین میں کسی قدر مضطر خیرآبادی اور گستاخ میوری کے یہاں موجود ہیں۔

فاسقانہ شاعری کو بدمذاقی پر محمول کرنا سوقیانہ و متبذل مزاج قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہے حقیقتِ حال یہ ہے کہ جب شاعری کا مقصد صحیح جذبات کی مصوری مسلم ہو تو پھر اس کے دائرے کو صرف پاک جذبۂ عشق و محبت تک محدود کر دینے کی کوشش اور وہ بھی محض اس بنیاد پر کہ اس کا اظہار و اعلان بعض فقہائے و ملایانہ طبائع کی مصنوعی پاکیزگی خیال کیلئے ناگوار ثابت ہوگا خود مخالفین ہوس نگاری کی انتہائی بدمذاقی اور بے شعوری کے سوا اور چیز پر دلالت نہیں کرتا البتہ اس ضمن میں حدِ اعتدال سے گزر جانا جیسا کہ رنگین کی بعض ریختیوں اور حافظ قرآن جان صاحب کے مبتذل اشعار میں پایا جاتا ہے بیشک قابل اعتراض ہے مگر ایسے کلام کو فاسقانہ کی بجائے فاحشانہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اب اگر عاشقانہ شاعری کی خوبی بسیط ہونے کے بجائے مرکب ہو یعنی صنعت گری کی بھی شرمندۂ احسان ہو اور یکسر بیگانۂ تاثیر بھی نہ ہو تو اسی کو عاشقانہ کی بجائے شاعرانہ کہنا چاہیئے دورِ حاضر کے تقریباً کل متغزلین کی اکثر غزلیں اسی رنگِ سخن کی حامل ہیں اور "آمد و آورد" کی درمیانی تقسیم کے تحت میں آتی ہیں۔

اس کے بعد بھی شاعرانہ طرزِ سخن اگر خوبیٔ اثر سے بھی بالعموم محروم ہو تو پھر اسکو شاعرانہ کے بجائے ماہرانہ یا استادانہ کہنا چاہیئے مثلاً امیر مینائی و میر شکوہ آبادی سے لیکر بزم اکبرآبادی ثاقب لکھنوی و ضامن کشوری تک کی غزلیں عاشقانہ ہیں نہ شاعرانہ بلکہ ماہرانہ ہیں اور آورد کے تحت میں آتی ہیں پھر اگر یہ ماہرانہ شاعری پختگی و مشاقی

کے جوہر سے بھی خالی ہو اور بہ قول مصحفی موزونی و طبع کا نتیجہ ہو تو اسے ناظمانہ کہنا چاہئے۔

عاشقانہ شاعری کی مانند عارفانہ شاعری کا بھی یہی حال ہے کہ اگر اس میں حسن و عشق مطلق کی جگہ محض عدیا اصلاحی تصوف کا جلوہ نظر آتا ہو تو اس کو عارفانہ کے بجائے ناصحانہ کہنا چاہئے جو آورد کے تحت میں آئیگی۔

یا اگر روحانی محرکات عشق سے کمتر درجے پر جذبات خلوص و عقیدت کے ماتحت نعت منقبت یا سوز و سلام کے مضامین قید نظم میں آگئے ہوں اور فی الجملہ اثر انگیز بھی ہوں تو اس شاعری کو وصفانہ شاعری کہنا چاہئے مثلاً غلام امام شہید، شاہ نیاز بریلوی، محسن کاکوروی، احسن رضا مراد آبادی، ضیا بدایونی، حمید لکھنوی یا انیس و متعلقین انیس نفیس رشید وغیرہ کا کلام لیکن اگر اس قسم کا کلام محض صنعت گری کا نمونہ اور تاثیر سے محروم ہو یا محض ثواب نجات کی غرض سے وجود میں آیا ہو مثلاً امیر مینائی یا مضطر خیر آبادی کا نعتیہ دیوان یا مرزا دبیر کا تمام دفتر منظومات اس کو وصفانہ کے بجائے ماہرانہ کہنا ہوگا یا ناصحانہ اور یہ دونوں قسمیں آورد کے تحت میں آتی ہیں۔

علی ہذا القیاس وصفانہ شاعری میں اگر خالص جذبات کی مصوری کی بجائے سماج یا مذہب یا حکومت کے استخفاف یا انکار کا پہلو نمایاں ہو تو اسے باغیانہ کہنا چاہئے مثلاً جوش، احسان دانش، شاعر، اختر شیرانی، حجاز ردولوی وغیرہ ترقی پسند ادب کے دعویداروں کی بیباک نگاری ....

" اب صرف ایک قسم سخن اور رہ گئی یعنی ضاحکانہ جسمیں محض ظرافت ہوتی ہے مثلاً ظریف لکھنوی یا احمق پھپھوندوی کا کلام یا ظرافت کیساتھ طرز قدامت پرستی کا پہلو نکلتا ہے مثلاً اکبر الہ آبادی و ظفر علی خاں کا کلام جو ضاحکانہ کے علاوہ ناصحانہ بھی ہو سکتا مگر بہر حال آورد ہی کے تحت میں آسکتا ہے ....

ہزل یا ہجو کا شمار بھی اسی قسم سخن میں ہوتا ہے لیکن اگر یہ چیزیں حد اعتدال سے گذر کر پھکڑ بازی یا فحش گوئی کے درجے تک پہنچ جائیں تو اس کو ضاحکانہ کے بجائے سوقیانہ کہنا چاہئے۔

(حسرت کے ایک غیر مطبوعہ مقالے سے اخذ کیا گیا)

" از پرنسپل عبد الشکور "

تصانیفِ حسرت

(۱) شرحِ دیوانِ غالب:- غالب کی یہ شرح مولانا حسرت کی ابتدائی تصنیف ہے۔ شرح اس زمانہ میں لکھی گئی جب غالب کی طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ متوجہ ہو رہا تھا۔ آج بجائے غالب کو سمجھانے میں اس شرح کا بڑا حصہ ہے۔ اردوئے معلیٰ میں اس کا ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس میں درج ہے کہ اب تک اس شرح کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں دیباچے میں غالب کے حالات اور ان کی شاعری پر تبصرہ ہے اصل دیوان و رسمی شرح کے علاوہ ایک ضمیمہ ہے جس میں غالب کی وہ غزلیں اور اشعار ہیں اور انکی شرح ہے جو رائج دیوان میں موجود نہ تھے

(۲) متروکاتِ سخن، معائبِ سخن، محاسنِ سخن، شعرائے اردو کے کلام کے وسیع مطالعہ سے مولانا حسرت کو شعر کے حسن و قبح کے متعلق جو واقفیت ہوئی اس کو ان رسالوں میں جمع کر دیا۔ ان رسائل کے مجموعہ کا نام نکاتِ سخن ہے قاضی عبدالودود لکھتے ہیں انصاف متقاضی ہے کہ اس غیر معمولی زحمت کا جو مثالوں کی تلاش میں حسرت نے گوارا کی بڑا اعتراف کیا جائے اور ساتھ ساتھ یہ تسلیم کیا جائے کہ شاید ہی اس ضخامت کی کوئی اور کتاب اردو میں ہو جس میں مختلف اردو شعراء کے اتنے اچھے اشعار اتنی تعداد میں موجود ہوں۔ کتاب مقبول ہوئی اور پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہے

(۳) مشاہداتِ زنداں:- پہلی قید فرنگ کی نہایت دلچسپ اور پُر اثر سرگزشت اس عنوان سے اردوئے معلیٰ میں سلسلہ وار شائع ہوئی یہ کتاب حسرت کی انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے مولانا حسرت کے کردار اور افکار سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کا مطالعہ لازم ہے۔

(۴) مولانا حسرت کا سب سے بڑا کارنامہ انتخابِ سخن ہے یہ اردو زبان کے تمام مستند اور صاحبِ دیوان شعراء کے کلام کا نایاب انتخاب ہے جو رسائل اردوئے معلیٰ کے منتخبات اور اس کے ضمیموں کی صورت میں سالہا سال شائع ہوتا رہا۔ انتخابِ سخن کی گیارہ جلدیں ہیں اور ہر جلد کے مختصر حصے تفصیل ذیل شائع ہو چکے ہیں۔

جلد اول سلسلہ حاتم:- منتخب دیوانِ شاہ حاتم (۲) انتخاب دیوانِ بقا (۳) تسکین (۴) شہزادہ بیدار

(۶) تاباں (۷) ماہر (۸) امیر (۹) بیتاب (۱۰) عشرت (۱۱) طالب (۱۲) معروف (۱۳) شاہ نصیر

جلد دوم سلسلہ ذوق ا۔ انتخاب دواوین ذوق ۲۔ انتخاب دواوین داغ ۳۔ رسا ۴۔ جگر

جلد سوم سلسلہ مومن ا۔ مومن ۲۔ نسیم ۳۔ تسلیم ۴۔ حسرت موہانی۔

جلد چہار سلسلہ مظہر ا۔ حسرت ۲۔ یقین ۳۔ حزین ۴۔ شاطر ۵۔ بیان

حصہ پنجم : سلسلہ جرأت ا۔ از دیوان جرأت ۲۔ حسرت ۳۔ مضطر ۴۔ رند ۵۔ رفیق ۶۔ ہجری

۷۔ محنت ۸۔ نصرت ۹۔ معروف ۱۰۔ محبت ۱۱۔ جلال ۱۲۔ شائق ۱۳۔ نساخ ۱۴۔ وحشت

جلد ششم۔ سلسلہ مصحفی ا۔ مصحفی ۲۔ سرور ۳۔ منتظر

جلد ہفتم : سلسلہ آتش ا۔ آتش ۲۔ صبا ۳۔ حنا ۴۔ ماہ ۵۔ قمر ۶۔ فروغ

جلد ہشتم :۔ سلسلہ امیر و امیر ا۔ امیر ۲۔ امیر ۳۔ جلیل

جلد نہم : سلسلہ ناسخ ا۔ ناسخ ۲۔ برق ۳۔ جلال ۴۔ آرزو

جلد دہم سلسلہ غالب ا غالب ۲۔ مجروح ۳۔ سالک ۴۔ حالی ۵۔ ذکی ۶۔ شعلہ ۷۔ دلکش ۸۔ اسمٰعیل

جلد یازدہم سلسلہ سائنہ شرق ا فغاں ۲۔ راسخ ۳۔ رونق ۴۔ صحیح ۵۔ ندرت ۶۔ خانی ۷۔ جعفر ۸۔ محشر

اس فہرست میں صرف ان شعراء کے نام ہیں جن کے دواوین کے انتخاب علیحدہ کتابی صورت میں بھی طبع ہوئے در نہ تقریباً تمام معروف شعراء کے کلام کا انتخاب اردوئے معلیٰ میں شائع ہوا علاوہ متذکرہ بالا فہرست کے بعض شعراء کے دیوان بھی مولانا حسرت نے تلاش بسیار کے بعد حاصل کئے اور ان کو طبع کرایا مثلاً دیوان شیفتہ حاتم راسخ، امیر، سودا، میر، درد، سوز علی میاں کامل نازش بدایونی، قدرت رائے نثار وغیرہ۔

اردو پریس کی تمام مطبوعات نہایت ارزاں قیمتوں پر فروخت کی جاتی تھیں مولانا حسرت نے اپنا کلیات بھی ہمیشہ معمولی کاغذ پر طبع کیا مشاہیر شعراء کے دیوان چند آنے پیسوں میں ان کی بہ دولت اردو داں حضرات کو دستیاب ہوئے۔

اشاعت دواوین اور انتخابات کلام کے علاوہ شعراء کے حالات بھی فراہم کر کے مولانا نے شائع کیے ہر شاعر کے ساتھ اس کے سلسلہ کا تعین، خصوصیت کلام، تلامذہ کی فہرست وغیرہ کے متعلق مولانا نے تحقیق کر کے معلومات حاصل کیے۔ انتخاب سخن مولانا حسرت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ان کی بدولت ان شعراء کا کلام اور حالات محفوظ ہو گئے ورنہ اردو کا بڑا سرمایہ تلف ہو جاتا۔ اردو ادب کے تذکرہ نگاروں نے مولانا کی ان تالیفات سے برابر استفادہ کیا ہے۔

(۵) رسالہ تذکرۃ الشعراء: اردوئے معلی کی اشاعت جس زمانے میں مسدود رہی "تذکرۃ الشعراء" سہ ماہی شائع ہوتا رہا۔

(۶) اردوئے معلی: یہ رسالہ ۱۹۰۳ء سے نکلا اور سنہ ۱۹۰۸ء تک نکلتا رہا اس کے بعد ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۹ء تک نکلتا رہا۔ حسرت نے اردوئے معلی کے ذریعہ اردو زبان کی جو گراں قدر خدمت انجام دی ہے وہ ہماری تاریخ میں سونے کے حروف سے لکھی جانے کے قابل ہے۔ وہ اردو کا کوئی طالب علم اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ (آل احمد سرور)

(۷) مولانا حسرت کے خطبات صدارت بھی تفصیلی درجہ رکھتے ہیں سیاسی مسائل پر وہ نقوش رکھتے تھے اور ان خطبات میں پورے پورے رسالہ نما مکمل لکھے جاتے تھے۔

(۸) مطبوعہ چیزوں کے علاوہ ان کے روزنامچے اردو انشاپردازی کے شاہکار ہیں وہ پابندی سے ڈائری لکھتے تھے۔ بلیغ جملوں، منتخب الفاظ میں اہم اور غیر اہم تمام واقعات اس میں درج ہیں۔

(۹) مکاتیب: خطوط میں بھی انداز تحریر وہی ہے جو ان کے روزنامچوں اور مضامین میں ہے ان کی ہر تحریر و تقریر تصنع سے بری، دلائل پر اور معلومات سے پر ہوتی تھی خطابت پختہ اور اچھا تھا۔

(۱۰) ایک روزانہ اخبار "مستقل" کانپور سے کئی برس نکالا ہے۔

(۱۱) کچھ دنوں روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ کی عام نگرانی اور رہبری کی۔

طرزِ اصلاح

مولانا حسرت کے دو شاگرد ہیں جن میں شفیق جونپوری کے نام سے اہل ادب اچھی طرح واقف ہیں موصوف نہایت خوشگوار اور قابل شاعر ہیں مولانا حسرت کے طریقہ اصلاح پر ایک مقالہ حسرت نمبر والا نگار میں شفیق صاحب کا شائع ہوا جس کا اقتباس ذیل میں درج ہے ۔

حسرت کا انداز اصلاح　　　　اصلاحات حسرت

سلطان تغزل استاذی حسرت، مولانا حسرت موہانی علیہ الرحمۃ کا طریقہ اصلاح عام اساتذہ سے بالکل مختلف تھا اول تو مولانا کو شاگرد بنانے کا قطعاً شوق نہ تھا بہت اصرار اور پیہم تقاضوں کے بعد کسی خوش نصیب کو انکی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اصلاح سخن کے متعلق مولانا اکثر بے تکلف ارشاد فرما دیتے کہ جتنے وقت میں کسی غزل کی اصلاح کروں گا اس میں خود کیوں نہ ایک غزل کہہ ڈالوں۔

مولانا حسرت نے اپنے رسالہ اردوئے معلی میں اساتذہ کے انتخابات کلام کا ایک سلسلہ رکھا تھا جس میں ردیف وار اشعار شائع ہوا کرتے تھے میرے لیے یہ خصوصیت ہمیشہ فخر کا باعث رہیگی کہ مشاہیر کے انتخابات کے سلسلہ میں استاد معظم نے دسمبر ۱۹۳۲ء میں میرے ناچیز کلام کا انتخاب بھی شائع فرما کر مجھے عزت بخشی اور باعزاز قلم سے میرے تخلص کے ساتھ شاگرد حسرت موہانی تحریر فرمایا۔ اس مطبوعہ انتخاب میں اشاعت سے پیشتر استاد مرحوم نے بیاض پر مختصر طور سے اصلاحی نظر ڈالی اور اسی موقع پر اصلاحات لفظی کا شوق پورا ہوا اور میرے اکثر اشعار میں تقریباً نصف نصف مصرعے مولانا مرحوم نے بدلے یا ایک آدھ لفظ کے بدل دینے سے اشعار میں جان ڈال دی جس کے نمونے ذیل میں پیش کرتا ہوں یہ میری مشق کا ابتدائی زمانہ تھا

اصل شعر: الفت میں جدا سب سے طریقہ ہے ہمارا　　　سنگِ درِ محبوب پہ سجدہ ہے ہمارا

مصرع ثانی میں سنگِ درِ محبوب کی جگہ "نقشِ قدمِ یار" بنا دیا جو ذوق سجدہ کے اظہار کیلئے علاوہ بلیغ ہونے کے

عام سجدوں سے جداگانہ ہونے کا اہم پہلو ہے۔

اصل شعر:۔ ابھی زاہد مے وسوق سے پرہیز مشکل ہے
جوانی کا زمانہ ہے امنگیں ہیں طبیعت بھی

پہلے مصرعہ میں زاہد کی جگہ ہم سے اصلاح دی گئی جس سے روانگی بڑھ گئی

اصل شعر:۔ قیامت خیز ہے محفل میں ان کی شرارت بھی
کہ اٹھنا چاہتا ہوں میں تو وہ دامن دبانے ہیں

قیامت خیز کی جگہ عجب پر لطف بنا دیا گیا جس سے شعر کا لطف بڑھ گیا۔ قیامت خیز مبالغہ ہی مبالغہ تھا لیکن عجب پر لطف نے موقع کی صحیح تصویر شعر میں کھینچ دی جس سے بجائے مبالغہ نگاری ــ حقیقت کا رنگ غالب آ گیا۔

اصل شعر:۔ فدا بہ قع بڑھا دیں آپ نے رُوئے زیبا سے
کہ رخصت ہو رہا ہے آپ کا بیمار دنیا سے

استاد معظم کا طریقہ اصلاح یہ تھا کہ غلطی سے باخبر فرما کر ارشاد فرماتے تھے کہ اب شعر یا مصرعہ کو خود بدلو یہ اصلاح و ترقی اور مشق سخن کا بہترین طریقہ ہے میں نے اس طریق کار سے بہت فائدہ حاصل کیا مولانا مرحوم ایک مصرعہ بھی کاٹ کر بنانا پسند نہ فرماتے تھے۔

مولانا کے دو شاگردوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر گزرا ہے وہ بے شمار حضرات بھی انکے شاگرد شمار کئے جا سکتے ہیں جنھوں نے نکاتِ سخن سے استفادہ کیا۔ اس تصنیف کا اصل مقصد یہی تھا کہ مبتدی شعراء رموزِ فن سے بغیر استاد کے واقف ہو جائیں۔ نکات سخن کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایک عرصہ دراز سے راقم حروف کو جہاں اردو زبان کی روز افزوں ترقی اور مذاق صحیح کی جانب نوجوانانِ اردو شاعروں کے قابل تعریف رجحان کو دیکھ کر قدرتی طور پر مسرت حاصل ہوتی ہے وہیں اس بات کا افسوس بھی ہوتا تھا کہ دورِ جدید کے تعلیم یافتہ شاعر اپنے کلام میں بلندیِ مضمون و ندرت کے مقابلے میں زبان و بیان کی خوبیوں کا کافی لحاظ نہیں رکھتے جس کا اکثر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھا مضمون

محض ایک ذہنی خرابی کی وجہ سے بے لطف ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس خرابی کی متعدد وجوہ میں سے سب سے بڑا اور پہلا سبب یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ دور میں استاد و شاگردی کا سلسلہ قریب قریب ناپید ہو چکا ہے درجۂ کمال تک پہنچنے کیلئے زبان، بیان کی جتنی خوبیاں کلام میں ہونی ضروری ہیں وہ استاد کی مدد سے جلد اور یقینی طور پہ حاصل ہو جاتی ہیں برخلاف اسکے بطور خود مشق کرنے میں بہت زمانہ صرف ہو جاتا ہے اور پھر بھی کامیابی یقینی نہیں ہوتی۔

یہ سب کچھ سہی مگر دشواری یہ ہے کہ استادی و شاگردی کی وہ رسم قدیم جس کا سلسلہ قریب قریب منقطع ہو چکا ہے اب دوبارہ اپنی گذشتہ روایات کے ساتھ از سر نو قائم نہیں ہو سکتی اور جب ایسا نہیں ہو سکتا تو لازم آیا کہ نئے شاعروں کے فائدے کیلئے اس قدیم اور متروک طریقہ کے بجائے کوئی اور آسان طریق ایجاد کیا جائے اور راقم کو اسکا اور کوئی طریق اس سے بہتر نظر نہیں آیا کہ اپنے گذشتہ ۴۰ سال کے شاعرانہ تجربوں کو نکات سخن کے نام سے کتابی شکل میں پیش کر دے واضح رہے کہ راقم حروف کو استادی کا زعم نہیں ہے نہ اس خیال سے یہ کتاب لکھی جاتی ہے کہ کوئی شخص اسکی پیروی استاد کی ہدایتوں کی مانند کرے۔ منشا صرف اتنا ہے کہ جو تحقیق اور تجربہ راقم کی ۴۰ سال کی تلاش و کوششوں کا نتیجہ ہے اس پر طالبان فن صرف چند ماہ بلکہ چند دن میں حاوی ہو جائیں جو بات ان کو پسند آئے اسے قبول کریں جو ناپسند ہو اس سے درگذر کر کے راقم کو دعائے خیر سے یاد کریں۔

نوشتہ بماند سیہ بر سپید
نویسندہ را نیست فردا امید

اصلاح سخن کا باب نوخیز شاعروں کیلئے خصوصیت کیساتھ قابل مطالعہ ہے اگر وہ اس کتاب کو بغور پڑھ کر اپنے کلام کی اصلاح بھی اس باب میں بیان کئے ہوئے طرز پہ بطور خود کر لیا کریں گے تو انشاء اللہ ان کو کسی استاد کی ضرورت نہ ہوگی۔

(فقیر حسرتؔ موہانی ۲۶ نومبر ۱۹۲۳ء سنٹرل جیل یرودا)

یہ مجموعہ غزلیات جو دیوانِ حسرتؔ کا ساتواں حصہ ہے اس کی بعض خصوصیتیں قابل اظہار ہیں مثلاً اس کی تصنیف میں کل گیارہ دن صرف ہوئے ہیں جن جن بزرگوں سے فقیر کو فیض پہنچا ہے ان میں سے اکثر کی جانب اس مجموعہ میں کہیں نہ کہیں اشارہ موجود ہے۔ بندگانِ دین اسلام کے علاوہ ایک موقع پر سری کرشن کا نام بھی آ گیا ہے۔ حضرت سری کرشن علیہ الرحمتہ کے باب میں فقیر اپنے برادرِ پیر ولی کے پیر حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ کے مسلک عاشقی کا پیرو ہے ع

مسلک عشق ہے پرستش حسن
ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب

یہ کل غزلیں اسی زمانے میں لکھی گئیں جب کہ فقیر پر حکومت کی جانب سے ایک دوسرا مقدمہ چلایا جا رہا تھا مگر اس کے سبب سے انشاء اللہ تعالیٰ کہیں پریشانیٔ خیال کے نمونے نظر نہ آئیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(از دیباچہ طبع اول دیوان حسرتؔ حصہ ہفتم)

حصہ ہشتم، نہم و دہم یرودا جیل میں مکمل ہوا۔ دیوان حسرتؔ یازدہم میں وہ غزلیں ہیں جو جنوری ۱۹۲۵ء سے دسمبر ۱۹۳۲ء تک لکھی گئیں۔ حصہ دوازدہم میں وہ غزلیں ہیں جو جنوری ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۵ء تک لکھی گئیں۔

ضمیمہ دیوان حسرتؔ میں چند ابتدائی غزلیں درج ہیں جو موہان، فتح پور اور علی گڑھ میں بہ زمانہ طالب علمی لکھی گئیں (۱۸۹۴ء سے ۱۹۰۳ء تک)

حصہ سیزدہم میں نومبر ۱۹۳۵ء تک لکھی ہوئی غزلیں شامل ہیں مولانا کی

آخری غزل کا مطلع ہے ؎

شوق کو داد حیا ملتی نہیں

وہ نگاہ آشنا ملتی نہیں

یہ غزل ۲۰ نومبر ۵۰ء کو لکھی گئی

حسرت کی تمام غزلوں کی تعداد ۷۷۱ ہوتی ہے جن میں ۷۳ سے یعنی تقریباً نصف قید یا نظر بندی کی حالت میں لکھی گئیں۔ مجموعی اشعار تقریباً ۷ ہزار ہیں۔

(نیاز فتح پوری)

دیوان حسرت

موہانی

حصہ اوّل

جس میں سید فضل الحسن حسرت موہانی بی۔ اے اڈیٹر رسالہ اردوئے معلیٰ علیگڑھ کی وہ کل غزلیں درج ہیں اردوئے معلی اور ملک کے دوسرے ادبی رسالوں میں چھپ کر مشہور اور مقبول ہو چکی ہیں

از ۱۹۰۳ء تا ۱۹۱۳ء

ان غزلوں کا ایک بڑا حصہ اس زمانہ کی تصنیف ہے جو بحالت قید فرنگ اولی ۱۹۰۸ء تا ۱۹۰۹ء علی گڑھ ڈسٹرکٹ جیل اور نینی سنٹرل جیل میں بسر ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

لاؤں کہاں سے حوصلۂ آرزو سپاس کا
جبکہ صفاتِ یار میں دخل نہ ہو قیاس کا

عشق میں تیرے دل ہوا یک جہانِ بے خودی
جاں خزینہ بن گئی حیرتِ بے قیاس کا

رونق پیرہن ہوئی خوبی جسمِ نازنیں
اور بھی شوخ ہو گیا رنگ ترے لباس کا

لطف و عطائے یار کی عام ہیں بسکہ شہرتیں
قلبِ گناہ گار میں نام نہیں ہراس کا

دل کو ہو تجھ سے واسطہ لب پہ ہو نام مصطفیٰؐ
وقت جب آئے اے خدا خاتمہ حواس کا

طے نہ کسی سے ہو سکا یہ ہے سوا معاملہ
جانِ امیدوار کا حسرت محو یاس کا

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا

بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بیتابیاں
ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا

پڑھ کے تیرا خط مرے دل کی عجب حالت ہوئی
اضطرابِ شوق نے اک حشر برپا کر دیا

ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرمِ نیاز
تجھ کو آخر آشنائے ناز بیجا کر دیا

اب نہیں دل کو کسی صورت کسی پہلو قرار
اس نگاہِ ناز نے کیا سحر ایسا کر دیا

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے
مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

کیوں نہ ہو ل تیری محبت سے منور جان و دل
شمع جب روشن ہوئی گھر میں اجالا کر دیا

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کر دیا

سب غلط کہتے تھے لطفِ یار کو وجہِ سکوں
دردِ دل اس نے تو حسرتؔ اور دونا کر دیا

رنگ سوتے میں چمکتا ہے طرحداری کا
طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا

مایۂ عشرتِ بے حد ہے غمِ قیدِ وفا
میں شناسا ہی نہیں رنجِ گرفتاری کا

جو پیہم نہ کرے شانِ توجہ پیدا
دیکھ بدنام نہ ہو نام ستمگاری کا

ہاں جو اے عشق تری بے خبری کے بندے
بس ہو ان کا تو نہیں نام بھی ہشیاری کا

کٹ گیا قید میں ماہِ رمضاں بھی حسرتؔ
گرچہ سامانِ سحر کا تھا نہ افطاری کا

تجھ سے وہ ملا شوق سے اور تو نے نہ جانا
حسرتؔ کو ابھی یاد ہے تیرا وہ زمانہ

ہے ایک درِ پیرِ مغاں تک تو رسائی
ہم بادہ پرستوں کا کہاں اور ٹھکانا

مخصوصِ غمِ عشق ہیں ہم لوگ ہمارا
اچھا نہیں اے گردشِ افلاک ستانا

صد شکر غمِ ہر دو جہاں سے ہے وہ فارغ
جو دل ہے ترے تیرِ محبت کا نشانا

اب عشق کا وہ حال نہ ہے حسن کا وہ رنگ
باقی ہے فقط عہدِ تمنا کا فسانا

آتی ہے تری یاد سو حسرتؔ کو شبِ غم
ہر بار اسے افسانۂ دل کہہ کے سنانا

کوئی بھی پرساں نہیں حالِ دلِ رنجور کا
یہ ستم دیکھو دیارِ شوق کے دستور کا

جلتے جاتے رہ گیا وہ نازنیں صبحِ وصال
ناز بردارِ اثر ہو لی گریۂ مجبور کا

سر اٹھائے بزمِ جاناں میں بھلا کس کی مجال
رعب غالب ہے یہ اس کے [illegible] کا

ہے غضب کی دلفریبی آج حسنِ ماہ میں — پھر بھی دے اک جام ساقی بادۂ پرنور کا
خاطرِ مایوس میں نقشِ امیدِ وصلِ یار — نور ہے صحرا میں گویا اک چراغِ دور کا
یک قلم بے سود ہے اظہارِ حالِ آرزو — حسنِ بے پروا کے آگے عشق نامنظور کا
مستیٔ عیشِ دو عالم کی نہیں پروا مجھے — دیکھنے والا ہوں میں اس نرگسِ مخمور کا

ہے سپردِ خاک حسرتؔ واں جو اک یارِ عزیز[1]
قصد اک مدت سے ہم رکھتے ہیں گورکھپور کا

دل کو خیالِ یار نے مخمور کر دیا — ساغر کو رنگِ بادہ نے پرنور کر دیا
مانوس ہو چلا تھا تسلی سے حالِ دل — پھر تو نے یاد آ کے بدستور کر دیا
(۷) گستاخ دستیوں کا نہ تھا مجھ میں حوصلہ — لیکن ہجومِ شوق نے مجبور کر دیا
کچھ ایسی ہو گئی ہے ترے غم کی مبتلا — گویا کسی نے جان کو مسحور کر دیا
بیتابیوں سے چھپ نہ سکا ماجرائے دل — آخر حضورِ یار بھی مذکور کر دیا
اہلِ نظر کو بھی نظر آیا نہ روئے یار — یاں اک حجابِ نور نے مستور کر دیا

حسرتؔ بہت ہے مرتبۂ عاشقی بلند
تجھ کو تو مفت لوگوں نے مشہور کر دیا

ہم نے کسی دن ترے کوچے میں گزارا کیا — تو نے اے شوخ مگر کام ہمارا نہ کیا
7 ایک ہی بار ہوئی وجہِ گرفتاریٔ دل — التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا
محفلِ یار کی رہ جائے گی آدھی رونق — ناز کو اس نے اگر انجمن آرا نہ کیا

---

[1] اشارہ بہ جانب عزیز اللہ مرحوم گورکھپوری یکے از عزیزترین احباب فقیر بود (حسرتؔ)

طعن احباب سنے سرزنش خلق سہی
ہم نے کیا کیا تری خاطر سے گوارا نہ کیا

جب دیا تم نے رقیبوں کو دیا جام شراب
بھول کر بھی مری جانب کو اشارہ نہ کیا

روبرو چشم تصور کے وہ ہر وقت رہے
نہ سہی آنکھ نے گر ان کا نظارہ نہ کیا

عمر بھر بے ستم یار تو ہم نے حسرت
نہ کیا کچھ بھی جو دنیا سے کنارا نہ کیا

چہرۂ یار سے نقاب اٹھا
دل سے اُس شدت اضطراب اٹھا

رات پیر مغاں کی محفل سے
جو اٹھا مست اٹھا خراب اٹھا

ناز بیجا اٹھائے تھے ان کے
اے دل اب ناز اضطراب اٹھا

ہم تھے بیباک اور وہ محجوب
شب عشرت لطف بیحساب اٹھا

تھے اسی پر نباہ کے دعوے
سر تو اے شوخ بے حجاب اٹھا

میکشوں سے نہ محتسب کی چلی
آخر کار لاجواب اٹھا

اس قیامت خرام کو یوں چھیڑ
حشر اے جوش اضطراب اٹھا

مست صہبائے شوق ہے حسرت
ہمنشیں ساغر شراب اٹھا

ہجوم بیکسی کو وجہ لطف بیکراں پایا
کہ ہم نے آج اس نامہرباں کو مہرباں پایا

مگر تھا رنگ بزم یار میں نیرنگ عالم کا
کسی کو سرنگوں دیکھا کسی کو شادماں پایا

ستم سمجھے ہوئے تھے ہم تری بے اعتنائی کا
مگر جب غور سے دیکھا تو اک لطف نہاں پایا

کسے فرصت تمہاری جستجوئے شوق بیجا سے
انھیں ہم نے کہاں ڈھونڈھا انھیں ہم نے کہاں پایا

نہ سمجھا بانی جور و جفا اس شوخ کو کوئی
نہ ہم نے جس کو پایا شکوہ سنج آسماں پایا

نہ پا سکیے کبھی پابند رہ کر قید ہستی میں — سو ہم نے پرفشاں ہو کر تجھے اے بے نشاں پایا
حقیقت نالۂ دل سے کھلی عمر لئے پنہاں کی — سنا سوئے جرس جس نے نشانِ کارواں پایا
ہنسی عبرت بہت اچب رنگ گل کی بے ثباتی نے — چمن میں عندلیب سادہ دل کو شادماں پایا

بجا ہے کوئی میری وضعِ رسوا پر کہے حسرت
کمال عاشقی نے تجھ کو یکتائے زماں پایا

(2) پیہم دیا پیالۂ مے برملا دیا — ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا
اس حیلہ جو نے وصل کی شب ہم سے روٹھ کر — بے رنگ سوزگار دو عالم دکھا دیا
اللہ رے بہار کی رنگ آفرینیاں — صحنِ چمن کو تختۂ جنت بنا دیا
15 اب وہ ہجوم شوق کی سرمستیاں کہاں — یا وحشتِ فراق نے دل ہی بجھا دیا

حسرت یہ وہ غزل ہے جسے سن کے سب کہیں
مومن سے اپنے رنگ کو تو نے ملا دیا

(3) اضطراب عاشقی پھر کارفرما ہو گیا — صبر میرا ناشکیبائی سراپا ہو گیا
سادگی ہائے تمنا کے مزے جاتے رہے — ہو گئے مشتاق ہم اور وہ خود آرا ہو گیا
11 وائے ناکامی نہ سمجھا کون ہے پیشِ نظر — میں کہ حسنِ یار کا محوِ تماشہ ہو گیا
بعد مدت کے ملے تو شرم تجھ سے کس لئے — تم ہی کچھ ہو گئے یا میں نرالا ہو گیا
نوجوانی تھی کوئی شیدا نہ تھا میرے سوا — ہائے حسن کار کا وہ بھی زمانہ ہو گیا
سوزشیں جاتی رہیں وہ آرزوئے وصل کی — رنج دوری مرہم زخم تمنا ہو گیا
سحر وہ کیا تھا نگاہِ آشنائے یار میں — جو دل بیمار کے حق میں مسیحا ہو گیا
ضبط سے رازِ محبت کا چھپانا تھا محال — شوق گر پنہاں ہوا تو غم آشکارا ہو گیا

ہے زبانِ لکھنؤ میں رنگِ دہلی کی نمود
تجھ سے حسرتؔ نام روشن شاعری کا ہو گیا

نہانِ تغافل میں ہے رمزِ امتیاز اس کا — بانداز جفا ہے التفاتِ دل نواز اسکا
نگاہِ آرزو نارس نگاہِ یار کیا لاتی — اگر حائل نہ ہو جاتا حجابِ کارساز اسکا
غلط ہے شکوۂ سنگی میرے عشقِ ناشکیبا کی — بجا کرتا ہے جو کرتا ہے حسنِ بے نیاز اسکا
چھڑایا دمِ زدن میں دل کو فکرِ شادی و غم سے — قیامت پر اثر تھا جلوۂ حیرت نواز اسکا

دیارِ شوق میں ماتم بپا ہے مرگِ حسرتؔ کا!
وہ وضعِ پارسا اس کی وہ عشقِ پاکباز اسکا

بسرِ ناز وہ از راہِ کرم پہنچا تھا — شب عجب لطف کا سامان بہم پہنچا تھا

شرحِ بے مہریِ احباب کروں کیا حسرتؔ
رنج ایسا دلِ مایوس کو کم پہنچا تھا

از بسکہ نازِ یار بشکلِ عتاب کا — جو کامیاب تھا وہی ناکامیاب تھا
اب آرزوئے شوق کی بیتابیاں کہاں — یعنی وہ سب ملازمِ عہدِ شباب تھا
حالت عجیب تھی دلِ بے اختیار کی — بزمِ خیال میں جو وہ بت بے حجاب تھا
اب میں ہوں اور تغافلِ بسیار کے گلے — وہ دن کہ موردِ کرمِ بے حساب تھا

حیرانیِ نگاہ سے حسرتؔ جمالِ یار!
تھا پردۂ حجاب میں گو بے نقاب تھا

یاد کرو وہ دن کہ ترا کوئی سودائی نہ تھا — باوجودِ حسن تو آگاہِ رعنائی نہ تھا

عشق روزافزوں پہ اپنے مجھ کو حیرانی نہ تھی — جلوۂ رنگیں پہ تجھ کو ناز یکتائی نہ تھا

14 دیدہ کے قابل تھی میرے عشق کی بھی سادگی — جبکہ تیرا حسن سرگرم خود آرائی نہ تھا

کیا دمے وہ دن کہ محو آرزو تھے حسن و عشق — ربط تھا دونوں میں گو ربط شناسائی نہ تھا

تو نے حسرت کی عیاں تہذیب رسم عاشقی
اس سے پہلے اعتبار شان رسوائی نہ تھا

ملتا ہے مٹانے سے اب شوق کہیں تیرا — ہے پیش نظر ہر دم حسن نمکیں تیرا

اے قصر امارت کی ویرانی و بربادی — کس گوشہ عبرت میں سوتا ہے مکیں تیرا

آنکھوں کے تبسم نے سب کھول دیا پردہ — ہم پر نہ چلا جادو اے چین جبیں تیرا

15 جز کثرت محرومی، جز غایت دل گیری — مونس نہ ہوا کوئی اے جان حزیں تیرا

تھا سحر وہ کیا ایسا تاثیر محبت کا — پڑھتے ہیں جسے سب کلمہ اے دشمن دیں تیرا

جس نور سے روشن ہیں جان و دل مشتاقاں — شاید وہ تصور ہے اے ماہ جبیں تیرا

مرغوب تمنا ہے، محبوب دل و جاں ہے — ہر وضع جفا تیری ہر شیوۂ کیں تیرا

ہم خوب سمجھتے ہیں حسرت سے تری باتیں
اقرار کا پردہ ہے انکار نہیں تیرا

سرگرم ناز آپ کی شان جفا ہے کیا — باقی ستم کا اور ابھی حوصلہ ہے کیا 5

16 آنکھیں تری جو ہوش ربائی میں فرد ہیں — ان میں یہ سحر کاری رنگ حیا ہے کیا

گر جوش آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی — میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا

آتے ہیں وہ خیال میں کیوں میرے بار بار — عشق خدا نما کی یہی ابتدا ہے کیا

اک برق مضطرب کہ اک سحر بے قرار — کچھ پوچھئے نہ وہ نگہ فتنہ زا ہے کیا

اس درجہ دل پذیر ہے آہنگ نغمہ کیوں
پنہاں لباسِ دہر میں تیری صدا ہے کیا

چل بھی دیئے وہ چھین کے صبر و قرارِ دل
ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا

نزدیک بامِ یار سے ہے نردبانِ عشق
اے دل یہ جائے حوصلہ ہے دیکھتا ہے کیا

حسرت جفائے یار کو سمجھا جو تو وفا
آئینِ اشتیاق میں یہ بھی روا ہے کیا

مجھ کو خبر نہیں کہ مرا مرتبا ہے کیا
یہ تیرے التفات نے آخر کیا ہے کیا

ملتیں کہاں گداز طبیعت کی لذتیں
رنجِ فراقِ یار بھی راحت فزا ہے کیا

حاضر ہے جانِ زار جو چاہو مجھے ہلاک
معلوم بھی تو ہو کہ تمہاری رضا ہے کیا

ہوں دردِ لا دوائے محبت کا مبتلا
مجھ کو خبر نہیں کہ دوا کیا دعا ہے کیا

میری خطا پہ آپ کو لازم نہیں نظر
یہ دیکھیے مناسبِ شانِ عطا ہے کیا

ہیں بہترین صلح یہ ظاہر کی رنجشیں
ناحق ہوں میں ملول وہ مجھ سے خفا ہے کیا

گردیدہ جس سے تو ہے خبر بھی نہیں اسے
پھر تیرے اضطراب کی حسرت بنا ہے کیا

کیا کہیے آرزوئے دلِ مبتلا ہے کیا
جب یہ خبر بھی ہو کہ وہ رنگیں ادا ہے کیا

کافی ہیں میرے بعد پشیمانیاں تری
میں کشتۂ وفا ہوں مرا خوں بہا ہے کیا

وقتِ کرم نہ پوچھیے گا لطفِ عمیمِ یار
رندِ خراب حال ہے کیا پارسا ہے کیا

دیکھو جسے ہے راہِ فنا کی طرف رواں
تیری محل سرا کا یہی راستا ہے کیا

ہم کیا کریں اگر نہ تری آرزو کریں
دنیا میں اور بھی کوئی تیرے سوا ہے کیا

یوں تنگ جو کرتے ہیں تیرے ادا شناس
گویا وہ جانتے ہی نہیں ہیں گلا ہے کیا

روتے لگے الجھی سے کہ ہے ابتدائے حال
تم نے کبھی فسانۂ حسرتؔ سنا ہے کیا

ہم بندگانِ درد پہ مشقِ جفا ہے کیا
دل جوئی وفا کا یہی مقتضا ہے کیا

محرومیوں نے گھیر لیا بس خیال کو
اے عشقِ یار تیری یہی انتہا ہے کیا

شوقِ لقائے یار کہاں میں غریب کہاں
اے جانِ بے قرار تجھے یہ ہوا ہے کیا

ہو جائے گی کبھی نہ کبھی جان نذرِ یار
بیمارِ عشق ہم ہیں ہماری شفا ہے کیا

لاکھوں کو جس نے صبر سے بیگانہ کر دیا
کیا کہیے آہ وہ نگہِ آشنا ہے کیا

گر دیدنا اس قدر ہے جو محرومیوں پہ دل
اے دردِ یار تیری اسی میں بقا ہے کیا

سودائے عشقِ یار ملامت کی دل نہیں
حسرتؔ کو پیرِ عقل یہ سمجھا رہا ہے کیا

غضب ہے دل کا حالِ شوق ان سے بے محل کہنا
مگر کاہے کو مانے گا یہ پابندِ اجل کہنا

ارادے تھے کہ ان سے حالِ دل سب مل کے کہہ دینگے
مگر ملنے پہ ہم سے آج ہوتا ہے نہ کل کہنا

غضب میں جان ہے پابندیِ آدابِ الفت سے
کہ ہر ہر بات کو در پردہ کہنا فی المثل کہنا

الٰہی کیا ہوئے دل ولولے آغازِ وحشت کے
کہ اب تک ہم ہیں اور افسانۂ وحشت جبل کہنا

مقرر ہے خیالِ یار کی یہ کارفرمائی
نہ ہوتا ورنہ ہم فرقت کے ماروں سے غزل کہنا

فنا ہو جاتے ہم کارِ محبت میں تو بہتر تھا
کہ یوں پڑتا نہ حالِ پائے لنگ و دستِ شل کہنا

پسند آیا طریقِ شاعری تیرا ہمیں حسرتؔ
کہ جب کہنا کبھی کچھ نغز کہنا بے بدل کہنا

فراقِ یار میں بے صبر نہ غم کھانے سے کیا ہوگا
اگر مر بھی گئے اب ہم تو مر جانے سے کیا ہوگا

ہجومِ آرزو کی کہہ رہا ہے داستاں سہرا
مگر نوشاہ کے دل کا نہاں ہے ترجماں سہرا

سرِ ہر تار سے رنگینیاں جلوے کی پیدا ہیں
چھپائے گا کہاں تک حسنِ روئے نوشا سہرا

ہوا سے ملتی ہیں لڑیاں کہ قربِ روئے روشن سے
دفورِ شوق میں کرنے لگا بیتابیاں سہرا

رخِ نوشاہ اگر اک گلستانِ حسن و خوبی ہے
تو اس گلشن کے حق میں ہے بہارِ بوستاں سہرا

نمایاں ہو گیا کچھ اور حسرتؔ حسنِ یار اس سے
نگاہِ شوق ناحق ہوا تھا بدگماں سہرا

ادا نہ ہم سے ہوا حق تری غلامی کا
نصیبِ شوق رہا داغِ ناتمامی کا

بچھی ہیں راہِ تمنا میں سیکڑوں آنکھیں
کہ ناز جلوہ کرے تیری خوش خرامی کا

کھلے نہ ہم سے خموشانِ آرزو کی زباں
جو اتفاق کبھی ہو ان سے ہم کلامی کا

حضور مجھ پہ نہ ضائع کریں عطا اپنی
کہ مستحق ہوں جفا ہائے التزامی کا

بقدرِ شوق کہاں تابِ التماس ہمیں
لکھیں جواب جو اس نامۂ گرامی کا

بہت ہے میرے لیے جورِ گاہ گاہ کی یاد
امیدوار نہیں التفاتِ سامی کا

نہاں نہ ہو کہ کرم یار میں ستم حسرتؔ
بہت نہ کیجیے اظہار شادکامی کا

راحت کو اضطراب سے مقرون کر دیا
ان سرخ پوشیوں نے تو دل خون کر دیا

بیتابیاں ہیں عام کہ اس حسنِ شوخ نے
دنیا سے محو صبر کا مضمون کر دیا

اب دل ہے اور فراغتِ حسرت کہ یاس نے
تکلیفِ انتظار سے مامون کر دیا

منسوب کر کے حسرتِ عاصی سے خلق نے
جذباتِ پاکِ شوق کو مطعون کر دیا

اک برق طپاں ہے کہ تکلم ہے تمہارا — اک سحر ہے لرزاں کہ تبسم ہے تمہارا
پایا جو مجھے درپئے اظہار تمنا — بولے وہ سراسر یہ توہم ہے تمہارا
اشکوں سے ہے خواہش دیدار کو شکوہ — کچھ آج غضب رنگ تلاطم ہے تمہارا
دیکھے نہ ہمیں کوئی محبت کی نظر سے — کیا خوب یہ انداز تحکم ہے تمہارا

اب ان سے کہو آرزوِ شوق نہ حسرت
وہ حسنِ بیاباں آج کہاں گم ہے تمہارا

صحبتِ اہلِ عشق و شغلِ شراب — تھا یہی مقتضائے عہدِ شباب
کسقدر سبز و تر ہے کشتِ خیال — گریۂ انتظار ہے شاداب
غیر پر دیکھ کر کرم تیرا — ہو گئی جانِ آرزو بے تاب
عشق سے ہے کہاں روا اے حسن — اس قدر اہتمام شرم و حجاب
ہم کو یکساں ہے لطف ہو کہ جفا — ہم کہ ہیں بادۂ وفا کے خراب
جان بھی دی پیام شوق کیساتھ — ہم نے کھینچا نہ انتظار جواب
مذہب عشق ہے پرستشِ حسن — ہم نہیں جانتے ثواب و عذاب
قدر نشناس ہے جفا تیری — ورنہ جنسِ وفا نہیں کمیاب
ہے مرے شوق بیکراں کا شمار — نہ تری شرم ناروا کا حساب

لطف جاناں ہے جور کی تمہید
دیکھ حسرت نہ کھا فریب سراب

جانفزا تھی کس قدر یارب ہوائے کوئے دوست — بس گئی جس سے مشام آرزو میں بوئے دوست
بیخودی میں اب نہیں کچھ امتیاز وصل و ہجر — رات دن پیشِ نظر ہے جلوۂ نیکوئے دوست

ہو چکی اب ہم گرفتارانِ فرقت کو نصیب
آہ وہ خوشبو کہ تھی پروردۂ گیسوئے دوست

اہلِ دل کہنے لگے ہیں جس کو نقشِ لوحِ جان
ہے الف اللہ کا یا قامتِ دلجوئے دوست

بن گئی محفل کی محفل اک طلسمِ بے خودی
چل گیا آخر فسونِ نرگسِ جادوئے دوست

رہ گئی ناکام و حیراں میری چشمِ اشتیاق
کامیابِ نور تھی کس درجہ حسنِ روئے دوست

شعرِ حسرتؔ ہم نے یہ مانا کہ نازک ہے بہت
اس سے بھی کچھ بڑھ کے نازک تر خوشبوئے دوست

جو نازِ حسن سے کی تھی کبھی غرور کی بات
وہ آج تک ہے مجھے یاد اس قصور کی بات

بہ دیر جل کے ہوا ختم سلسلہ ان کا
چھڑی جو اہلِ خرابات میں سرور کی بات

مزاجِ یار مکدر حسد سے کیوں ہوتا
ضرور کوئی نہ کوئی ہوئی فتور کی بات

ملی اوں کی آنکھ سے دیکھو تو چشمِ سرمگیں
کہ پھر نہ بینشِ الفاظ ہو وہ کوہِ طور کی بات

نہ پوچھئے کہ ہوئی حسن کی عجب حالت
سنی جو اہلِ عشقِ ناصبور کی بات

ملے بھی وہ تو غرورِ جمال نے نہ سنی
زبانِ دل سے تمنائے بے شعور کی بات

وہ بے سبب ہیں خفا مجھ سے کیا کہوں حسرتؔ
مجھے تو یاد نہیں ہے کوئی قصور کی بات

رنگ بدلا یا ہجومِ شاغلِ پیمانہ آج
بھر گئی میرے بدن سے محفلِ رندانہ آج

بس کہ زیبِ انجمن ہے جلوۂ جانانہ آج
ہے سراپا آرزو ہر عاشقِ دیوانہ آج

بڑھ گیا بیتابیوں پر نشۂ مے کا اثر
کہہ دیا سب ان سے حالِ شوقِ گستاخانہ آج

رشک سے مٹ مٹ گئے تم تشنہ کامانِ وصال
جب ملا لبہائے ساقی سے لبِ پیمانہ آج

ہے فروغِ بزمِ یکتائی جو وہ شمعِ جمال
آ گئی ہے دل میں بھی بینائیِ پروانہ آج

ہیں سرورِ وصل سے لبریز مشتاقوں کے دل ‌‌ کر رہی ہیں آرزوئیں سجدۂ شکرانہ آج
حسرتیں دل کی ہوئی جاتی ہیں پامالِ نشاط ‌‌ ہے جو وہ جانِ تمنا رونقِ کاشانہ آج
غرق ہے رنگینیوں میں مستیوں سے چور چور ‌‌ ہے سراپا بیخودی وہ نرگسِ مستانہ آج
میہمانِ خانۂ دل ہے جو وہ رشکِ بہار ‌‌ ہو گیا ہے غیرتِ فردوس یہ ویرانہ آج
مل گیا اچھا سہارا عذرِ مستی کا ہمیں ‌‌ لے گیا آغوش میں اس گل کو بیباکانہ آج
خم لگا دے ہم بلانوشوں کے منہ میں ساقیا ‌‌ کام آئے گا نہ ساغر آج نے پیمانہ آج
دیکھیے اب رنگ کیا لائے وہ حسنِ دلفریب ‌‌ آئینہ پیشِ نظر ہے ہاتھ میں ہے شانہ آج

میں ہی اے حسرت نہیں محوِ جمالِ روئے یار
پڑ رہی ہیں سب نگاہیں اس پہ مشتاقانہ آج

اے غمِ عشق اے متاعِ فلاح ‌‌ اہلِ دل کیوں نہ ہوں ترے مداح
ہم کو صبر و سکوں نہیں درکار ‌‌ دلِ مضطر کی بھی یہی ہے صلاح
29 بے خبر ماجرائے عالم سے ‌‌ ہم ہیں دشتِ خیال کے سیاح
ہے زبانِ وصالِ یار کی یاد ‌‌ بابِ فردوسِ عیش کی مفتاح
ہم بھی مشتاق ہیں شہادت کے ‌‌ اے تجھے خونِ اہلِ شوق مباح
غم ترا مایۂ سرورِ قلوب ‌‌ یاد ہے تیری مونسِ ارواح

اب کہاں ہجرِ یار میں حسرت
لذتِ اکلِ شام و شربِ صباح

30 خون بے جرمی سے اپنی دیکھ کر تلوار سرخ ‌‌ ہو گئی مارے ندامت کے جبینِ یار سرخ
آشکارا ہے جہاں میں ہر طرف رنگِ بہار ‌‌ سبز و تر ہے صحنِ گلشن دامنِ کہسار سرخ

دیکھیے کس کس کو اعزازِ شہادت ہو نصیب
آج نکلا ہے بدل کر رنگ وہ عیار سرخ

اس قدر کیں مستیاں ہم بادہ خواروں نے کہ آج
ہو گیا سب رنگِ مے سے خانۂ خمار سرخ

مل گیا حسرت شہیدانِ وفا کا خوں بہا
ہو گئی ہیں روتے روتے ہر دو چشمِ یار سرخ

دشوار ہے اسے ملامت اے پند
ہوں اہلِ جنوں خرد کے پابند

شرمندہ جنہیں ہو نہ وہ شوخ
اربابِ وفا ہیں یوں بھی خورسند

زیبا کشِ فرقِ عاشقی ہے
دستارِ جنوں نہیں غم کا پیوند

سیکھا ہے کہاں سے اے لبِ یار
یہ شیوۂ دلکشِ شکر خند

مہمانِ فراق ہے تری یاد
بے خود ہے خیالِ آرزو مند

بے صبر و سکوں سے کام حسرت (ق)
آئینِ وفا کی تجھ کو سوگند

یہ ماتمِ روزِ وصل تا کے
یہ گریۂ بے قرار تا چند

مجبور مجھ کو جان کے عہدِ وفا کے بعد
بے مہریاں وہ کرنے لگے اختیار کے بعد

اہلِ رضا کی جان ہے یہ اتنی سی امید
کچھ اور بھی ہے اس ستمِ بر ملا کے بعد

محجوبیٔ سوال سے اس چشمِ ناز میں
منظوریوں کا رنگ عیاں ہے حیا کے بعد

نے راحتِ سرور نہ تکلیفِ اضطراب
باقی نہیں ہے کچھ بھی دلِ مبتلا کے بعد

تم بن جئے تو زندۂ جاوید ہو گئے
ہم کو بقا نصیب ہوئی ہے فنا کے بعد

افزوں ہوئیں کچھ اور محبت کی شورشیں
تجدیدِ آرزو جو ہوا التوا کے بعد

دامانِ صبر ہاتھ سے حسرت نہ دیجیو
گر خواہشِ طرب ہے ہجومِ بلا کے بعد

کچھ دردِ دل سے بڑھ کے ہے دردِ جگر لذیذ — تجھ سے ہیں جتنے درد وہ سب ہیں لذیذ
مایوسیوں سے کام نہ لے جانِ مبتلا — رنجِ فراقِ یار بھی ہے سربسر لذیذ
جانِ حزیں کو بھول گئی سختیٔ فراق — کچھ اس قدر ہے گریۂ وقتِ سحر لذیذ 33
کہتا ہے کون شورشِ باطن کو بے مزا — مرغوبِ شوق کیوں ہے نہیں ہے اگر لذیذ

اشکِ وفا سے دامنِ حسرت ہوا لالہ رنگ
پی جائے گر نہ پا کے انہیں چشمِ تر لذیذ

صبر مشکل ہے ضبط ہے دشوار — دلِ وحشی ہے اور جنوں بہار
کش مکش میں ہے کامرانیٔ شوق — مجھ کو ابرام ہے انہیں انکار
دلِ مایوس میں ہے نقشِ امید — یا مسافر کوئی غریبِ دیار
لطف کر لطف اے سراپا ناز (ق) — تجھ پہ رنگینیٔ بہار نثار 34
دلِ عشاق میں امید کے جام — بادۂ اشتیاق کے سرشار
اے تری ذات مجمعِ ضدین — حسن سب نور تو غضب نار
غیر ممکن ہے ہم سے طاقتِ غیر — اے جفا کار اے عزیبِ آزار

روح آزاد ہے خیال آزاد
جسم حسرت کی قید ہے بیکار

اب تو اٹھ سکتا نہیں آنکھوں سے بارِ انتظار — کس طرح کاٹے کوئی لیل و نہارِ انتظار
ان کی الفت کا یقیں ہو ان کے آنے کی امید — ہوں یہ دونوں صورتیں تب ہے بہارِ انتظار 35
عمر کیجے صرف یاد گیسو و رخسارِ یار — یوں بسر ہے جائیے لیل و نہارِ انتظار
جان و دل کا حال کیا کہیے فراقِ یار میں — جان مجروحِ الم ہے دل فگارِ انتظار

کیا ہوئیں آسانیاں وہ روزگار وصل کی | اب تو ہم ہیں اور رنج بے شمار انتظار
میری آئیں نارسا میری دعائیں نا قبول | یا الٰہی کیا کروں میں شرمسار انتظار
صبر کی طاقت نہیں باقی دل مایوس ہیں | دیکھئے کیونکر بسر ہو روزگار انتظار
راہ تیری اس قدر دیکھی کہ اے غفلت شعار | میری آنکھیں بن گئیں سرمایہ دار انتظار
ان کے خط کی آرزو ہے ان کی آمد کا خیال | کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبار انتظار

ہے دل مسرور حسرتؔ اک طرب زار امید
پھونک ڈالے گر نہ اس گلشن کو نار انتظار

عشق کی روح پاک کو تحفۂ غم سے شاد کر | اپنی جفا کو یاد کر میری وفا کو یاد کر
جان کو تجربۂ غم بنا دل کو وفا نہاد کر | بندۂ عشق ہے تو یوں قطع رہ مراد کر
غمزۂ دل فریب کو اور بھی جاں فزا بنا | پیکر ناز حسن پر رنگ حیا زیاد کر
خرمی دو روزہ کو حسرت جاوداں بنا | فکر معاش سے گزر حوصلۂ معاد کر
ایک نجات ہند کی دل سے ہے تجھکو آرزو | ہمت سربلند سے یاس کا انسداد کر
قول کو زہد و عمر کے حد سے سوا اہم جان | روشنی ضمیر میں عقل سے اجتہاد کر
حق سے بعذر مصلحت وقت پہ جو کرے گریز | انکو نہ پیشوا سمجھ اس پہ نہ اعتماد کر
خدمت اہل جور کو کر نہ قبول زینہار | فن و ہنر کے زور سے عیش کو خانہ زاد کر
غیر کی جد و جہد پر تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ | کوشش ذات خاص پر ناز کر اقتصاد کر

غضب ہے کہ پابند اخبار ہو کر | مسلمان رہ جائیں یوں خوار ہو کر
اٹھے ہیں جفا پیشگان مہذب | ہمارے مٹانے پہ تیار ہو کر
تقاضائے غیرت یہی ہے حسرتؔ | کہ ہم بھی رہیں ان سے بیزار ہو کر

کہیں صلح و نرمی سے رہ جائے دیکھو　　نہ یہ عقدۂ جنگ دشوار ہو کر

وہ ہم کو سمجھتے ہیں احمق جو حسرت
دنیا کے ہیں طالب دل آزاد ہو کر

چلتا ہے روز دورِ مئے ارغواں ہنوز　　جاری ہے فیضِ محفلِ پیرِ مغاں ہنوز

ہے غضب ہنگامۂ فصلِ بہار ابکی برس　　دل پہ کاہے کو رہے گا اختیار اب کی برس!
ہے جنونِ شوق ابھی سے بیقرار اب کی برس　　کیا غضب ڈھائیگا طوفانِ بہار ابکی برس
کامیابی جلد ہوگی آکے پابوس امید　　کھینچ ڈالیں اور رنجِ انتظار ابکی برس 38
حادثے سنہ آٹھ میں گزرے بہت اب دیکھیے　　کیا دکھائے گردشِ لیل و نہار ابکی برس
فرقتِ ساقی میں ہم حسرت کشانِ بادہ سے　　مل کے رویا خوب ابرِ نوبہار اب کی برس
مدتیں ترکِ محبت کو ہوئیں پھر ہے عجب　　یادِ یار آتی ہے کیوں بے اختیار ابکی برس
جوششِ گل کی ہیں یہی کیفیتیں تو کیا عجب　　اشکِ بلبل سے قفس ہو لالہ زار ابکی برس

حسرتِ شوریدہ سر ہے پائمالِ اشتیاق
اس طرف بھی کر گزر اے شہسوار اب کی برس

پیمانِ وفا نہ کر فراموش　　اے حسرتِ بیقرار خاموش
دیوانِ حسنِ پاک داماں　　ہے پردۂ دل میں عشق روپوش
اس عشوائے نازنیں کے جلوے　　ہیں دشمنِ عقلِ مصلحت کوش 39
پوشیدہ سکونِ یاس میں ہے　　اک محشرِ اضطراب خاموش

آزاد ہیں قید میں بھی حسرت
ہم دل شدگانِ خود فراموش

سب ہیں تری انجمن میں بیہوش
نظارۂ حسن کا کسے ہوش

بیہوش کیا ہے سب کو تو نے
اب جس کو خدا دے ہوش دے ہوش

ہو جاؤ نثارِ حیرتِ عشق
اے دانش وائے قرار اے ہوش

تم آئے کہ ختم ہو گئے ہم
باقی تھے مگر اسی لئے ہوش

ہم عرصۂ حشر میں بھی حسرت
پہچان گئے انہیں نہ بیہوش

یورپ میں جیسے پھیلا گئی ہے وبائے حرص
چلنے لگی نہ سارے جہاں میں ہوائے حرص

ہے چین کوریا کو مٹانے پہ مستعد
جاپان بھی ہوا ہے مگر آشنائے حرص

جانِ وفا شعار کو شکوۂ غم سے کیا غرض
عذرِ جفا سے کام کیا عرضِ کرم سے کیا غرض

سرخوش ہائے شرابِ مشکبو سے کیا غرض
مستِ الفت ہیں ہمیں اس آرزو سے کیا غرض

دل ہے غرقِ شادمانی جان سیرابِ نشاط
وصل کی شب ہے بہم ہیں جملہ اسبابِ نشاط

ہے جہانِ آرزو میں آج گویا روزِ عید
چل رہی ہے محفلِ دل میں مئے نابِ نشاط

حسرتیں وقفِ طرب ہیں آرزو محوِ سرور
بخت نے کھولا ہے روئے شوق پر بابِ نشاط

ہیں فراہم اہلِ ذوق آمادہ ہے بزمِ طرب
اہتمامِ نغمہ سنجی میں ہیں اربابِ نشاط

ہو گئی جوشِ تمنا سے مبدل بیخودی
سازِ حیرت پر لگی جس وقت مضرابِ نشاط

کامیابِ عیش یکسر ہے دلِ عشرت نصیب
آرزو کے سر سے گزرا جاتا ہے آبِ نشاط

ہے غرض ہر سمت اک ہنگامۂ شادی بپا
کچھ نہیں چلتی ملامت گر کی در بابِ نشاط

چل سکے گا اب نہ قابو دل پہ رنج و غم کا
یار مجبورِ حیا ہے میں ہوں بے تابِ نشاط

ساز و سامانِ خرد سرمایۂ ہوش و حواس
آج لے جائے بہا کر سب کو سیلابِ نشاط

رشک سے بیتاب ہے نیرنگئ دورِ فلک (ق) ہوشیار اے بے خبر اے غافلِ خوابِ نشاط

ہے اسی کا نام حرمانِ اثر اے وصلِ یار
خاطرِ محرومِ حسرتؔ کو نہیں تابِ نشاط

کچھ ہم کو عجب گریۂ ہستی میں ملا حظ — ایسا تو کسی شے میں نہ ہوگا بخدا حظ
کیا آئے اگر آئے بھی دم بھر کیلئے تم — اس سے تو بڑھا دردِ جگر اور کجا حظ
مرغوبِ دل و جان تمنا ہے نہ کیوں ہو — رکھتا ہے غمِ شوق ترا اس سے سوا حظ 42
پوچھے کوئی رندانِ سیہ مست کے جی سے — کیا کچھ نہ انہیں خدمتِ ساقی ملا حظ
اچھا ہے اگر فصلِ گل آتی ہے جہاں میں — کیا اس سے اگر پائیں گے ہم بے سروپا حظ
تم شوقِ جفا چھوڑ دو گر ہو انہیں معلوم — رکھتی ہے جو پابندیٔ آئینِ وفا حظ

ہے پاسِ ادب رسمِ قدیمِ شعرا کا
حسرتؔ نہیں اس قسم کے اشعار میں کیا حظ

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع — الوداع اے مونسِ جاں الوداع
تجھ سے روشن تھا سوادِ ملکِ جاں — اے چراغِ نورِ ایماں الوداع 43
اے زبانِ رحمتِ حق الفرقان — اے محبِ اہلِ عصیاں الوداع
اے نشانِ شانِ صبر و فقر و عشق — زاہد عشاق حیراں الوداع
لذتِ افطار و اے لطفِ سحر — تم میں تھا عیشِ فراواں الوداع
عینِ راحت تجھ سے تھی تکلیفِ قید — اے انیسِ اہلِ زنداں الوداع

قدر جانی کچھ نہ تیری اے عزیز
تجھ سے حسرتؔ ہے پشیماں الوداع

دل نہ تھا رنجِ ہجرِ یار کا داغ / کیا ہوا آہ وہ زمانِ فراغ
کر ہم غم زدوں پہ جور اتنا / گل نہ ہو جائے عاشقی کا چراغ
چھیڑ نا حق نہ اے نسیمِ بہار! / سیرِ گل کا یہاں کسے ہے دماغ
ہے وہ اک لالہ زارِ ناکامی / دل نے کھائے ہیں بسکہ داغ پہ داغ

ہم نے ڈھونڈا بہت مگر حسرت
نہ ملا دل میں خرمی کا سراغ

وہ شوخ عجب کیا ہے مجھ سے جو نہیں واقف / گمنام ہوں میں ہوتا ہے کوئی بھی کہیں واقف
ہم عشق کے بندوں کو اسلام سے کیا مطلب / اس بات سے خود ہوگا وہ دشمنِ دیں واقف
تقریبِ محبت کی کیا خوب تھی وہ ساعت / جس وقت ہوا مجھ سے وہ ماہ جبیں واقف
ناکامی بیحد کا رہتا ہے کرم ہم پر / ہم درد کے خوگر ہیں درماں سے نہیں واقف

بے کار نہ لے دولت حسرت کو نہ دے لالچ
ہے تیرے بکھیڑوں سے وہ خاک نشیں واقف

تجھ سے حسنِ جہاں دونوں جہاں کی رونق / اے تری یاد مرے خانۂ جاں کی رونق
یاد میں اس گلِ رعنا کے جو نکلے آنسو / بن گئے دیدۂ خونابہ فشاں کی رونق
جاں گزیں جب سے ہوئی تیری محبت دل میں / بڑھ گئی اور بھی اس جنسِ گراں کی رونق
مقدمِ یار کی آنکھوں میں بسی ہے جو بہار / قابلِ دید ہے چشمِ نگراں کی رونق
ہر طرف رندی و مستی کا نمودار ہے رنگ / ہے خرابی سے خراباتِ مغاں کی رونق
کیا نہیں شوقِ شہادت کا یہ کافی اعزاز / کہ مرا سر ہے ترے نوکِ سناں کی رونق
تیرے حسنِ نظر افروز کے جلوے اے شوخ / ہو گئے ہیں نگہِ دیدہ وراں کی رونق

شعر میں تیرے ہوئی مصحفی و میر کے بعد
تازہ حسرت اثر و حسنِ بیاں کی رونق

وصل کی شب رواں ہی سوئے فراق — آچلی لو ہوا میں بوئے فراق
اشک بھر لائے وہ بھی وقتِ سحر — جب چلی آہ گفتگوئے فراق
خود ہیں وہ جانِ آرزوئے وصال — یاد ہے ان کی آبروئے فراق 47
خوبیہائے وصلِ یار کے بعد — اب دکھائے خدا نہ روئے فراق
بہر افزائشِ سرورِ وصال — شوق کو پھر ہے جستجوئے فراق
کون ان کی فرائشی سے کرے — عرضِ احوال موبموئے فراق

غلغلِ عہدِ عیش سے حسرت
بڑھ کے ہے شور ہائے ہوئے فراق

محرومِ طرب ہے دل گیر ابھی تک — باقی ہے نئے عشق کی تاثیر ابھی تک
48 وصل اس بتِ بدخو کا میسر نہیں ہوتا — وابستۂ تقدیر ہے تدبیر ابھی تک
اک بار سنی تھی سو مرے دل میں ہے موجود — اے جانِ تمنا تری تقریر ابھی تک
سیکھی تھی جو آغازِ محبت میں قلم نے — باقی ہے وہ رنگینیِ تحریر ابھی تک
اس درجہ نہ بیتاب ہو اے شوقِ شہادت — ہے میان میں اس شوخ کی شمشیر ابھی تک
کہنے کو تو میں بھول گیا ہوں مگر اے یار — ہے خانۂ دل میں تری تصویر ابھی تک
بھولی نہیں دل کو تری دزدیدہ نگاہی — پہلو میں ہے کچھ کچھ خلشِ تیر ابھی تک
تھے حق پہ وہ بیشک کہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا — دنیا میں بپا ماتمِ شبیر ابھی تک

گزرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں
بے مثل ہے حسرتؔ سخن میرؔ ابھی تک

بکھرے رخِ روشن پہ جو ہیں گیسوئے شب رنگ — نکلا ہے نئے حسن دل آرا کا غضب رنگ
کیا کیجیے بیاں اس تنِ نازک کی حقیقت — خوشبو میں ہے گل بو تو لطافت میں ہے سب رنگ
سب سیکھ لیا غیر سے افسونِ شرارت — باقی وہ کہاں سادگیِ یار کا اب رنگ
اک چشمۂ حسرت ہے کہ آنکھوں سے ہے جاری — عشاق کا ہے صدمۂ ہجراں سے عجب رنگ
پوچھو نہ شبِ وصل کی لذت کہ ابھی تک — بدلا ہے رخِ شوخ کا از روئے حجاب رنگ
دل خون ہوئے جاتے ہیں اربابِ نظر کے — رکھتی ہے قیامت کا تری سرخیِ لب رنگ

حسرتؔ تری اس پختہ کلامی کی ہے کیا بات
پایا ہے کسی اور سخنور نے یہ کب رنگ

عہدِ مستی کے اب کہاں وہ رنگ — ساغرِ بادہ ہے نہ کاسۂ بنگ
ایسی پھر شب نصیب ہو کہ نہ ہو — ساقیِ ماہ وش کرے نہ درنگ
خوب تھا وہ زبانِ رسوائی (ق) — خوب تر تھی وہ عشق و عقل کی جنگ
آہ وہ شہرِ کانپور کی شام — وہ لبِ نہر وہ کنارۂ گنگ
ہیں طلب گارِ شوقِ گوناگوں — حسن کے جلوہ ہائے رنگا رنگ

بڑھ چلا جوشِ آرزو حسرتؔ
ختم ہونے کو آئی قیدِ فرنگ

ازبسکہ حسنِ یار ہے جو بی سے جانِ دل — لائے کہاں سے روز کوئی ارمغانِ دل
راہِ وفا میں تھی ہوئی ظلمتِ فراق — محرمیوں نے لوٹ لیا کاروانِ دل

یک قطرہ خوں بھی سینۂ عشاق میں نہیں — اس شوخ کو مگر ہے ابھی تک گمان دل
ٹھہرا ہے اک نگاہ کرم پہ معاملہ — اے لطف یار مفت ہے جنس گران دل

ہیں خون آرزو سے جو سیراب داغ یاس
ہم رنگ نو بہار ہے حسرت خزان دل

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام — دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام
حیرت غرورِ حسن سے شوخی سے اضطراب — دل نے بھی تیرے سیکھ لیے ہیں چلن تمام
اللہ ری جسمِ یار کی خوبی کہ خود بخود — رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام
دل خون ہو چکا ہے جگر ہو چکا ہے خاک — باقی ہوں میں مجھے بھی کر اے تیغ زن تمام 52
دیکھو تو چشمِ یار کی جادو نگاہیاں — بیہوش اک نظر میں ہوئی انجمن تمام
ہے نازِ حسن سے جو فروزاں جبینِ یار — لبریز آبِ نور ہے چاہِ ذقن تمام
نشو و نمائے سبزہ و گل سے بہار میں — شادابیوں نے گھیر لیا ہے چمن تمام
اس نازنیں نے جب سے کیا ہے وہاں قیام — گلزار بن گئی ہے زمینِ دکن تمام
اچھا ہے اہلِ جور کیے جائیں سختیاں — پھیلے گی یوں ہی شورشِ حب وطن تمام
سمجھے ہیں اہلِ شرق کو شاید قریبِ مرگ — مغرب کے یوں ہیں جمع یہ زاغ و زغن تمام

شیرینیٔ نسیم ہے سوز و گداز میر
حسرت ترے سخن پہ ہے لطفِ سخن تمام

کام لوں ناکامیوں سے عشق کا اپنا کروں — ہو کے واقف لطفِ غم سے رات دن رویا کروں 53
بڑھ چلا تھا حد سے جورِ شیوۂ بیگانگی — ورنہ میں اور اس سراپا ناز کا شکوہ کروں
وصل کی شب بھی ہوئی جاتی ہے صرفِ اضطراب — اس ہجومِ آرزو کو یا الٰہی کیا کروں

جان کر مجھ پہ ستم بھی ہو تو ہے منظورِ شوق — لطفِ بے پروائی میں کیا قدر کیوں پیدا کروں

مجھ سے تم چھپنے لگے، اچھا کیا یونہی سہی — اور تو ہیں اب دیدۂ دل سے تمہیں دیکھا کروں

اس کے لطفِ بندہ پرور کا ہوں اک دل سے غلام — میری کیا طاقت کہ عشقِ یار کا دعویٰ کروں

ہے یہاں شرطِ وفاداری کہ بے چون و چرا — وہ مجھے چاہے نہ چاہے میں اسے چاہا کروں

اے ستم گر مجھ سے گو ترکِ وفا ممکن نہیں — میں کروں لیکن کبھی ایسا تو کیا ایسا کروں

حسرت اس دیر آشنا کی آرزو آساں نہیں

دل میں پہلے ضبطِ غم کا حوصلہ پیدا کروں

آوارۂ دشتِ جستجو ہیں — ہم خانہ بدوشِ آرزو ہیں

54 رندوں پہ یہ کیا ستم ہے ساقی — ساغر خالی ہیں پر سبو ہیں

دشوار ہے اہتمامِ تمکیں — ہم پر کہ ہلاکِ گفتگو ہیں

اب درجۂ عذر ناروا ہے — مانا کہ حضور خوب رو ہیں

ناواقفِ بے ثباتیِ گل — بلبل ہیں کہ محوِ رنگ و بو ہیں

ہم زخمیِ تیغِ عشق حسرت

بے گانۂ خواہشِ رفو ہیں

بدلِ لذتِ آزار کہاں سے لاؤں — اب تجھے اے ستمِ یار کہاں سے لاؤں

55 پرسشِ حال پہ ہے خاطرِ جاناں مائل — جرأتِ کوششِ اظہار کہاں سے لاؤں

ہے وہاں شانِ تغافل کو جفا سے بھی گریز — التفاتِ نگہِ یار کہاں سے لاؤں

نور عنقا ہے شبِ ہجر کی تاریکی میں — جلوۂ صبح کے آثار کہاں سے لاؤں

صحبتِ اہلِ صفا خوب ہے مانا لیکن — رونقِ خانۂ خمار کہاں سے لاؤں

شعر میرے بھی ہیں پر درد ولیکن حسرتؔ
میرؔ کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

اے تلکؔ اے افتخارِ جذبۂ حبِّ وطن — حق شناس و حق پسند و یقیں و حق سخن
تجھ سے قائم ہے بنا آزادیٔ بیباک کی — تجھ سے روشن اہلِ اخلاص و وفا کی انجمن
سب سے پہلے تو نے کی برداشت اے فرزندِ ہند — خدمتِ ہندوستاں میں کلفتِ قیدِ محن 56
ذات تیری رہنمائے راہِ آزادی ہوئی — تھے گرفتارِ غلامی ورنہ یارانِ وطن
تو نے خودداری کا پھونکا اے تلکؔ افسوں — یک قلم جس سے خوشامد کی مٹی رسمِ کہن

ناز تیری پیروی پر حسرتؔ آزاد کو
اے تجھے قائم رکھے تا دیر ربِ ذوالمنن

خوبرویوں سے یاریاں نہ گئیں — دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں
عقل صبر آشنا سے کچھ نہ ہوا — شوق کی بے قراریاں نہ گئیں
دن کی صحرانوردیاں نہ چھٹیں — شب کی اختر شماریاں نہ گئیں
ہوش یاں سدِّ راہِ علم رہا — عقل کی ہرزہ کاریاں نہ گئیں 57
تھے جو ہم رنگِ ناز ان کے ستم — دل کی امیدواریاں نہ گئیں
حسن جب تک رہا نظارہ فروش — صبر کی شرمساریاں نہ گئیں

طرزِ مومنؔ میں مرحبا حسرتؔ
تیری رنگیں نگاریاں نہ گئیں

مے وہ مینا سے یاریاں نہ گئیں — میری پرہیزگاریاں نہ گئیں 58
مر کے بھی خاکِ راہِ یار ہوئے — اپنی الفت شعاریاں نہ گئیں

اشکباری سے سوزِ دل نہ مٹے — آہ کی شعلہ باریاں نہ گئیں
حسن کی دلنوازیاں نہ گھٹیں — عشق کی تازہ کاریاں نہ گئیں

سب نے چھوڑا تجھے مگر حسرت
درد کی غمگساریاں نہ گئیں

گرفتارِ محبت ہوں اسیرِ دامِ نخوت ہوں — میں رسوائے جہانِ آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں
عجب انداز ہے میرے مزاجِ لاابالی کا — نہ ممنونِ تمنا ہوں نہ مشتاقِ مسرت ہوں
مری بیتابیوں کا قول ہے ہم جانِ تمکیں ہیں — مری افتادگی کہتی ہے تاجِ فرقِ عزت ہوں
مرا شوقِ سخن پروردۂ آغوشِ حرماں ہے — میں خود شیدائے غم ہوں رفتۂ اندوہ ہوں
نہیں ہے قدرداں کوئی تو میں ہوں قدرداں اپنا — تکلف برطرف بیگانۂ رسمِ شکایت ہوں

کمالِ خاکساری پر یہ بے پروائیاں حسرت
میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

گریباں چاک ہیں گلہائے رنگیں صحنِ بستاں میں — قیامت کا اثر تھا نالہائے عندلیباں میں
نگاہِ یار بھی کس کس ادا سے لطف کرتی ہے — تغافلہائے پیدا میں نوازشہائے پنہاں ہیں
نگاہِ شوق کیونکر کامیابِ شادمانی ہو — غضب کا رعب ہے اس شوخ کے حسنِ نگہباں میں
قیامت کا تعلق ہے قیامت کی محبت ہے — مرے زخموں کی گویا جان ہے تیرے نمکداں میں
مجھے معلوم ہے پھر جوشِ الفت رخنہ ڈالیگا — ترے عہدِ تغافل میں مرے پیمانِ حرماں میں
تمہارے حسنِ روزافزوں کے جلوے کیا قیامت ہیں — نگاہِ شوق کی بھی جا نہیں ہے چشمِ حیراں میں
الٰہی خیر میرے عہدِ ترکِ مےگساری کی — ہجومِ شوق میں ہنگامۂ فصلِ بہاراں میں

اثرؔ کا مصرعِ رنگیں پسندِ طبعِ حسرتؔ ہے
قیامت ہے نہاں ان کے تبسم ہائے پنہاں میں

ہم بھی مثلِ غیر ہیں کیوں مہربانیاں — اے بدگماں یہ خواب نہیں بدگمانیاں
حیرت ہے یادگارِ زمانِ جنوں ہنوز — باقی ہیں شوقِ یار کی اب تک نشانیاں
طاعت گزار ہوں دلِ حسرت پسند کا — ناکامیاں ہیں میرے لئے کامرانیاں
61 رنگِ بہارِ یار ہے مہمانِ یک نفس — اے وائے عندلیب تری شادمانیاں
ٹھہرا ہے ضبطِ شوق پہ اگر معاملہ — اس درجہ آبرو کی بڑھیں بے نیازیاں
گو نذرِ آرزو کا زمانہ گزر گیا — لیکن گئیں نہ ہم سے تری سرگرانیاں

حسرتؔ تری شگفتہ کلامی پہ آفریں
یاد آگئیں نسیمؔ کی رنگیں بیانیاں

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں — الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں
نہ چھیڑ اے ہم نشیں کیفیتِ صہبا کے افسانے — شرابِ بیخودی کے مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں
62 رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اے وائے ناکامی — وہ دشتِ خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں
نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی — مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

حقیقت کھل گئی زاہد ترے ترکِ محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

63 وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں — آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں
بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو — ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں
مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگارِ حسن کی — اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں

التفاتِ یار تھا اک خوابِ آغازِ وفا — سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں

[illegible]ی بے صبری ہے حسرتؔ خام کاری کی دلیل
گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں

عشق میں جان سے گزر جائیں — اب یہی جی میں ہے کہ مر جائیں
یہ ہمیں ہیں کہ قصرِ یار سے روز — بے خطر آکے بے خبر جائیں
جامہ زیبی نہ پوچھئے ان کی — جو بگڑنے میں بھی سنور جائیں
64 ان کی مدِ نظر ہوا پروا — اہلِ شوق اب کہو کدھر جائیں
شب وہی شب ہے دن وہی دن ہیں — جو تری یاد میں گزر جائیں
گریۂ شام سے تو کچھ نہ ہوا — ان تک اب نالۂ سحر جائیں
دوش تک کبھی بلائے جاں ہیں دنبال — جائے کیا ہوں جو تا کمر جائیں

شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ
سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں

قصۂ شوق کہوں، درد کا افسانہ کہوں — دل ہو قابو میں تو اس شوخ سے کیا کیا نہ کہوں
خود ہے اقرار انہیں اپنی ستم گاری کا — پھر بھی اصرار ہے مجھ سے کہ میں ایسا نہ کہوں
آپ بیٹھیں تو کبھی آکے مرے پاس کبھی — کہ میں فرصت میں شرحِ دلِ دیوانہ کہوں

اشک عشق سے نکلیں جو تمہارے آنسو — دامنِ جاں ہیں وہ لے لیجئے سارے آنسو
جلوۂ حسن سے رنگیں ہیں جو آنکھیں ان کی — سرخ نکلے ہیں اسی رنگ کے مارے آنسو
دیکھ کر غیر کی محفل میں انہیں مستِ شراب — نہ ہوا ضبط نکل آئے ہمارے آنسو
عالمِ حسن میں ہیں نور کی نہریں جاری — یاردان عارضِ جاناں کے کنارے آنسو

گریۂ شوق سے تر ہیں جو تمہاری آنکھیں
بن گئے ہیں فلکِ حسن کے تارے آنسو

ہو کے آہ غمِ عشق مری حالت پر
اب تو بھر لائے ہے وہ شوخ بھی بارے آنسو

ہے محبت سے سروکار انہیں بھی حسرت
چشمِ جاناں میں یہ کرتے ہیں اشارے آنسو

کسی عنوان صبر آتا نہیں مجھ ناشکیبا کو
الٰہی کیا کروں اس خاطرِ محوِ تمنا کو

نہ تھی واقف جو میرے اشتیاقِ بے نہایت سے
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اس نگاہِ بے محابا کو

وہ خوابِ ناز میں تھے اور تھے لے شوق پابوسی
نہ سمجھی پستیٔ ہمت، تری اس لطفِ ایما کو

تمہیں بھی یاد ہوگا وہ زمانہ عیشِ ماضی کا 66
تمنا چاہتی ہے پھر اسی لطفِ شناسا کو

پھر آئے اشک دردِ افتادگانِ بزمِ ساقی کے
مئے رنگیں سے خالی دیکھ آغوشِ مینا کو

نگاہِ شوق میں چمکا دیا ہے اور بھی ظالم
ترے ظلمِ نمایاں نے ترے حسنِ خود آرا کو

عیاں سب حال ہو جانا ہماری بے قراری کا
وہ خود بھی دیکھ سکتے کاش اپنے نازِ یکتا کو

چھپائے کہیں آثار چھپتے ہیں محبت کے
نہ دو الزام میرے اضطرابِ آشکارا کو

گزاری عمر شغلِ عاشقی میں مرحبا حسرت
نہ پاس آنے دیا غم ہائے بے پایانِ دنیا کو

دلچسپیٔ اشیا سے فرصت نہیں تم کو 67
معلوم ہوا قدرِ محبت نہیں تم کو

مٹ جائیں گے اس شیوۂ بیداد کے لاکھوں
مارا ہے مجھے اور ندامت نہیں تم کو

جھونکے ہی سے اٹھ جاے یہ نقابِ رخِ زیبا
کیا شوق کی اتنی بھی رعایت نہیں تم کو

کچھ غیر نہیں ہم کہ بگڑ جائیں جفا سے
اظہارِ مراعات کی حاجت نہیں تم کو

ڈرتے نہیں رسوائی عشق سے بھی حسرت
دنیا میں تو پھر اب کے ملامت نہیں ہم کو

وہ اب یہ کہتے ہیں دیکھا کسے ستاتے ہو — مجھ کو یہ ہے جو نظر آرزوئے محبت کو
نالاں کہ ہم چاہتے ہو دل سے ... — کیوں نہ ہو ... دشمن اہل تمنا کیوں ہو

قابو میں نہیں ہے دل شیدائے مدینہ — کب دیکھئے برآئے تمنائے مدینہ
... [illegible] ... — ہر ذرہ آباد کی صحرائے مدینہ
بخود ہی عشق حقیقی کا شناسا — ہر رنگ ہے ... لالۂ مدینہ
آتی ہے جو ہر سمت یہاں انس کی خوشبو — دنیا کے محبت ہے کہ دنیائے مدینہ
ہے شام اثر ... احمد کی سیاہی — نور خدا صبح دلآرائے مدینہ
... [illegible] ... — پی ساغر دل سے مئے مینائے مدینہ
... حسرت کہ ہے ...
فرمائش ... مدینہ

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے — وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد — ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
ترے ستم سے ہیں خوش ہم کہ غالباً یوں بھی — مجھے وہ شامل ارباب امتیاز کرے
غم جہاں سے جسے ہو فراغ کی خواہش — وہ ان کے درد محبت سے ساز باز کرے
امیدوار ہیں ہر سمت عاشقوں کے گروہ — تری نگاہ کو اللہ دل نواز کرے

تیرے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت
اب آگے تیری خوشی ہے سرفراز کرے

لایا ہے دل پہ کتنی خرابی — اے یار تیرا حسن شرابی
پیراہن اس کا ہے سادہ رنگیں — یا عکس مے سے شیشہ گلابی
عشرت کی شب کا وہ دور آخر (ق) — نور سحر کی وہ لاجوابی
پھرتی ہے اب تک دل کی نظر میں — کیفیت ان کی وہ نیم خوابی 70
بزم طرب ہی وہ بزم کیوں ہو — ہم غمزدوں کو واں باریابی
اس نازنیں نے باوصف عصمت (ق) — کی وصل کی شب وہ بے حجابی
شوق اپنی بھولا گستاخ دستی — دل ساری شوخی حاضر جوابی
وہ روئے زیبا ہے جان خوبی — ہیں وصف جس کے سارے کتابی

اس قید غم پر قربان حسرت
عالی جنابی گردوں رکابی

اور تو پاس مرے ہجر میں کیا رکھا ہے — اک ترے درد کو پہلو میں چھپا رکھا ہے
دل ارباب وفا کا ہے بھلانا مشکل — ہم نے ان کے تغافل کو سنا رکھا ہے 71
تم نے بال اپنے جو پھولوں میں بسا رکھے ہیں — شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے
سخت بے درد ہے تاثیر محبت کہ انہیں — بستر ناز پہ سونے سے جگا رکھا ہے
آہ وہ یاد کہ اس یاد کو ہو کر مجبور — دل مایوس نے مدت سے بھلا رکھا ہے
کیا تامل ہے مرے قتل میں اے بازوئے یار — ایک ہی وار میں سر تن سے جدا رکھا ہے
حسن کو جور سے بیگانہ نہ سمجھو کہ اسے — یہ سبق عشق نے پہلے ہی پڑھا رکھا ہے

یتری نسبت سے ستمگر ترے مایوسوں نے | داغِ حرماں کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے
72 کہتے ہیں اہلِ جہاں دردِ محبت جس کو | نام اسی کا دلِ مضطر نے دوا رکھا ہے
نگہِ یار سے پیکانِ قضا کا مشتاق | دلِ مجبور نشانے پہ کھلا رکھا ہے

اس کا انجام بھی کچھ سوچ لیا ہے حسرت
تو نے ربط ان سے جو اس درجہ بڑھا رکھا ہے

دل کو تری دزدیدہ نظر لے کے گئی ہے | اب یہ نہیں معلوم کدھر لے کے گئی ہے
ہمسایۂ غم سے اثر دہ نہ آئے گی محبت | آئینِ وفا مدِ نظر لے کے گئی ہے
73 جب سے یہ لے گئی ہے میں تا کوئے ملامت | مجبوریٔ دل خاک بسر لے کے گئی ہے
پہلے ہی سے مایوس نہ کیوں ہو کہ دعا کو | قسمت مری محرومِ اثر لے کے گئی ہے
اللہ رے کافر ترے [illegible] حسن کی مستی | جو زلف تری تا بہ کمر لے کے گئی ہے

مغموم نہ ہو خاطرِ حسرت کہ تا لک تک
پیغام ترا بادِ سحر لے کے گئی ہے

[illegible] | نشانِ شانِ رحمت بن گیا داغِ سیہ کاری
74 ستم ہم [illegible] ناچاری | [illegible] محبت میں رواداری
وفا پیشہ [illegible] کہ مرے دل کی [illegible] | بہت مشکل ہے اے اہلِ ہوس [illegible] کی خریداری
[illegible] اب نامیاں [illegible] | نہ چھوٹی ہم سے لیکن کوئے جاناں کی ہواداری
[illegible] | [illegible] تجھے اے شوق آتی ہے نہ بیماری
نہیں [illegible] دامن کا گریباں [illegible] | نہ اٹھے [illegible] دستِ جنوں رنجیدہ کاری
[illegible] مرتے دم تک ساتھ [illegible] محبت کا | قسم کھانے کے قابل ہے تری غم کی وفاداری

نہ ان کو رحم آتا ہے نہ مجھ سے صبر ہے ممکن — کہیں آسان ہو یارب محبت کی یہ دشواری
وفورِ اشکِ پیہم سے ہجومِ شوقِ بے حد میں — مری آنکھوں سے ہے اک آبشارِ آرزو جاری
غضب رنگینیاں تھیں شیوہ ہائے ابتدائی کی — ہوئی ہے جس سے دامانِ محبت پر یہ گلکاری
نہیں کھلتی مری نسبت تری حیلہ جو مرضی — کبھی اقرارِ دلجوئی نہ انکارِ ستمگاری
نہ کر اتنا ستم ہم دردمندوں پر کہ دنیا سے — مبادا اک قلم اٹھ جائے تہذیبِ وفاداری
رواں ہے قافلہ سوئے عدم اربابِ محنت کا — گیا پہلے ہی دل، اب جانِ محزوں کی ہے تیاری
خوشی سے ختم کر لے سختیاں قیدِ فرنگ اپنی — کہ ہم آزاد ہیں بیگانۂ رنجِ دل آزاری
نہ دیکھے اور دا عشاق پر پھر بھی نظر رکھے — قیامت ہے نگاہِ یار کا حسنِ خبرداری
یہی عالم رہا گر اسکے حسنِ سحر پرور کا — تو باقی رہ چکی دنیا میں راہ و رسمِ ہشیاری
وہ جرمِ آرزو پر جس قدر چاہیں سزا دے لیں — مجھے خود خواہشِ تعزیر ہے ملزم ہوں اقراری
چلا برسات کا موسم نہ چھوٹے قیدِ غم سے ہم — بڑی بے لطفیوں میں اب کی گزرا وقتِ میخواری

نسیم دہلوی کو وجد ہے فردوس میں حسرت
تبارک اللہ تیری شاعری ہے یا فسوں کاری

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی — اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی
جو چاہو سزا دے لو تم اور بھی کھل کھیلو — پر ہم سے قسم لے لو کی ہو جو شکایت بھی
دشوار ہے رندوں پر انکارِ کرم یکسر — اے ساقیِ جاں پرور کچھ لطف و عنایت بھی
دل بسکہ ہے دیوانہ اس حسنِ گلابی کا — رنگیں ہے اسی رو سے شاید غمِ فرقت بھی
خود عشق کی گستاخی سب تجھ کو سکھا دے گی — اے حسنِ حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی
برسات کے آتے ہی توبہ نہ رہی باقی — بادل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی

عشاق کے دل نازک اس شوخ کی خو نازک
نازک اسی نسبت سے ہے کارِ محبت بھی

رکھتے ہیں مرے دل پہ کیوں تہمتِ بیتابی
یاں نالۂ مضطر کی جب مجھ میں ہو قوت بھی

اے شوق کی بے باکی وہ کیا تری خواہش تھی
جس پر انہیں غصہ ہے انکار بھی حیرت بھی

ہر چند ہے دل شیدا حریتِ کامل کا
منظورِ دعا لیکن ہے قیدِ محبت بھی

ہیں شاد و صفی شاعر یا شوق و وفا حسرت
پھر ضامن و محشر ہیں اقبال بھی وحشت بھی

آنکھوں کو انتظار سے گردیدہ کر چلے
تم یہ تو خوب کارِ پسندیدہ کر چلے

مایوس دل کو پھر سے وہ شوریدہ کر چلے
بیدار سارے فتنۂ خوابیدہ کر چلے

اظہارِ التفات کے پردے میں اور بھی
وہ عقدہ ہائے شوق کو پیچیدہ کر چلے

ہم بے خودی سے چھپ نہ سکا رازِ آرزو
سب ان سے عرضِ حال دل و دیدہ کر چلے

براہِ غیر آ کے اڑائی مری ہنسی
خوب آپ خاطرِ دلِ رنجیدہ کر چلے

تسکینِ اضطراب کو آئے تھے وہ مگر
بیتابیوں کی روح کو بالیدہ کر چلے

اہلِ نظر کو بے خبرِ دو جہاں کیا
ایسی کچھ اک نگاہ وہ دزدیدہ کر چلے

تھا عشقِ یار بھی کوئی گنجینۂ مراد
ویران دل میں ہم جسے پوشیدہ کر چلے

یہ طرفہ ماجرا ہے کہ حسرت سے مل کے وہ
کچھ جان و دل کو اور بھی شوریدہ کر چلے

اربابِ اشتیاق سے پروا نہ چاہیے
اے حسنِ خود نما تجھے ایسا نہ چاہیے

ان کا ستم بھی عینِ کرم ہے خوشا کہ
اس کا مگر عوام میں چرچا نہ چاہیے

کچھ حد سے بڑھ چلی ہیں تری کج ادائیاں
اس درجہ اعتبارِ تمنا نہ چاہیے

جو دیکھتے ہوں دیکھنے والوں کا دیکھنا ایسوں کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیے
اتنی سی شے کا تم سے تقاضا کریں گے کون دل لے کے ہم سے آنکھ چرانا نہ چاہیے
اخفائے عشق مدنظر ہو تو حسن سے اظہار آرزو میں محابا نہ چاہیے
حسرت کی طرح اور بھی مشتاق ہیں بہت
اس حسن بے مثال کو چھپنا نہ چاہیے

روش حسنِ مراعات چلی جاتی ہے ہم سے اور ان سے وہی بات چلی جاتی ہے
اس جفاجو سے بایمائے تمنا اب تک ہوسِ لطف و عنایت چلی جاتی ہے
78 مل ہی جاتے ہیں پشیمانی غم کے اسباب شوق حرماں کی مدارات چلی جاتی ہے
کچھ رہی تھی ہوسِ مے سو تغافل سے ترے وہ بھی اے پیرِ خرابات چلی جاتی ہے
ہم سے ہر چند وہ ظاہر میں خفا ہیں لیکن کوششِ پرسشِ حالات چلی جاتی ہے
دن کو ہم ان سے بگڑتے ہیں وہ شب کو ہم سے رسم پابندیٔ اوقات چلی جاتی ہے
اس ستم گر کو ستم گر نہیں کہتے بنتا سعی تاویل خیالات چلی جاتی ہے
نگہِ یار سے پا لیتے ہیں دل کی باتیں شہرتِ کشف و کرامات چلی جاتی ہے
حیرتِ حسن نے مجبور کیا ہے حسرت
وصلِ جاناں کی یونہیں رات چلی جاتی ہے

79 توڑ کر عہد کرم ناآشنا ہو جائیے بندہ پرور جائیے اچھا خفا ہو جائیے
میرے عذرِ جرم پر مطلق نہ کیجے التفات بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جائیے
خاطرِ محروم کو کر دیجیے محوِ الم درپئے ایذائے جاں مبتلا ہو جائیے
راہ میں ملیے کبھی مجھ سے تو از راہِ ستم ہونٹ اپنا کاٹ کر فوراً جدا ہو جائیے

گر نگاہِ شوق کو محوِ تماشہ دیکھئے — قہر کی نظروں سے مصروفِ سزا ہو جائیے

میری تحریرِ ندامت کا نہ دیجئے کچھ جواب — دیکھ لیجئے اور تغافل آشنا ہو جائیے

مجھ سے تنہائی میں گر ملیے تو دیجئے گالیاں — اور بزمِ غیر میں جانِ حیا ہو جائیے

ہاں یہی میری وفائے بے اثر کی ہے سزا — آپ کچھ اس سے بھی بڑھ کر پُر جفا ہو جائیے

جی میں آتا ہے کہ اس شوخِ تغافل کیش سے (ق) — اب نہ ملیے پھر کبھی اور بے وفا ہو جائیے

دل میں یادِ روزگارِ عاشقی دیجئے نکال — آرزوئے شوق سے نا آشنا ہو جائیے

کاوشِ دردِ جگر کی لذتوں کو بھول کر — مائلِ آرام و مشتاقِ شفا ہو جائیے

ایک بھی ارماں نہ رہ جائے دلِ مایوس میں — یعنی آخر بے نیازِ مدعا ہو جائیے

بھول کر بھی اس ستم پرور کی پھر آئے نہ یاد — اس قدر بیگانۂ عہدِ وفا ہو جائیے

ہائے ری بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر — اس سراپا ناز سے کیوں کر خفا ہو جائیے

چاہتا ہے مجھ کو تو بھولے نہ بھولوں میں تجھے — تیرے اس طرزِ تغافل کے فدا ہو جائیے

کشمکش ہائے الم سے اب یہ حسرت جی میں ہے
چھٹ کے ان جھگڑوں سے مہمانِ قضا ہو جائیے

اثر تیرے تغافل کا رقیبِ کامراں تک ہے — وجہِ رشک یعنی اضطرابِ بدگماں تک ہے

ابھی دیکھی نہیں گستاخیاں جوشِ تمنا کی — تمہاری کم نگاہی التماسِ بے زباں تک ہے

چمن میں دورِ فصلِ گل ہے لیکن وائے محرومی — قیامِ بلبلِ مجبور رحمِ باغباں تک ہے

دلِ بیتاب کی بیباکیاں ان سے یہ کہتی ہیں — ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپکی شوخی کہاں تک ہے

مری مجبوریاں مشقِ جفا سے باز رکھیں گی — ترا شوقِ ستم ظالم خیالِ امتحاں تک ہے

سکھا دے گی ندامت شیوۂ قدرِ وفا ان کو — یہ شانِ کج ادائی میری جانِ ناتواں تک ہے

مجھے طوافِ حرم کی آرزو کیوں ہو گذر میرا
سرِ کوئے بتاں تک ہے درِ پیرِ مغاں تک ہے

وہی جورِ خزاں ہوگا وہی ہم درمیاں ہونگی
نشاطِ بلبلِ بیدل بہارِ بوستاں تک ہے

ہماری داستانِ بے قراری بھی سنا دیجو
گذر تیرا تو اے بادِ صبا ان کے محل تک ہے

کہاں سے آتش کی نیرنگیاں ترکیب مومن کی
یہ لطفِ خوش بیانی حسرتِ رنگیں بیاں تک ہے

ترا ناز بھول بیٹھا مری سب نیاز مندی
بغرورِ دلربائی بہ یقینِ دل پسندی

نہ ہے اختیار تجھ پہ نہ ہے اعتبار دل پر
ترے عاشقوں کا دیکھے کوئی رنگ مستمندی

مجھے شکوۂ جفا کی نہیں آنے پائی نوبت
وہ ستم بھی گر کرے ہے تو بلطفِ ہوشمندی

تری بزمِ ناز عالم ہے عجب طلسمِ حیرت
کہ جہاں ہے میرے دل کو سرِ خدمت پسندی

غمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی مرے شوق کی بلندی

تھی راحتِ حیرت کی کس درجہ فراوانی
میں نے غمِ ہستی کی صورت بھی نہ پہچانی

اک میں ہوں سو کیا میں ہوں محرومِ فراغت ہونا
اک دل ہے سو کیا دل ہے مجبورِ پریشانی

کس درجہ پشیماں ہے تاثیرِ وفا میری
اس شوخ پہ آتا ہے الزامِ پشیمانی

دیکھ اے ستمِ جاناں یہ نقشِ محبت میں
بنتے ہیں بدشواری مٹتے ہیں بہ آسانی

میں اس بتِ بدخو کی اس آن پہ مرتا ہوں
کھینچا نہ کبھی اس نے اندوہِ پشیمانی

یاں صبر میں ہے پنہاں کیفیتِ بیتابی
واں لطف سے پیدا ہے اندازِ ستم رانی

قائم ہے ترے دم سے طرزِ سخن قائم
پھر ورنہ کہاں حسرت یہ رنگِ غزل ترانی

سن چکے شکوے ہا لب خاطرِ ناشاد کے — ہم کو خو کر ہیں سپاس لذتِ بیداد کے
اک ذرا اس شوخ کی محشر خرامی دیکھو — دل ہیں ہنگامے بپا ہیں سوزشِ فریاد کے
دیکھ کر یہ عالم مری بے تابیٔ خاموشی کا — اڑ گئے ہوش انکی تمکینِ ستم ایجاد کے
ضبطِ رازِ عشق نے رخصت نہ دی فریاد کی — آ کے لب تک رہ گئے شکوے تری بیداد کے
ننگ نامِ شوق تھی پابندیٔ سود و زیاں — لاابالی مشغلے ہیں عاشقِ آزاد کے
رفتہ رفتہ مٹ رہی سب تیرہ بیدادیاں — رنگ ہیں بوئے وفا ہیں نکہتِ برباد کے

مرحبا حسرت بنا خوب اندازِ نسیم
لطف ہر ہر شعر میں بندش استاد کے

مے نوشیوں میں یہ نبردِ جہاں رہے — ہم خوش رہے کہ بندہ پیرِ مغاں رہے
اس بے وفا کے ترکِ دفا کے گمان تک — محروم ہم کو مائل ضبطِ فغاں رہے
اے ولولۂ آرزوئے عنادل کی سادگی — ممکن نہیں کہ جلوۂ گل جاوداں رہے
یا رب ہمارے بعد بھی بزمِ شراب میں — ساقی کے دم سے دورِ مئے ارغواں رہے
یہ مقتضائے رابطۂ حسن و عشق تھا — ہم بدگماں ادھر ادھر وہ بدگماں رہے
ہنگامۂ بہار کا دیکھا کبھی نہ رنگ — ہم آتے کہ مبتلائے بلائے خزاں رہے
رنجِ شبِ فراق کی مٹ جائیں سختیاں — وہ بھی اگر خیال میں تا اُدھر یاں رہے
محرومیٔ وفا سے نہ آیا یقینِ لطف — وہ مہرباں ہوئے بھی تو ہم بدگماں رہے
ان سے شبِ وصال بھی کھل کر نہ ہم ملے — تا صبح شکوہ ہائے جفا درمیاں رہے
دلچسپ کس قدر تھا مرا قصۂ وفا — جب تک ہوا بیان وہ محوِ بیاں رہے
رہنا تھا ان کا ہو کے رہے جو عزیزِ خلق — ہم کیا رہے کہ طبعِ جہاں پر گراں رہے

خاموشیوں پہ میری کہ حیرت نصیب تھیں — اس پہ جفا کو صبر و سکوں کے گماں رہے

حسرت رواروی میں بھی اتنا رہے خیال
اشعار میں نسیم کا رنگِ بیاں رہے

اس نازنیں سے ہم کو جتنے گزند پہنچے — سب دل پذیر پہنچے سب دلپسند پہنچے
عالم ہی اب نہیں وہ تفریحِ بے خلل کا — محفل میں تیری ناحق ہم دردمند پہنچے
85 دل پر گزر گئی کچھ لب تک جبھی تو آخر — آہیں بھی چند پہنچے، نالے بھی چند پہنچے
بیتابیوں نے آخر دعوے صبر توڑا — پہنچے لبوں پہ نالے گو بند بند پہنچے
کس کو نہیں تمنا اس بزمِ جانفزا کی — نزدیک ہے کہ دل بھی ہو کر سپند پہنچے

باوصفِ نارسائی نالے بیاس حسرت
نالے ہمارے پہنچے اور کہ بلند پہنچے

یاد ہیں سارے وہ عیشِ فراغت کے مزے — دل ابھی بھولا نہیں آغازِ الفت کے مزے
وہ سراپا ناز تھا بیگانۂ رسمِ جفا — اور مجھے حاصل تھے لطفِ بے نہایت کے مزے
86 حسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے — اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے
میری جانب سے نگاہِ شوق کی گستاخیاں — یار کی جانب سے آغازِ شرارت کے مزے
یاد ہیں وہ حسن و الفت کی نرالی شوخیاں — التماسِ عذر و تمہیدِ شکایت کے مزے
صحبتیں لاکھوں مری بیماریٔ غم پر نثار — جس میں اٹھے بارہا ان کی عیادت کے مزے

میں ہوں مجبور دل ہے سودائی — رخصت اے صبر اے شکیبائی
87 حسن کو ہے سرِ خود آرائی — مژدہ اے آرزوئے شیدائی
نظر افروز اہلِ بینش ہے — تیری پنہانیوں میں پیدائی

تحقیق ہے جلوۂ رخِ یار — متحیر ہے تشخصِ بینائی
ہے وہ رنگیں ادا بشانِ وفا — جانِ محبوبی و دلآرائی
مذہبِ عاشقی میں ہے اے عقل — بے خودی انتہائے دانائی
اثرِ حسنِ یار سے آخر — آگئی عشق میں بھی رعنائی
عشقِ کامل کے دونوں ہیں رُخ — سحرِ وصل و شامِ تنہائی

بندۂ بندگانِ حضرتِ عشق
حسرتؔ سرفرازِ رسوائی

خیالِ یار میں بھی رنگِ دلجوئے یار پیدا ہے — یہ رنگینی ابتدائے عشقِ شیریں کار پیدا ہے
ترے روئے دلآرا کے تصور کا یہ عالم تھا — کہ چشمِ شوق میں اک حسن کا گلزار پیدا ہے
مرے اصرارِ مضطر میں نہاں تھی مری مایوسی — ترے اقرارِ آساں سے ترا انکار پیدا ہے
طریقِ عشقِ جاناں سے جدا گبر و مسلماں کا — یہیں سے اختلافِ سبحہ و زنار پیدا ہے
نگاہِ آرزو گل چینِ باغِ کامرانی ہے — بشانِ خوابِ مشکل طالعِ بیدار پیدا ہے
وفا میری بہ شکلِ بے زبانی آشکارا تھی — ستم تیرا برنگِ پرسشِ اغیار پیدا ہے

نسیمِ دہلوی کی پیروی آساں نہیں حسرتؔ
تجھی سے ہے کہ یہ رنگینیِ گفتار پیدا ہے

رسمِ جفا کامیاب دیکھئے کب تک رہے — حُبِّ وطن مستِ خواب دیکھئے کب تک رہے
دل پہ رہا مدتوں غلبۂ یاس و ہراس — قبضۂ حزم و حجاب دیکھئے کب تک رہے
تا بہ کجا ہوں دراز سلسلہ ہائے فریب (ق) — ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھئے کب تک رہے
پردۂ اصلاح میں کوششِ تخریب کا — خلقِ خدا پر عذاب دیکھئے کب تک رہے

نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم — جبر بزیرِ نقاب دیکھئے کب تک رہے
دولتِ ہندوستان قبضۂ اغیار میں — بے عدد و بے حساب دیکھئے کب تک رہے
ہے تو کچھ اکھڑا ہوا بزمِ حریفاں کا رنگ — اب یہ شراب و کباب دیکھئے کب تک رہے

حسرتِ آزاد پر جورِ غلامانِ وقت
از رہِ بغض و عتاب دیکھئے کب تک رہے

اے گریۂ محرومی تو جانِ محبت ہے — تو جانِ محبت ہے ایمانِ محبت ہے
ہر چند کہ بیتابی ہے لازمۂ محنت — ہم چپ ہیں کہ ایسا ہی فرمانِ محبت ہے
ہوں دولت و حشمت پر اربابِ ہوس نازاں — یاں بے سر و سامانی سامانِ محبت ہے
مجبوری و حیرانی غماز کی تھیں باتیں — بے خویشی و بے جانی پایانِ محبت ہے
درخورد شکایت تھی بیداد تری لیکن — منظوری و خاموشی شایانِ محبت ہے

بیگانۂ آرائش مستغنیٔ آسائش
اے بے خبری حسرتؔ ویرانِ محبت ہے

کثرتِ مے التفات آموزِ مے نوشی نہ تھی — ورنہ خمخانے میں ساقی مجھ کو بیہوشی نہ تھی
رحم بہتر تھا بصورت سزاوارِ تمنا — مدح میری بربنائے مصلحت کوشی نہ تھی
کیا ہوئے وہ دن کہ اربابِ نظر کی آنکھ سے — اس سراپا ناز کو پروائے روپوشی نہ تھی
تھا حجاب ان کا مری حیرت سے سرگرمِ کلام — تھی بظاہر خاموشی در پردہ خاموشی نہ تھی

ظلمِ عصیاں سے مٹا حسرتؔ نہ داغِ عشقِ یار
اور یہ کیا تھا اگر اس کی خطا پوشی نہ تھی

عرضِ کرم پہ ترکِ جفا بھی نہ کیجئے — ایسا نہ ہو کہ آپ ملا بھی نہ کیجئے

اس بے وفا سے مصلحت شوق ہے یہی — اپنی ستم کشی کا گلا بھی نہ کیجئے
پھر کہئے کس امید پہ ہم زندگی کریں — جب آپ التفات ذرا بھی نہ کیجئے
منظور ہے جو ترک محبت ہی آپ کو — ہم پر ہجوم ناز و ادا بھی نہ کیجئے

حسرت یہ کیا ستم ہے کہ اک بت کے عشق میں
تو چاہتا ہے یاد خدا بھی نہ کیجئے

برق کو ابر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے — ہم نے اس شوخ کو مجبور حیا دیکھا ہے
یاد بھی دل کو نہیں صبر و سکوں کی صورت — جب سے اس ساعد سیمیں کو کھلا دیکھا ہے
پھر اسی لطف ستم کوش کا مشتاق ہے دل — ہم نے جس لطف کو ہر رنگ جفا دیکھا ہے
تجھ میں کچھ بات ہے ایسی جو کسی میں نہ ملی — یوں تو اوروں سے بھی دل ہمنے لگا دیکھا ہے

دل بیتاب جو قابو میں نہیں ہے حسرت
نگہ شوق نے کیا جانئے دیکھا ہے

محبوبی و رنگینی ہیں جزو بدن تیری — سرشار محبت ہے خوشبوئے دہن تیری
مجبور وفا کر کے محروم کرم کرنا — بھولیں گی نہ یہ باتیں اے عہد شکن تیری
باطن میں وہ بے مہری ظاہر میں یہ دلجوئی — ہم خوب سمجھتے ہیں ترکیب سخن تیری
غارت گر تمکیں ہے آشوب دل و دیں ہے — یہ طرز نکو تر یہ وضع حسن تیری
جو ہم سے چھپائی تھیں ہمکو نہ بتائی تھیں — روشن ہیں وہ سب ہم پر باتیں پُرفن تیری
اب رونے سے کیا ہوگا پروانہ ہے بے پروا — برباد ہے سب محنت اے شمع لگن تیری
اس شاہد رعنا کے اکرام اقامت سے — تقدیر چمک اٹھی اے ملک دکن تیری

تنہائی غربت سے مغموم نہ ہو حسرتؔ
کب تک نہ خبر لیں گے یارانِ وطن تیری

95 ظاہر ملال رشک و رقابت نہ کیجیے — بہتر یہی ہے ان سے شکایت نہ کیجیے
یا جوشِ اضطراب کو ملزم نہ جانیے — یا دل کو آشنائے محبت نہ کیجیے
ملنے نہ پائیں رنجشِ باہم کی لذتیں — رفعِ ملال و دفعِ کدورت نہ کیجیے
حائل سب وصال ہے کیوں پردۂ حجاب — اب اس کو درمیان سے رخصت نہ کیجیے
فوزِ عظیم عشق و جنوں کو سزا ہے — پروائے اہلِ پند و ملامت نہ کیجیے
واقف ہیں خوب آپ کی طرزِ جفا سے ہم — اظہارِ التفات کی زحمت نہ کیجیے
آئینِ دلنوازی و احسان کو دیکھیے — ہم بے دلوں پہ جور کی شدت نہ کیجیے
میں ہوں گناہ گار تو دیجیے سزا مگر — اس درجہ میرے حال سے غفلت نہ کیجیے
مجبوریوں کو صبر سے مانا نہ جانیے — اندازۂ سکونِ طبیعت نہ کیجیے

عذرِ ستم ضرور نہ تھا آپ کے لیے
حسرتؔ کو شرمسارِ ندامت نہ کیجیے

ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے — محبت میں بتائے ضبطِ غم ایسا بھی ہوتا ہے
بھلا دیتی ہیں سب رنج و الم حیرانیاں میری — تری تمکینِ بےحد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے
96 جفائے یار کے شکوے نہ کر اے رنجِ ناکامی — امید و یاس دونوں ہوں بہم ایسا بھی ہوتا ہے
مرے پاسِ وفا کی بدگمانی ہے بجا تم سے — کہیں بے وجہ اظہارِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
تری دلداریوں سے صورتِ بیگانگی نکلی — خوشی ایسی بھی ہوتی ہے الم ایسا بھی ہوتا ہے
وفا صبر کھویا گریہ ہائے بے قراری نے — کہیں بے اعتبارِ چشمِ نم ایسا بھی ہوتا ہے

بد عواے وفا کیوں شکوہ سنجِ جور ہے حسرتؔ
دیارِ شوق میں اے محوِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

کون اس نگہِ ناز کے قابو میں نہیں ہے
پھر دل کی خطا کیا ہے جو پہلو میں نہیں ہے

دلہاے پریشاں کی ہے رونق ترے غم سے
اس نور کی جا خاطرِ یکسو میں نہیں ہے

تاثیر ہے اس جلوۂ یکتا کی نمایاں
رنگینیٔ خونناب بہ آنسو میں نہیں ہے

حیف اس قدمِ شوق کی بے راہ روی پر
جو اس گلِ رعنا کی تگاپو میں نہیں ہے

دیکھا تھا اسے کس نگہِ ہوش ربا نے
اب تک دلِ بیتاب جو قابو میں نہیں ہے

رعنائی و زیبائی و محبوبی و خوبی
کیا بات ہے جو اسقدرِ دلجو میں نہیں ہے

آجائے جو اندازِ ادا یاب نظر میں
ایسی تو صفا اس رخِ نیکو میں نہیں ہے

ہے کون سی ایسی وہ ادا دل شکری کی
پنہاں جو ترے گوشۂ ابرو میں نہیں ہے

پھر اور کہاں ہے دلِ گم گشتہ حسرتؔ
آخر جو ترے طرۂ گیسو میں نہیں ہے

نہ ایسی شورشِ غم کس دلِ مضطر میں ہے
جس سے جنبش بحر میں کہ آسماں چکر میں ہے

اسقدر تاکید کیوں ترکِ مے و ساغر میں ہے
محتسب خود بھی تو فکرِ جنت و کوثر میں ہے

جلوہ فرما ہے جو وہ حسنِ خود آرا بے نقاب
اک قیامت اندرونِ پردۂ محشر میں ہے

منعموں کی ہم غریبوں پر نظر پڑتی ہے یوں
گویا سررشتہ تقدیر بدستِ زر میں ہے

خاطرِ مایوس میں پوشیدہ ہے سب رازِ عشق
کچھ سرِ پرشور میں کچھ اور چشمِ تر میں ہے

میرے غمخانے میں تاریکی ہے رنگِ یاس کی
جو نمایاں ہر طرف دیوار میں ہے در میں ہے

عارفوں کی روح بھی جس کے لئے ہے بے قرار
ایسی کیا شے ہے وہ ساقی جو ترے ساغر میں ہے

دام اس میں لب بے خطا اسمیں قفس سے بے قصور
شوقِ پابندی نہاں خود گیر بال و پر میں ہے

خوب ہے یہ پرسشِ پنہاں یہ لطفِ گاہ گاہ
بات جو کمتر سے پیدا ہے وہ کب اکثر میں ہے

احترازِ روحِ بلبل ہے بفصلِ نو بہار
جو عیاں ہر سمت شکلِ جنبشِ صرصر میں ہے

دل میں دیکھو میرے تفسیرِ کتابِ حسن و عشق
بند اک نکتے میں ہے جو کچھ اس دفتر میں ہے

بزمِ دشمن میں ہمارا بیٹھنا ہے ناگوار
ہم پہ سب روشن ہے جو کچھ آپ کے تیور میں ہے

تجھ کو ناصح کیا خبر شورِ جنوں کیا چیز ہے ۹۹
دل میں کبھی تیرے نہیں ہے وہ جو میرے سر میں ہے

کس قدر بے باک ہے در پردہ کیسی بے حجاب
وہ نظرِ پنہاں جو اس چشمِ حیا پرور میں ہے

ڈھونڈھتا کیا ہے دیارِ حسن میں اے حسِ عشق
بے خبر جنسِ وفا ناپید اس کشور میں ہے

مرحبا حسرت بنائی خوب تصویرِ سخن
رنگِ مومن خوشنما کس درجہ اس پیکر میں ہے

قبضۂ تیغِ عرب کا سودا دشمنوں کے سر میں ہے
اب تو انصاف اس ستم کا دستِ پیغمبر میں ہے

جورِ یورپ سے بنا بیدارئ اسلام کی
خیر ہے دراصل یہ باآنکہ شکلِ شر میں ہے

خاطرِ افسردہ میں باقی ہے اب تک یادِ عشق ۱۰۰
گرمئ آتش ہنوز اس مشتِ خاکستر میں ہے

قلتِ افواجِ ترکی پہ نہ ہو اتنی دلیر
ایک ہے سو کے لئے کافی جو اس لشکر میں ہے

اب خدا ہے تو حسرت جلد ہوتا ہے بلند
رایتِ حریت و حق جو کفِ انور میں ہے

دل کی جو ترکِ عشق سے حالت بدل گئی ۱۰۱
وہ بے خودی و فرحی بے خلل گئی

تجھ کو فلک نے مجھ سے چھڑایا تو کیا ہوا
کیا تیری یاد بھی مرے دل سے نکل گئی

آہ اس سے نارسا ہی جو رہتی تو خوب تھا
کیوں اس حریمِ عیش میں یوں بے محل گئی

سودا ہی وہ نہیں ہے جو سر سے چلا گیا
حسرت ہی وہ نہیں ہے جو دل سے نکل گئی

اب دل ہے اور فراغِ محبت کی راحتیں
تشویشِ زندگانی و فکرِ اجل گئی

آہ اس نگاہِ مست کی شوخی جو بے خبر
خوبی پہ روئے یار کے پہلے پہل گئی

رنگینیوں کی جان ہے وہ پائے نازنین
میری نگاہِ شوق جہاں سر کے بل گئی

اچھا ہے گوشہ گیرِ قناعت ہوئے جو ہم
تکلیفِ ہمنشینیِ اہلِ دول گئی!

حسرت یہ دورِ جہل ہے دولت کو ہے فروغ
اب ہم سے قدردانیِ علم و عمل گئی

دلِ مایوس کو سرچشمۂ صدق و صفا کر دے
گدازِ غم اگر چاہے تو مجھ کو باخدا کر دے

عطا ہو اس وفا دشمن کو توفیقِ کرم یارب
نہیں تو پھر مجھی کو بے نیازِ مدعا کر دے

تقاضا کر رہا ہے اب یہ حسنِ تازہ کار ان کا
کہ جس نے دل دیا تھا جان بھی ہم پر فدا کر دے

اثر ایسا کہاں سے لاؤں یارب نالۂ دل میں
جو اس بے مہر کو بھی رازِ غم سے آشنا کر دے

گماں گزرے گا حرفِ آرزو کا ان پہ ناحق کا
نگاہِ شوق اس مفہومِ رنگیں کو ادا کر دے

ہٹا جاتا ہے نورِ عشق پر دورِ ہوس غالب
الٰہی اصلِ حق سے لوثِ باطل کو جدا کر دے

غرورِ حسن کی تاثیر سے ڈر ہے مجھے حسرت
کہیں ایسا نہ ہو یہ عشق کو بھی خود نما کر دے

مر کے ہم خاکِ راہِ یار ہوئے
سرمۂ چشمِ اعتبار ہوئے

فکرِ کونین سے نجات ملی
قیدیِ عشق رستگار ہوئے

صیدِ غم تک ہے زندگی اپنی
مر مٹیں گے جو بے قرار ہوئے

اب نہ وہ شوق ہے نہ جوش و خروش
سب تری یاد پر نثار ہوئے

میری محرومیوں کی حد نہ رہی
ترے احسان بے شمار ہوئے

نہ ہوا کوئی سرفراز کمال
جب ہوئے تیرے خاکسار ہوئے

کیوں ہے بیکار جستجو حسرتؔ
وہ نہ ہوں گے نہ وہ دو چار ہوئے

تسکین ہو سکی نہ دلِ ناشکیب کی
سب ہم پہ کھل گئیں تری باتیں فریب کی

ہر وضع دل پسند ہے ہر رنگ دل پذیر
کیا بات ہے کسی کے تنِ جامہ زیب کی

حسنِ ذقن ہے روکشِ نورِ جبینِ یار ک ۱۰
ہے طرفہ ماجرا یہ بلندی نشیب کی

دل ہے ہلاک اس سخنِ جاں نواز کا!
جاں مبتلا ہے اس نگہِ دل فریب کی

یہ آج ہم سے جو چاہت جتائی جاتی ہے
عدو سے ملنے کی خفت مٹائی جاتی ہے

غضب ہیں آپ سے سرگوشیاں ندیموں کی
وہ بات کیا ہے جو ہم سے چھپائی جاتی ہے

وفورِ حسن سے ٹھہری بھی ہے جبیں پہ نظر
یہ مجھ پہ مفت میں تہمت لگائی جاتی ہے

جنونِ عشق کا اظہار ہو ہی جاتا ہے
اڑی تو پھر یہ خبر کب دبائی جاتی ہے

بڑی تھی بزمِ رقیباں میں ایسی کیا افتاد
کہ بات بھی نہیں تم سے بنائی جاتی ہے

بسی ہوئی ہے جو آنکھوں میں شوخیوں کی بہار
ادب سے شرم انہیں کیوں سکھائی جاتی ہے

نہ تجھ کو اس کی خبر ہے نہ خود انہیں ہے خیال
کچھ اس طرح سے محبت بڑھائی جاتی ہے

سفارش ان سے کرے کون جانِ پرغم کی
کہ یہ غریب ہے ناحق ستائی جاتی ہے

دو چار ہو نظرِ شوق اس سے کیا حسرتؔ
نگاہِ یار تو دل میں سمائی جاتی ہے

نظرِ یار سکوں بخش تمنا ہو جائے
التماسِ نگہِ شوق پذیرا ہو جائے

حسن ہو جس میں وہ ہر شے جلوہ گر اس دل میں ہے
جذبۂ صورت پرستی میرے آب و گِل میں ہے

بیخودی سے بڑھ کے آگے ہے فنا کا مرتبہ
رہرو راہِ محبت آخری منزل میں ہے

مائل عشق مجازی کیوں نہ ہوں اہل نظر
جلوۂ حق آشکارا صورت باطل میں ہے

دل میں کیا کیا ہوس دید بڑھائی نہ گئی
روبرو ان کے مگر آنکھ اٹھائی نہ گئی

ہم رضا شیوہ ہیں تاویل ستم خود کر لیں
کیا ہوا ان سے اگر بات بنائی نہ گئی

یہ بھی آداب محبت نے گوارا نہ کیا
ان کی تصویر بھی آنکھوں سے لگائی نہ گئی

آہ وہ آنکھ جو ہر سمت رہی صاعقہ پاش
وہ جو مجھ سے کسی عنوان ملائی نہ گئی

ہم سے پوچھا نہ گیا نام و نشاں بھی انکا
جستجو کی کوئی تمہید اٹھائی نہ گئی

دل کو تھا حوصلۂ عرضِ تمنا سو انہیں
سرگذشتِ شبِ ہجراں بھی سنائی نہ گئی

غم دوری نے کشاکش تو بہت کی لیکن
یاد ان کی دلِ حسرت سے بھلائی نہ گئی

جو وہ نظر بسر لطف عام ہو جائے
عجب نہیں کہ ہمارا بھی کام ہو جائے

شرابِ شوق کی قیمت ہے نقد جاں عزیز
اگر یہ باعثِ کیفِ دوام ہو جائے

رہین یاس رہیں اہل آرزو کب تک
کبھی تو آپ کا دربار عام ہو جائے

جو اور کچھ ہو تری دید کے سوا منظور
تو مجھ پہ خواہشِ جنت حرام ہو جائے

وہ دور ہی سے ہمیں دیکھ لیں یہی ہے بہت
مگر قبول ہمارا سلام ہو جائے

اگر وہ حسن دلآرا کبھی ہو جلوہ فروش
فروغ نور میں گم طرف بام ہو جائے

سنا ہے بر سرِ بخشش ہے آج پیر مغاں
ہمیں بھی کاش عطا کوئی جام ہو جائے

نئے کرم پہ ہے موقوف کامرانی شوق
یہ ناتمام الٰہی تمام ہو جائے

ستم کے بعد کرم ہے جفا کے بعد عطا
ہمیں ہے بس جو یہی التزام ہو جائے

عطا ہو سوز وہ یارب جنونِ حسرت کو
کہ جس سے پختہ یہ سودائے خام ہو جائے

دلِ آرزوِ شوق کا اظہار نہ کر دے　　　ڈرتا ہے مگر یہ کہ وہ انکار نہ کر دے
ہشیار کہ اس پرسشِ پیہم کی نوازش　　　عشاقِ ستم کش کو ہوس کار نہ کر دے
راضی بہ رضا ہم ہیں بہر حال مگر ہاں　　　ڈر ہے کہ یہ خو تم ستم گار نہ کر دے
فرقت میں ہو کیا حال اگر گریۂ مضطر　　　جان و دلِ حیراں کو سبک بار نہ کر دے
ہم جور پرستوں پہ گماں ترکِ وفا کا　　　یہ وہم کہیں تجھ کو گنہگار نہ کر دے
سامانِ فراغت جو ترے پاس ہے اے دل　　　اک بار اسے نذرِ غمِ یار نہ کر دے
آگاہ نہیں ہیں جو ابھی ذوقِ ستم سے　　　بیتابیٔ دل ان کو خبردار نہ کر دے
ہونا ہے برا لذتِ آزار کا لپکا　　　مرنا بھی کہیں مجھ کو یہ دشوار نہ کر دے

کچھ حد بھی ہے اس شورشِ خاموش کی حسرت
یہ کشمکشِ غم تجھے بے کار نہ کر دے

دیوانِ حسرتؔ موہانی

حصۂ دوم

جس میں

مصنف کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو تذکرۃ الشعرا
علی گڑھ، نیز اردو زبان کے اکثر اخباروں اور رسالوں
میں چھپ کر مشہور ہو چکی ہیں۔

از ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء

مرتبہ:۔ مرحومہ بیگم حسرتؔ موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

شرف حاصل ہے اس جانِ جہاں سے مجھکو نسبت کا
غلامی کا سہی مگر ہو دسکتا ہو محبت کا

گروہِ عاشقاں میں جوش ہے شوقِ زیارت کا
ترے کوچے میں اک ہنگامہ برپا ہے محبت کا

گنہگارانِ امت سے ہے راضی داورِ محشر
کہ ان سے نام چمکے گا ترے حسنِ شفاعت کا

جبین و چشم و لب میں تیرے اک گنجینہ پنہاں ہے
صباحت کا ملاحت کا لطافت کا نظافت کا

دیارِ عاشقی میں گرم ہے بازارِ رسوائی
جدھر دیکھو ادھر اک ڈھیر ہے جنسِ ملامت کا

قیامت اک پنہاں ہے تیری آنکھوں میں شرارت کی
عبث دعویٰ ہے تیرے حسنِ خود بیں کو متانت کا

گنہگاروں کا بیڑا پار ہو جائیگا محشر میں!
جو آیا جوشِ غفاری میں دریا انکی رحمت کا

وہ چشمِ سرمہ سا اک کان ہے گویا ملامت کی
وہ روئے روشن اک گلزار ہے گویا صباحت کا

غضب تھی عشق کے جذبات گوناگوں کی رنگینی
دلِ حسرت بھی اک نیرنگ ہے رازِ محبت کا

رسالہ ترجمان لاہور — جون سنہ ۱۹۱۶ء

جفائے یار پر چھایا ہے اک عالم ندامت کا
یہی تھا مدعا میری تمنائے شہادت کا

وہ میرے قتل ہی کو آئیں لیکن سامنے آئیں
نتیجہ کچھ تو نکلے جذب و تاثیرِ محبت کا

میرے ہر فعلِ مضطر سے ہے اک شانِ جنوں پیدا
نمایاں ہے مری ہر بات میں اک رنگ وحشت کا

یہاں تو اک نئی آباد ہے دنیا محبت کا
کوئی اندازہ کیا کرتا دلِ عاشق وسعت کا

ہے لفظِ عشق میں اک داستانِ رنج و غم پنہاں
مرا قصہ ابھی محتاج ہے شرح و صراحت کا

ترے عشاق نے ناکام ہو کر کامِ جاں پایا
ذریعہ بن گئی مایوسئ بے حد فراغت کا

وہ کہتے ہیں کہ یہ بیمارِ غم ہے بچ نہیں سکتا
کیا ہے خوب اندازہ انہوں نے میری حالت کا

میں خود مجبور ہوں اس دل کے ہاتھوں کیا کروں حسرتؔ
نشانہ سب مجھے ناحق بناتے ہیں ملامت کا

"زمانہ کانپور" ۱۹۱۶ء

جہاں دیکھو وہاں اک فتنہ برپا ہے محبت کا
تمہارا حسن ہے یا کوئی پرکالہ ہے آفت کا

مقابل ہوں کشاکش ہائے شوقِ بے نہایت کا
وہی میں بیٹھنے والا جو تھا کنجِ سلامت کا

وہ آئے بر سرِ بالیں تو مجھ کو بھی یقیں آیا
نہ تھا قائل میں اب تک جذبِ الفت کی کرامت کا

تمہارے جب بے پروا کو بھی اک دن سنانا ہو
فسانہ رشتۂ احسن و محبت کی نزاکت کا

دیارِ عشق کی جانب چلے ہم بے خبر ہو کر
خیال آیا مصیبت کا نہ آفت کا نہ زحمت کا

گزر جائے نہ اے دل وصل کی شب یونہی باتوں میں
نکالا ہے یہ کیا دفتر حکایت کا شکایت کا

نظرؔ کی طرح حسرتؔ مجھ کو بھی اک آہ کافی ہے
خلاصہ کس قدر میں نے کیا ہے رنجِ فرقت کا

منشی نوبت رائے صاحب لکھنوی — اخبار صداقت کلکتہ اکتوبر ۱۹۱۶ء

تجھ پہ گرویدہ اک زمانہ رہا
کچھ فقط میں ہی مبتلا نہ رہا

جب سے تو مدعائے شوق رہا
پھر کوئی اور مدعا نہ رہا

آپ کو اب ہوئی ہے قدرِ وفا
جب کہ میں لائقِ جفا نہ رہا

جلد سن لی مرے خدا نے مری
صبر کو شکوہ کا دعا نہ رہا

راہ و رسم وفا وہ بھول گئے
اب ہمیں بھی کوئی گلا نہ رہا

حسن خود ہو گیا غریب نواز
عشق محتاجِ التجا نہ رہا

بسکہ نظارہ سوز تھا وہ جمال — ہوشِ نظارگی بجا نہ رہا
میں کبھی تجھ سے بدگماں نہ ہوا — تو کبھی مجھ سے آشنا نہ رہا
آپ کا شوق بھی تو اب دل میں — آپ کی یاد کے سوا نہ رہا
میرے پہلو میں دل رہا جب تک — نظرِ یار کا نشانہ رہا
اور بھی ہو گئے وہ غافل خواب — نالۂ صبح نارسا نہ رہا
حسن کا ناز عاشقی کا نیاز — اب تو کچھ بھی وہ ماجرا نہ رہا
عشق جب شکوہ سنجِ حسن ہوا — التجا ہو گئی گلا نہ رہا
ہم بھروسے پہ ان کے بیٹھے رہے — جب کسی کا بھی آسرا نہ رہا
میرے غم کی ہوئی انہیں بھی خبر — اب تو یہ دردِ لا دوا نہ رہا
آرزو تیری برقرار رہے — دل کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا
ہو گئے ختم مجھ پہ جورِ فلک — اب کوئی موردِ بلا نہ رہا
جب سے دیکھی ابوالکلام[1] کی نثر
نظمِ حسرت میں بھی مزا نہ رہا

[1] مولانا ابوالکلام آزاد — رسالۂ نظارہ، میرٹھ

نہ کچھ فکرِ جناں رکھی نہ کچھ خوفِ سقر رکھا — خیالِ یار نے دل کو یہاں تک بے خبر رکھا
بجاں منظور ہے جو کچھ سزا ہو جرمِ الفت کی — کہ ہم نے فیصلہ اس بات کا بھی آپ پر رکھا
نکرنا تھا ہمیں دعوائے تمکیں پر کیا، دل پر — نہ رکھنا تھا انہیں الزامِ بے تابی مگر رکھا
قناعت کی بدولت غایتِ بے احتیاجی نے — فقیری میں بھی ہم کو بے نیازِ اہلِ زر رکھا
دوبالا شان ہے خلقِ حسن سے حسنِ صورت کی — اسی نے تو انہیں منظورِ اربابِ نظر رکھا
ملا ساقی جو دریا دل بلانوشوں کی بن آئی — اٹھایا شام سے ساغر تو ہنگامِ سحر رکھا

چلے ہیں ان کی جانب ہو کے بیخود کیا خبر ہم کو | کہ ہم نے پاؤں مستی میں کہاں ہی اِدھر رکھا
وہ تم ہو یا تمہارا درد ہو کوئی ہو، دنیا میں | کیا جس سے تعلق ہم نے پیدا عمر بھر رکھا

غرض یہ تھی نہ ہو اہلِ ہوس کو میلِ غم حسرتؔ
بنا اہلِ عشق کو ظاہر ہیں حق نے بے ثمر رکھا

رسالہ خطیب دہلی سنہ ۱۹۱۶ء

اب دل ہے نہ وہ عیشِ فراوانِ تمنا | سب لوٹ لیا یاس نے سامانِ تمنا
اب تک وہی رونق ہے سیہ خانۂ دل کی | باقی ہے جو اک شمع فروزانِ تمنا
راضی ہیں بنے یا نہ بنے کام ہمارا | ہم لوگ ہیں سرگشتہ و حیرانِ تمنا
اس چشمِ فسوں کار کی دزدیدہ نگاہی | ہے مایۂ صد نازشِ پنہانِ تمنا
رسوائی انکار سے بے دل نہیں ہوتے | ہم ہیں وہ جہاں دیدہ گدایانِ تمنا
اب عشق کا درکار ہے اک عالمِ حیرت | کافی نہ ہوئی وسعتِ میدانِ تمنا

آغاز کی روداد تو معلوم ہے حسرتؔ
لیکن نظر آتا نہیں پایانِ تمنا

رسالہ خطیب دہلی سنہ ۱۹۱۶ء

تر گریۂ حسرت سے ہے دامانِ تمنا | مجھ سا بھی نہ ہو کوئی پشیمانِ تمنا
ناکامی پیہم سے جو ٹوٹا دلِ عاشق | سب چھوٹ گئے قیدیٔ زندانِ تمنا
پھر تازہ ہوا جوشِ جنوں فصلِ گل آئی | پھر شوق ہوا سلسلہ جنبانِ تمنا
پھر سے ہے مرا اور وہی سودائے محبت | پھر دل ہے مرا اور وہی طوفانِ تمنا
بیت الغزلِ حسن کچھ ایسے ہیں وہ ابرو | ہے جن کی ہوس حاصلِ دیوانِ تمنا
گلگوں ہوئیں اشکِ ندامت سے وہ آنکھیں | بے صرفہ ہوا خونِ شہیدانِ تمنا

ایضاً

امید ہی امید میں رہ جائے نہ حسرت
یوں ہی نہ گزر جائے یہ دورانِ تمنا

ایضاً

اس حد سے بڑھے کب ہے یہ امکانِ تمنا
دیدارِ رخِ یار ہے پایانِ تمنا

عالی ہے بہت مرتبۂ عشقِ حقیقی
مایوس نہ ہو حوصلہ مندانِ تمنا

ہر روز ترا ذکر ہے ہر شب ہے تری یاد
یہ جانِ تمنا ہے وہ جانانِ تمنا

واقف نہیں دشواریٔ تعلیم فنا سے
دل ہے ابھی اک طفلِ دبستانِ تمنا

ہمکو جو وہ بھولے ہیں تو ہم کیوں انہیں بھولیں
زنہار یہ نخوت نہیں شایانِ تمنا

محرومیٔ جاوید کی تعزیر بجا ہے
کیوں توڑ دیا شوق نے پیمانِ تمنا

اس روئے نکو میں بھی وہی نور ہے حسرت
جس نور سے روشن ہے شبستانِ تمنا

رسالہ نقاد آگرہ
دسمبر ۱۵ء

جذب کامل کو اثر اپنا دکھا دینا تھا
میرے پہلو میں انہیں لا کے بٹھا دینا تھا

کچھ تو دینا تھا ہمیں تیرے تغافل کا جواب
یا خدا ہی کے تجھے دل سے بھلا دینا تھا

تم جو افسردہ ہوئے سن کے مرا حالِ سوزِ دل
سرسری طور پہ باتوں میں اڑا دینا تھا

طائرِ جاں کے سوا کس کو بناتے قاصد
اس ستمگار کو پیغامِ قضا دینا تھا

رنجشِ بازوئے نازک کی ضرورت کیا تھی
مجھ کو اک جنبشِ ابرو سے مٹا دینا تھا

دردِ محتاجِ دوا ہو یہ ستم ہے یا رب
جب دیا تھا تو کچھ اس سے بھی سوا دینا تھا

وہ جو بگڑے تو خفا تم بھی ہوئے کیوں حسرت
پائے نخوت پہ سرِ شوق جھکا دینا تھا

قرب میں ہے نہ بعدِ یار میں تھا
جو مزا اس کے انتظار میں تھا

ناوکِ ناز چشمِ یار میں تھا — زخم جس کا دلِ فگار میں تھا
نور و ظلمت سا مجھ میں تھا — ہجر جس کو ملا وہ پیار میں تھا
مجھ پہ جس کی نظر سے بیگانہ — ملا جس سے نگاہِ یار میں تھا
دلِ بے مدعا کا اک دنیا عالم — اس نگاہِ کرشمہ یار میں تھا
غم جس کی تو جان تھا اسیر — تم کو وہ باغ میں تھا
صد جہاں بھی ذوقِ جمال وہاں — دل تماشائے حسن شکار میں تھا
آ گیا لا بے مزہ آپ — آپ سے بے اختیار میں تھا
باسی کا وہ بے نام — وہ جو چشمِ سیاہ یار میں تھا
درمیانِ ہجومِ حسرت و یاس — میں بھی اک گوشۂ مزار میں تھا
ہم بھی آخر ہلاکِ شوق ہوئے — یہی دستور اس دیار میں تھا
تھا وہی عشق میں جو تھا نیاز — ناز جو حسن میں تھا
اب نہ گل ہیں نہ عندلیب — وہ جو ہنگامہ بہار میں تھا
مل گیا عاشقی کا وہ حصہ — جو مرے بختِ کامگار میں تھا
اب وہی ہے عشق میں کمال — جو ترے حسنِ بے قرار میں تھا
لوٹ صبا تیرے پاس خیال — گرچہ قلبِ گناہ گار میں تھا
مرنے فکر کہاں وہ اثر — دشتِ غربت کے جو غبار میں تھا
نشۂ عشق جب بڑھا کرتے تھے — وہ بھی کس چشمِ پرخمار میں تھا

آہ تک بے قرار ہے حسرتؔ
کیا وہ افسونِ نگاہِ یار میں تھا

مایوس نہ یوں ہوتے تو دور اگر ہوتا ۔ ہم کچھ نہ تجھے کہتے مجبور اگر ہوتا
تھا شوقِ نظر کامل پھر بھی تو نہ چھپ سکتا ۔ سو پردوں میں وہ جلوہ مستور اگر ہوتا
تاریک نہ یوں رہتی تقدیرِ سیہ مستی ۔ شیشہ مئے گلگوں سے پر نور اگر ہوتا
جب میں نے وفا کی تھی وہ کیوں نہ وفا کرتے ۔ ایسا ہی محبت کا دستور اگر ہوتا
پاس اور نہ تھا اپنے کچھ بڑھ کے دل و جاں سے ۔ ہم وہ بھی فدا کرتے مقدور اگر ہوتا
ظاہر میں جفا کرتے باطن میں وفا ہوتی ۔ سو ڈھب سے کرم ہوتا منظور اگر ہوتا

کچھ دادِ وفا حسرتؔ ہم کو نہ ملی ۔ ملتی
دنیا میں یہ افسانہ مشہور اگر ہوتا

تجھ کو پاسِ وفا ذرا نہ ہوا ۔ ہم سے پھر بھی ترا گلا نہ ہوا
ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی ۔ دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
جانِ عاشق نثارِ دوست ہوئی ۔ شادیٔ مرگ کا بہانہ نہ ہوا
کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر ۔ ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
تیرے اس التفات کا ہوں غلام ۔ جو ہوا بھی تو برملا نہ ہوا
حسن کی شان سادگی سے بڑھی ۔ طرۂ زلف گرد تا نہ ہوا
کچھ عجب چیز ہے وہ چشمِ سیاہ ۔ تیر جس کا کبھی خطا نہ ہوا
روبرو ان کے کچھ نہیں معلوم ۔ کیا ہوا بیخودی میں کیا نہ ہوا
خم کے خم تیرے لے گئے ساقی ۔ ہم کو اک جام بھی عطا نہ ہوا
حیف ہے اس کی بادشاہی پر ۔ تیرے کوچے کو جو گدا نہ ہوا
مر مٹے ہم تو مٹ گئے سب رنج ۔ یہ بھی اچھا ہوا برا نہ ہوا

ڈر گیا اس نگاہ برہم سے — دل کو یارائے التجا نہ ہوا
جب تلک میرے دل میں جان رہی — دردِ مایوس مرحبا نہ ہوا
مل گئی مجھ کو صبر عشق کی داد — وہ جو شرمندۂ جفا نہ ہوا

قانع رنج عشق تھا حسرتؔ
عیش دنیا سے آشنا نہ ہوا

پیرو عشق رہنما نہ ہوا! — زاہد خشک یا خدا نہ ہوا
کون لاتا ترے عتاب کی تاب — خیر گزری کہ سامنا نہ ہوا
عشق یا حسن کون ہے غالب — آج تک اس کا فیصلہ نہ ہوا
خلشِ خار عشق مٹ نہ سکی — چارۂ جانِ مبتلا نہ ہوا
حسنِ بے مہر نے کیا کچھ نہ کیا — مونس عشق بینوا نہ ہوا
تم جفا کار تھے کرم نہ کیا — میں وفادار تھا خفا نہ ہوا
بڑھ گیا اور بھی تغافل حسن — نالۂ عشق نارسا نہ ہوا
راحتِ جانِ عاشقاں ہو لی — تجھ سے اتنا بھی اے قضا نہ ہوا
اس پہ آسائش ابد ہے حرام — جو تری راہ میں فنا نہ ہوا
لطف ساقی تھا بے دریغ مگر — مجھ بلانوش کا بھلا نہ ہوا
چھڑ گئی جب جمال یار کی بات — ختم تا دیر سلسلہ نہ ہوا
جسم سے روح ہو گئی آزاد — لفظ معنی سے گو جدا نہ ہوا

عشق حسرتؔ کے سب ہوئے قائل
ایک وہ دشمنِ وفا نہ ہوا

اخبار اقدام کلکتہ — ستمبر ۱۹۱۵

لائق حزب اولیاء نہ ہوا — وہ جو بے خوف ماسوا نہ ہوا
اس جفا کار سے خدا کی پناہ — جو ترا بندۂ وفا نہ ہوا
ہو گیا راہِ عشق میں جو شہید — وہ فنا ہو کے بھی فنا نہ ہوا
سخت ہے عشق میں مقام رضا — ہم سے بھی طے یہ مرحلہ نہ ہوا
عشق بازی وہ کیا کریگا جسے (ق) — جاں نثاری کا حوصلہ نہ ہوا
جاں نثاری بھی کیا ہے اسکی جسے — خندۂ زخم دل کشا نہ ہوا
لذتِ عشق کب ملی جب تک — سر تہِ خنجرِ جفا نہ ہوا
قدرِ حسرت اس کو کیا معلوم — جو کبھی تیرا مبتلا نہ ہوا

سر ترا بار دوش ہے حسرت
راہِ حق میں اگر فدا نہ ہوا

یوں تو عاشق ترا زمانہ ہوا — مجھ سا جانباز دوسرا نہ ہوا
خود بخود بوئے یار پھیل گئی — کوئی منت کشِ صبا نہ ہوا
میں گرفتار الفتِ صیاد — دام سے چھٹ کے بھی رہا نہ ہوا
ہجر میں جانِ مضطرب کو سکوں — آپ کی یاد کے سوا نہ ہوا
رہ گئی تیرے فقیرِ عشق کی شرم — میں جو محتاج اغنیا نہ ہوا
خیر اس بے خبر کی لا دیتی — تجھ سے اتنا بھی اے صبا نہ ہوا
ان سے عرض کرم تو کیا کرتے — ہم سے خود شکوۂ جفا نہ ہوا

ہو کے بے خود کلام حسرت سے
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

رسالہ الناظر لکھنؤ — مئی سنہ ۱۶ء

شک انہیں مجھ پہ کاردانی کا — کچھ ٹھکانا ہے بدگمانی کا
اک مرقع ہے حسنِ شوخ ترا — کشمکش ہائے نوجوانی کا
تم جو کرتے تو ہم کو تھا کافی — اک اشارہ بھی مہربانی کا
میں وہ محرومِ عشق ہوں جو رہے — منتظر مرگِ ناگہانی کا
بے نیازی سے تیری مل نہ سکا — کچھ صلا میری جانفسانی کا
کھل گیا ہے ترے جمال سے رنگ — تیرے ملبوسِ ارغوانی کا
مرمٹے تجھ پہ ہو گیا حاصل — مدعا اپنی زندگانی کا
جور ظاہر سہی کہ ہوں ہیں ہلاک — شیوۂ پرسشِ نہانی کا
رنجِ شوق اک نمونہ ہے لاریب — راحتِ خلدِ جاودانی کا
ہو کے ناکام عشق نے لوٹا — بارہا عیش کامرانی کا
ہم جو بے خود رہے تو وہ محجوب — نہ اٹھا لطف مہمانی کا
ناوکِ یار سے ہے دل میں بپا — اک ہنگامہ شادمانی کا
لٹ کے ہم کو ہے اب خطر نہ خیال — رہزنی کا نہ پاسبانی کا
شوق کامل جو ہو تو دے نہ جواب — ان کے دعوائے لن ترانی کا
ایک حائل ہے وصل میں بھی ہنوز — پردۂ شرم درمیانی کا
نہ سنو تم کہ میں نشانہ رہا — کن بلا ہائے آسمانی کا
کون لے عرضِ حال کر کے عذاب — جان پہ ان کی سرگرانی کا

سچ تو یہ ہے کہ شعر حسرت بھی
ایک گنجینہ ہے معانی کا

شوق پوشیدہ کا اظہار نہ ہونے پایا — داغ دل کوئی نمودار نہ ہونے پایا
دل کچھ اس ڈھب سے لئے اس نے کہ برسوں کوئی — حال سے اپنے خبردار نہ ہونے پایا
غلبۂ حق کا زمانہ میں ہے اک شور بپا — اس پر افسوس جو بیدار نہ ہونے پایا
صبر سے مقصد ناکام کی ہمت جو بندھی — وجہ نومیدی بسیار نہ ہونے پایا
شادماں تھا جو ترے رنج طرب کار سے دل — غم دنیا سے گرانبار نہ ہونے پایا
وصل میں بھی رہی بیگانگیٔ حسن و حجاب — راستہ شوق کا ہموار نہ ہونے پایا
دم زدن میں ترے جلوے نے کیا کام تمام — شوق آمادۂ پیکار نہ ہونے پایا
اس سلیقے سے کیا ذبح کہ دامن انکا — خون عشاق سے گلنار نہ ہونے پایا
بیخود شوق تھے سب دور میں تیرے کوئی — خواہش مے کا گنہگار نہ ہونے پایا
ہم بھی سمجھیں گے ہوس عشق بتاں کو حسرت — حل جو یہ عقدۂ دشوار نہ ہونے پایا

رسالہ العصر لکھنؤ ۱۹۱۶ء

ہر لحظہ ہے تصور اے رشک حور تیرا — آنکھوں میں نور تیرا دل میں سرور تیرا
فریاد غم نہیں ہے میری دعائے مضطر (یعنی صدائے اللہ اکبر) — اب نام بھی نہ لوں کیا میں ناصبور تیرا
دنیائے عاشقی میں ہر دم رہے مبارک — تجھ کو خشوع میرا، تجھ کو غرور تیرا
بیباکیٔ عدو سے ناحق ہے بدگماں دل — جب دشمن ہوس ہے حسن غیور تیرا
محفل میں ان سے کی ہوں گستاخیاں کسی نے — پر وہ یہی کہیں گے سب ہے قصور تیرا
بیتاب دل سے ہاتھوں کیوں اے اسیر الفت — پھر اس گلی میں جانا ٹھہرا ضرور تیرا
کاہے کو رشک دل کی اب انتہا رہے گی — شہرا پہنچ گیا ہے جب دور دور تیرا
رکھ لے مری بھی یارب شرم گناہگاری — ہے پردہ پوش عصیاں رحم غفور تیرا

کرکے وہی رہے گا جو دل میں ٹھان لی ہے
روشن ہے ہم پہ حسرتؔ عزمِ امور تیرا

جو راہِ غم میں ترا پائمال ہو نہ سکا
وہ بار یابِ مقامِ کمال ہو نہ سکا

انہیں منا کے بھی اظہارِ حال ہو نہ سکا
قبولِ عذر سے رفعِ ملال ہو نہ سکا

جفا سے باز نہ آئے تم اور کیوں آتے
کہ ہم سے ترکِ وفا کا خیال ہو نہ سکا

وہ جب ملے تو مجھے شادمان غم پایا
مرے ملال سے ان کو ملال ہو نہ سکا

قبول سب نے وہی کی سنی جو آپ سے بات
کسی کو حوصلہ قیل و قال ہو نہ سکا

وہ ابتدائے محبت وہ انتہا کے مزے
کہ جس میں پڑ کے خیالِ مآل ہو نہ سکا

کہاں سے آئی خدا جانے زلفِ یار کی بو
کچھ امتیازِ نسیم و شمال ہو نہ سکا

بڑھا تو خوب مگر نارِ عاشقی کا جلال
حریفِ جلوۂ نورِ جمال ہو نہ سکا

جنونِ عشق میں حیرت سے کچھ کمی نہ ہوئی
وہ رنگِ سرخ جو اڑا تھا بحال ہو نہ سکا

حضورِ یار گئے بھی تو کیا ہوا حسرتؔ
سلام کر نہ سکے ہم سوال ہو نہ سکا

الناظر لکھنؤ — نومبر ۱۹۱۶ء

یاس کا دل پہ کچھ اثر نہ ہوا
قصہ شوق مختصر نہ ہوا

حسن کو عشق سے مفر نہ ہوا
لاکھ چاہا کہ ہو مگر نہ ہوا

عاشقی اس کی معتبر نہ ہوئی
جو ترا بندۂ نظر نہ ہوا

کچھ ٹھکانا ہے اس تغافل کا
آپ کا جور بھی خبر نہ ہوا

اشکِ پیہم سے شوقِ بے حد کا
گوشۂ آستیں بھی تر نہ ہوا

اس نے وعدہ کیا یہی ہے بہت
شکوہ کیوں ہو وفا اگر نہ ہوا

مر مٹے ہم کہ دیں وہ داد وفا — اور جو اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا
نہ کھلے ہم سے آپ پر نہ کھلے — نہ ہوا اعتبار پر نہ ہوا
حال دل کی انہیں خبر نہ ہوئی — طائر شوق نامہ بر نہ ہوا
صرف دشمن وہ لطف ہوئے ادا کرے — جو کبھی میرے حال پر نہ ہوا
کچھ نہ آیا ہمیں تو کیا اے عشق — یہ بھی اک طرح کا ہنر نہ ہوا
صدمہ پہنچا جو تجھ سے اے غم عشق — نفع جاں ہو گیا ضرر نہ ہوا
صرف عصیاں ہوا وہ لحظۂ عمر — جو تری یاد میں بسر نہ ہوا
کچھ عجب چیز ہے وہ حسن عفیف — جو کبھی فتنۂ نظر نہ ہوا
تم لب بام جلوہ گر نہ ہوئے — میں سر راہ بے خبر نہ ہوا
تاب نظارۂ دگر نہ رہی — حسن پر غلبۂ بصر نہ ہوا
ہے جہاں مدفن شہید وفا — داں کبھی آپ کا گزر نہ ہوا
خام ہے اس کی عاشقی جو عزیز — با خبر ہو کے بے خبر نہ ہوا
رہ گئی شرم لے کسی حسرت — مجھ پہ احسان اہل زر نہ ہوا

رسالہ خیال ہالوپڑ — اگست سنہ ۱۶ء

شکوۂ عشق جو ہم سے کبھی عنوان نہ ہوا — حشر میں بھی وہ جفاکار پشیماں نہ ہوا
کامیابی نہ ہوئی اہل نظر کو بھی نصیب — روئے خورشید ہوا وہ رخ تاباں نہ ہوا
عالم جاں نہ ہوا ارض عرفاں جبتک — آفتاب انکی محبت کا درخشاں نہ ہوا
دشمن زہد ہے عشق بتاں کیسے بندے — کفر الفت پہ کبھی غلبۂ ایماں نہ ہوا
شکوۂ جور کا دیتے ہو تغافل سے جواب — دشمنی یہ تو ہوئی مجھ پہ کچھ احسان نہ ہوا

وصل سے شوق کی شورش نہ ہوئی کم حسرت
ہے یہ وہ درد جو شرمندۂ درماں نہ ہوا

ہجر میں یاد جو وہ جلوۂ دلجو آیا
چین کچھ دل کو نہ اپنے کسی پہلو آیا

ہوش آنے پہ نہ پایا سر بالیں جن کو
دست افسوس ہے پرسش زانو آیا

حسن خود بیں کے تغافل پہ کمی کچھ نہ ہوئی
عشق مضطر کو نہ ایسا کوئی جادو آیا

مل گئی خاک میں سب آبروے ناز وفا
تعزیت کو بھی نہ وہ شوخ جفا جو آیا

کیا کہوں رشک سے کیوں دل کا عجب حال ہوا
نظر اس رخ پہ جو وہ طرۂ گیسو آیا

تھا علی گڑھ کو جو یہ فخر کہ حسرت ہے یہاں
[illegible] آباد کو ہے ناز کہ واں تو آیا

رسالہ تاج الکلام

نہ رہا مجھ پہ جو وہ حسن [illegible] نہ رہا
اب کوئی میرے لئے ناز کا ساماں نہ رہا

[illegible] شوق [illegible]
دل میں وہ شعلہ جو بھڑکا تھا فروزاں رہا

[illegible] عجب چیز تھی ظاہر نہ ہوئی
بات تیرے حسن عجب کچھ ہے کہ پنہاں نہ رہا

[illegible] سے [illegible]
اب وہ انداز تری شان کے شایاں نہ رہا

[illegible] تو [illegible] عشق کا نام
فیصلہ جب سے ہوئی تقدیر کا آساں نہ رہا

[illegible] ہوا
حق تو یہ ہے وہ جو تھا کا مسلماں نہ رہا

کوچۂ عشق ہے مامون حوادث حسرت
اب نہیں کچھ خطر گردش دوراں نہ رہا

رسالہ خطیب دہلی

ستمبر ۱۹۱۷ء

ذوق مشتاق [illegible] نہ ہوا
جب سے مشہور ترے حسن کا افسانہ ہوا

ایک ہی کام تو یہ عشق سے مردانہ ہوا
کہ ترے شیوۂ نرگس کا نہ دیوانہ ہوا

وصل جاناں نہ ہوا جان دیے پر بھی نصیب | یعنی اس جنس گرانی کا بیعانہ نہ ہوا
بزم ساقی میں ہوئے سب یونہی سیراب سرور | مئے گلرنگ سے لبریز جو پیمانہ ہوا
حسن جاناں کے تصور سے بڑھی زینت دل | مقدم شہ سبب رونق کاشانہ ہوا
ہم فقیروں کی تواضع کو دعائیں دیجیے | کہ اسی سے تو مزاج آپ کا شاہانہ ہوا
پھر تری یاد ہوئی موجب آرائش دل | للہ الحمد پھر آباد یہ ویرانہ ہوا
خاک سے اس کی بنائی گئی اکسیر مراد | دل جو اس شمع شب افروز کا پروانہ ہوا

پیرو پیر مغاں تھا میں یہاں تک حسرتؔ
کہ فنا ہو کے خاک رہ میخانہ ہوا

رسالہ نظارہ — میرٹھ

شغل مے سے فلک جناب ہوا | کون کہتا ہے میں خراب ہوا
اثر مستی شباب ہوا | اب تو وہ حسن لاجواب ہوا
ہر گھڑی شیخ کو ہے فکر ثواب | یہ بھی اک طرح کا عذاب ہوا
نہ ترے حسن کی مثال ملی | نہ مرے شوق کا جواب ہوا
پہلے اک ذرۂ ذلیل تھا میں | تیری نسبت سے آفتاب ہوا
اب یہ کیوں آپ ہی آپ پھر گئے | اب یہ کس بات پر عتاب ہوا
خواہش دید کامیاب ہوئی | چہرۂ یار بے نقاب ہوا
نشہ میں راز عشق چھپ نہ سکا | روئے مقصود بے حجاب ہوا
آپ کے ہاتھ سے کرم کہ ستم | جو ہوا مجھ پہ بے حساب ہوا
خاک ہو کر ملا یہ فخر کہ میں | تیرے توسن کا ہم رکاب ہوا
اب نہ وہ تم رہے نہ ہم افسوس | کیا زمانے کا انقلاب ہوا

مجھ کو اتنا ہی تم سے انس بڑھا جس قدر تم کو اجتناب ہوا

ان کو دیکھا تو صبر دل حسرتؔ
یک قلم صرف اضطراب ہوا

الناظر لکھنؤ جولائی ۱۱ء

لطف تو نے جو کیا بھی تو عجب کام کیا دلِ دیوانہ کو سرگشتۂ اوہام کیا
جس کو جو شے تھی سزاوار خدا نے بخشی مجھکو جاں باز کیا تجھکو دلارام کیا
بھر گئی نور سے تاریک شب منتظراں جلوہ اس روے نکو نے جو سرِ بام کیا
ہوس و عشق میں کچھ فرق نہ رکھا تو نے غمزۂ خاص کو بدنام کیا عام کیا
یہ بھی اک ڈھب ہے بتا بنکا کہ ہنگام سحر آیے وہ آنے کا وعدہ جو سرِ شام کیا
بڑھ گئی آج امیری سے فقیری اپنی کہ شہِ حق نے مجھے داخلِ خدام کیا

کچھ محبت بھی عجب شے ہے کہ حسرتؔ سا غیور
اور اسے آپ نے خو کردۂ دشنام کیا

اخبار ہمدرد دہلی ۱۵ء

وصل میں بھی تو وہی ہے دل کی شانِ اضطراب عیش حاصل ہو رہا ہے رائگانِ اضطراب
شوقِ بیحد کے ارادوں سے ہے دل وقفِ نازِ حسن شرمِ خوباں سب سمجھتی ہے زبانِ اضطراب
رحم سے بیگانہ ہے تمکیں سے بے پروا دوست کر چکے ہیں بارہا ہم امتحانِ اضطراب
حسن ہر حالت میں غالب عشق ہے مغلوبِ حسن آپ کی شوخی ہے ناحق بدگمانِ اضطراب
کب بر آئیگی سکونِ جانِ مضطر کی امید کب بسر آئیگا یارب یہ زمانِ اضطراب
بیقراری ہی مناسب تھی ترے ناکام کو ہو گیا ہے سود مایوسی زیانِ اضطراب
ہے غضب اس شہسوارِ حسن کا فتراکِ ناز دل ہے جس میں اک شکارِ نیم جانِ اضطراب
وہ ملے ابتک وہی ہیں خاطرِ بیتاب کے ناتوانی میں بھی ہے باقی توانِ اضطراب

رسالہ نظارہ میرٹھ — جنوری ۱۹۱۳ء

اب ملے گا جلد حسرتؔ ساحلِ بحرِ فنا
کشتیٔ غم میں لگا ہے بادبانِ اضطراب

جان کو صبر ہے نہ دل کو ہے تاب — تو نہیں ہے تو زندگی ہے خراب
دانش ہر زہ کوش ہے ناکام — عشق درکار ہے ولا رے حجاب
ہجر ساقی میں گریہ سحری — خوب ہو گا بجائے شغل شراب
دیکھیے دل پر کیا بناتا ہے — تیری فرقت میں یہ ہجوم سحاب
مرمٹیں آرزوئے یار میں ہم — ہے یہی عاشقی کا لب لباب
چشم رنداں سے روز ابر ہوئی — ہجر ساقی میں بارشِ خوناب

میکدے میں ہے اک بپا حسرتؔ
شورِ نائے و نوش و چنگ و رباب

بہ تقلید انداز شاہ نصیر دہلوی — نظارہ لاہور جولائی ۱۹۱۶ء

میری طینت میں ہو داخل ہوس جام شراب — بندۂ پیرِ مغاں ہوں ہیں خس جام شراب
نشۂ مے سے بڑے شوق کی مستی ساقی — نظرِ لطف بھی اک ہو جو پس جام شراب
فلک عیش پہ دم بھر میں گیا شخص دماغ — کس غضب کا تھا سبک رو فرس جام شراب
ہے کہ اک قطرۂ مے کو بھی ترستے ہیں مدام — ہم سے قسمت میں ہے بڑھکر مگس جام شراب
تیرہ بینی سے نہ مے چھلکے بھی آئے مجھ تک — حائل اک اور بھی حدِ نفس جام شراب
مے سے محروم کہانتک رہے پیمانۂ مے — تجھ سے فریاد ہے اے دادرس جام شراب

اخبار سادات الہ آباد — اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

ہے تو موجود مگر پی نہیں سکتے حسرتؔ
بن گیا ہے غم دوری عسس جام شراب

خیلِ خوباں ہیں کو جمیل ہیں سب — پر ترے حسن کے قتیل ہیں سب

ظرفِ عالی معاندوں میں کہاں — سب دو کان دار ہیں ذلیل ہیں سب
لاؤں قسمت کہاں سے غیروں کی — تری محفل میں جو دخیل ہیں سب
جلوۂ حق سے بے خبر زاہد — محوِ تسنیم و سلسبیل ہیں سب
ہجر کے دن فراق کی راتیں — کاٹے کٹتی نہیں طویل ہیں سب
روبرو تیرے حسنِ خوباں کے — جتنے دعوے ہیں بے دلیل ہیں سب

فیضِ تاثیرِ عشق سے حسرت
تیرے اشعار بے عدیل ہیں سب

نئی روشنی الہ آباد — اکتوبر ۱۹۱۲ء

آج سن کر مرے نالوں کو ز راہِ التفات — زیرِ لب اس نے بھی کھینچی ایک آہِ التفات
کم نگاہی عشق سے ہے فرضِ کیشِ دلبری — حسن سے کیونکر ہو پھر سرزد گناہِ التفات
دوستی اس فتنۂ دوراں کی ہے یادِ دشمنی — جان بر بادِ کرم ہے دل تباہِ التفات
ہیں دلِ عشاق جب آگاہ رسمِ حسن و عشق — بے رخی ہے ان کی ناحق عذر خواہِ التفات
شوق کا حسنِ عقیدت دیکھنا اکثر ہوا — تیری بے پروائیوں پر اشتباہِ التفات
ہے مجھے کافی تبسم اس نگاہِ ناز کا — ہو رقیبوں کو مبارک قہقہاہِ التفات
ختم تھا جس پر کبھی اندازِ حسنِ دلبری — آہ اب لاؤں کہاں سے وہ نگاہِ التفات
شیوہ ہائے دلنوازی میں ہیں آنکھیں انکی طاق — ایک ہے مہرِ توجہ ایک ماہِ التفات

ہے دلِ دیوانۂ حسرت ہلاکِ آرزو
اس طرف بھی اے ستم گر اک نگاہِ التفات

فرقت میں تری ہیچ ہے شانِ شبِ برات — اک آگ سی لگی ہے بجانِ شبِ برات
کچھ طرفہ دردِ دل کی فراہم ہیں لذتیں — ہوتا ہے شامِ غم پہ گمانِ شبِ برات

حیراں نہ میری بھول پہ ہوں خفتگانِ خاک   مجبور خود ہوں میں بہ زبانِ شبِ برات
کچھ شوق حسبِ وعدۂ باقی تو ہے نشاں   گویا کہ سود جاں ہے زیانِ شبِ برات

حسرت شنیدنی ہے مرے سوزِ غم کا حال
دورانِ ہجر میں بہ زبانِ شبِ برات

وہ بگڑے بہت بدگمانی کے باعث   نہ تڑپے جو ہم ناتوانی کے باعث
خفا آپ کیوں ہیں خطا میری کیا ہے   کھلیں کچھ تو اس سرگرانی کے باعث
میں بے دل ہوں ناحق کہ مجبور ہیں وہ   ستم کیشئ نوجوانی کے باعث
نہ سمجھو ہمیں حال پر اپنے راضی   کہ ہم چپ ہیں آزردہ جانی کے باعث

ملے کھل کے وہ مثلِ بیگانہ حسرت
ہم اچھے رہے بے زبانی کے باعث

وصل کی رات خرمی کا رواج   شوق کا آج عرش پر ہے مزاج
آج مملوکِ حق ہیں سب وہ شریر   کل تلک تھے ابھی جو صاحبِ تاج
دستبردِ غمِ فراق سے آہ   ہو گئی کشتِ آرزو تاراج
غلبۂ کذب منحد معدوم   حق ہے بے خوفِ کثرتِ افواج
سب نے آخر خدا پہ چھوڑ دیا   بے ترے بیمار کا نہ ہوا علاج
چھپ گئے سب ستارگانِ کمال   کہ عرب سے ہوا طلوعِ سراج

لائے ہیں عاشقانِ باج گزار
نذرِ حسرت کو آنسوؤں کا خراج

قبولِ ستم سے ہے انکار صالح   کروں کیوں نہ میں اس کا اقرار صالح

رضا کارئ حق پہ رحمت خدا کی — اسی کا ہوں میں اک طلبگار صالح
بہت ہم نے دیکھے ہیں عباد فاجر — بہت ہم نے پائے ہیں فجار صالح
مصائب کی برداشت ردِ جفا ہیں — اسی کو تو کہتے ہیں ایثار صالح
ولایت کا دعویٰ نہیں مجھ کو لیکن — ہے اتنا کہ ہوں اک گنہگار صالح

میں بیزار ہوں عقل ساکن سے حسرت
دل مضطرب ہے مرا یار صالح

تسکین مدعا کے لئے اک دوا ہے تلخ — ظاہر میں گرچہ وہ سخن آشنا ہے تلخ
شیریں مراد نتیجہ ہے صبر کا — ہر چند اس ثمر کا بظاہر مزا ہے تلخ
مرغوب جاں ہیں شوق کی ایذا نصیبیاں — شیریں ہے کام یار کہ زہر فنا ہے تلخ
اظہار لطفِ یار پہ اے دل نہ جائیو — میٹھا یہ ابتدا ہی میں ہے انتہا ہے تلخ

حسرت گراں ہے خلق پہ گو سہل ہے نماز
بدلا ہے الله کے منھ کا مزا یوں ندا ہے تلخ

رسالہ النظامیہ لکھنؤ — جولائی ۱۹۱۲ء

وقفِ حق ہے نہیں مرید مراد — طاعتِ عاشقانِ پاک نژاد
دل پس ماندگان نہ ہو ناشاد — چل رہی ہے ہنوز باد مراد
بڑھ گیا حسن کا تغافل ناز — یہ ملی میرے صبر شوق کی داد
اب تو راہ رضائے حق میں قدم — رکھ دیا ہم نے ہر چہ بادا باد
ان کی تھی میرے حال دل پہ نظر — آہ اس عہدِ التفات کی یاد
بڑھ گیا راہ عاشقی میں جنوں — رہ گئے صاحبان بست وکشاد
کچھ نہیں ہے تری رضا کے سوا — خواہشِ عاشقی خجستہ نہاد

رسالہ البلاغ کلکتہ ۱۹۱۵ء

اصل اصلاح ہے وہی حسرتؔ
جس کو سمجھے ہیں اہل جور فساد

غم سے ہنیں ایک دل بھی آزاد فریاد ز دستِ عشق فریاد
عاشق ہوئے اور مر مٹے ہم اپنی تو یہ مختصر ہے روداد
ہوگا کسے جان دینے میں عذر ارشاد اور آپ کا پھر ارشاد
جاں بازی ہے عشق، حسن دلبر یہ دونوں امور ہیں خداداد
اس چشم نے دلبری کے شیوے سب سیکھ لیے بغیر استاد
رہنے لگی ان کی یاد ہر دم اب اور ہمیں رہے گا کیا یاد

ایضاً ایضاً

پردے میں ستم کے لطف حسرتؔ
ہے اس بت حیلہ جو کا ایجاد

دل کشتۂ غم ہے جان برباد مایوس فراق ہوں ناشاد
عاشق کا ہے کام جان دینا اپنا بھی ہے اس خیال پر صاد
بازمیٔ حسن و گرمیٔ خو! اس ذات میں ہیں صفات اضداد
بھولے ہمیں اور سب فسانے اک قصّۂ آرزو رہا یاد
ہو حسن کہ عشق سب ہیں فانی شیریں ہی رہی رہا نہ فرہاد
احرار وطن پرست وحق کوش (ق) تھا جن سے دیارِ صدق آباد

اخبار صدائے ملت کلکتہ اکتوبر ۱۹۱۶ء

سب ہو گئے بند ایک حسرتؔ
باقی ہے "ابو الکلام" آزاد

نامۂ شوق کے اندر جو نہاں ہے کاغذ ورق سادۂ حسرت ہے کہاں ہے کاغذ

بسکہ تھا اس میں رقم خواہش دیدار کا حال — چہرۂ یار کی جانب نگراں ہے کاغذ

خط نہ لکھنے کا نیا عذر یہ نکلا حسرتؔ

رسالہ نظارہ لاہور — اکتوبر سنہ ۱۶ء

جنگ یورپ میں وہ کہتے ہیں گراں ہے کاغذ

شکن جب سے دیکھی ہے انکی جبیں پر — غضب صدمہ ہے جان اندوہگیں پر

نہ چھوٹے گی اب دختِ رز ہم سے ساقی — ترس گئے عمل تیری رائے زریں پر

یہ جانیں ہیں مشتاق کی یا ہے افشاں — پڑی ہے جو اس گیسوئے عنبریں پر

عجب اس کی خوشبو ہے کچھ روح پرور — وہ پوشش جو تھی اس تنِ نازنیں پر

کچھ آئی تو ہے ترک مے پر طبیعت — نہ مچلے جو رنگینیٔ ساتگیں پر

نہ کرنا تھا ضبطِ غم کی نصیحت — کہ ہے صبر دشوار جانِ حزیں پر

بہت ہم نے ڈھونڈا مگر مثل تیرا — نہ پایا کہیں اور روئے زمیں پر

مرے گریۂ خوں کی سب لالہ کاری — نمودار ہے دامن آستیں پر

ہوئی اس میں اک گرمیٔ شوق پیدا — پڑی جو نظر اس رخِ آتشیں پر

تماشائے خوباں سے اتنا تغافل — صد افسوس اس زہدِ خلوت نشیں پر

نثار اس پہ حسرتؔ مری جانِ شیریں

اخبار صداقت کلکتہ — اگست سنہ ۱۶ء

تبسم جو ہے اس لبِ شکریں پر

میں مبتلائے رنجِ دلم ہوں وطن سے دور — بلبل کے دل میں یادِ چمن ہے چمن سے دور

آشفتہ کس قدر ہے پریشان کس قدر — دل ہے اسکی زلفِ شکن در شکن سے دور

ہے ہجر بھی وصال زہے خوبیٔ خیال — بیٹھے ہیں انجمن میں تری انجمن سے دور

سب یاد ہیں فریبِ محبت کے واقعات — اب دل رہے گا اس نگہِ سحر فن سے دور

فرقت میں انکی بوئے گل آباد تو بہار
آئے کبھی تو سب ہے مرے بیت الحزن سے دور

رعنائی خیال کو ٹھہرا دیا گناہ
زاہد بھی کس قدر ہے مذاق سخن سے دور

غالب کی طرح رہ گئی حسرت مری بھی شرم
مارا دیار غیر میں مجھ کو وطن سے دور

رسالہ العصر لکھنؤ

آخر کار ہوئی ان پہ وفا کی تاثیر
گریۂ نیم شبی میں تھی بلا کی تاثیر

ہیں اسی خیال میں اب تک تری فرقت کے مریض
کچھ نہ ہوتی ہے دعا کی نہ دوا کی تاثیر

وہ بھی دل تھام کے رہ جائیں جو سن پائیں کہیں
ہے غضب اپنی فقیرانہ صدا کی تاثیر

ایک ہی جام میں ساقی نے ہمیں رام کیا
کر گئی کام مئے ہوش ربا کی تاثیر

شوق کی ایک نظر سے وہ ہوئے سب کامل
جن پہ برسوں نہ ہوئی صدق و صفا کی تاثیر

راہ جنت سے پھری عاشق مہجور کی روح
کچھ عجب چیز تھی اس بوئے قبا کی تاثیر

اب وہ کرتے ہیں جفا بھی تو نہیں پر حسرت
یار ہے اتنی تو ہوئی آہ رسا کی تاثیر

رسالہ زمانہ کانپور ستمبر سنہ ۱۶ء

تیر غم کا ہے دل نشانہ ہنوز
شیوۂ جاں ہے عاشقانہ ہنوز

دل میں اب تک ہے عیش وصل کی یاد
لب پہ ہے شوق کا ترانہ ہنوز

آہ وہ ماجرائے راز و نیاز
جس کا باقی ہے اک فسانہ ہنوز

عشق تھا باریاب خدمت حسن
ہم کو ہے یاد وہ زمانہ ہنوز

قائم اب تک ہے اعتبار جنوں
چل رہا ہے یہ کارخانہ ہنوز

شوق کے در پہ ہیں ابھی سے ہجوم
یار ہے اندرون خانہ ہنوز

سرخی چشم یار سے ہے عیاں
اثر مستی شبانہ ہنوز

دیدنی ہیں وہ بالِ صبحِ وصال
جن تک آیا نہیں ہے شانہ ہنوز

آشکارا ست بر جبینِ نیاز
نورِ آں خاکِ آستانہ ہنوز

نغز گوئی کی شان میں حسرت
تیرے اشعار ہیں یگانہ ہنوز

اور تو کیا ہے ترے عاشقِ بیمار کے پاس
وہ جو پنہاں ہے ترے گوشۂ دستار کے پاس

ہے کلیدِ درِ میخانہ مقرر اے شیخ
ایک ترا درد بھی سو وہ بھی ہے دلِ زار کے پاس

ان کو ہوتی نہ مرے سوزِ محبت کی خبر

قابلِ سیر نہیں گلشنِ دنیا ہے دنی
شاہد گا ہے جہاں خاکِ بخار کے پاس

مے پرستوں کو رہا پھر نہ کسی بات کا ہوش
بوئے مے کچھ تھی عجب خانۂ خمار کے پاس

اک ترے عشق کی دولت ہے مرے پاس وہ شے
جو نہ اخیار کے ہے پاس نہ ابرار کے پاس

رشک ہاس طرۂ گیسو پہ ہیں کیا کیا مجھ کو
وہ لٹکتا جو پڑا ہے ترے رخسار کے پاس

رحمتِ حق کے لئے تحفہ نہیں اور کوئی
شرمِ عصیاں کے سوا جانِ گنہگار کے پاس

کیا کیا تو نے یہ حسرت کہ دل اپنا چھوڑا
ایسے عیار ستم گار جفاکار کے پاس

رسالہ ترجمان لاہور — جولائی ۱۹۲۶ء

کچھ نہ دامن کی خبر ہے نہ گریبان کا ہوش
دل فریبی کا ترے عاشق کو نہ ہے جان کا ہوش

جائے افسوس ہو کیوں بے سر و سامانیٔ دل
مذہبِ عشق میں جائز نہیں سامانِ ہوش

بزمِ ساقی میں چلیں بھی تو کہیں حضرتِ شیخ
شرط ہم کرتے ہیں رہ جائے جو ایمان کا ہوش

نشۂ حسن سے بیہوش ہے وہ مستِ شباب
نہ کرم کا ہے اسے ہوش نہ احسان کا ہوش

خونِ دل سے ہو وضو تب ہو محبت کی نماز
کچھ نہیں غیر ہوس پیشہ کو ارکان کا ہوش

ہم چلے تھے کہ کریں دل شکنی کا دعویٰ
ان کو دیکھا تو رہا کچھ بھی نہ تاوان کا ہوش

خون حسرت جو کیا ہے تو وہ نادم ہیں بہت

اخبار نئی روشنی الہ آباد　　　　　　اگست ۱۹۱۶ء

کچھ نہ ہندی کی خبر ہے نہ انھیں پان کا ہوش

کیوں نہ مقبول ہو دعائے خلوص　　　　کہ اثر خود ہے خاک پائے خلوص

عشق ناکام بھی نہیں ناکام　　　　وہ جو ہو جائے رہنمائے خلوص

غیر کی بات خوب مان گئے　　　　نہ سنی میری التجائے خلوص

ان کے دل پر نہیں تو کچھ بھی نہیں　　　　اثر نالۂ رسائے خلوص

عشق اعتبار تھا جو پیش نظر　　　　کچھ نہ سمجھے وہ مدعائے خلوص

کیا نہ ہوں گے وہ کبھی مائل رحم　　　　نہ ملے گی کبھی جزائے خلوص

بیکسی ہائے عاشقی کو سلام　　　　جن پہ قائم ہوئی بنائے خلوص

ہم ہیں عہد ازل سے ان کے مرید　　　　ابتدا سے ہے انتہائے خلوص

میرا ان کا معاملہ حسرت

سر بسر اک ہے ماجرائے خلوص

کچھ نہ ابدال سے پہنچا ہے نہ اوتاد سے فیض　　　　جو کو پہنچا ہے سو پہنچا ہے تری یاد سے فیض

لذت درد محبت ہے مری جان پہ ختم　　　　جس نے پایا ہے ترے شیوۂ بیداد سے فیض

تیرے گیسو کی اڑا لائی تھی خوشبو جو نسیم　　　　مجھ کو پہنچا ہے اسی نکہت برباد سے فیض

دولت غم سے جو معمور ہیں عشاق کے دل　　　　سب نے پایا ہے مری خاطر ناشاد سے فیض

غالبؔ و مصحفیؔ و میرؔ و نسیمؔ و مومنؔ

طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

سخت مشکل ہے عشق یار کی شرط　　　　جان زار و دل فگار کی شرط

دیکھ لیتے ہیں اب وہ نامۂ شوق
ہے مگر اب بھی اختصار کی شرط

سب ہے منظورِ عشق۔ ایک نہیں
سخن تلخ و ناگوار کی شرط

مستیٔ حسن کو ضرور نہیں
مئے رنگین و خوشگوار کی شرط

بن گیا کام، ہوگئی پوری
کرمِ یارِ بختیار کی شرط

کون پوری کرے تمہارے سوا
شوقِ بے صبر و بے قرار کی شرط

منزلِ عشق طے کرو حسرتؔ
گل کی یاں ہے نہ خار کی شرط

نہ کر بزمِ ساقی میں انکار واعظ
بگڑ جائیں گے رندِ میخوار واعظ

ملامت نہ کر دیکھ بیکار واعظ
کہ ہے ترک مے ہم سے دشوار واعظ

نہ قائل ہوئے تھے نہ ہوں گے نہیں ہم
بڑھاتا ہے ناحق تو تکرار واعظ

نہ الجھے گا پھر ہم سے خدا باتوں سے
اگر کچھ بھی ہوگا سمجھدار واعظ

بظاہر کا سبب زہد و تقویٰ ہے حسرتؔ
حقیقت میں یاروں کا ہے یار واعظ

جل بجھی تب جل کے ٹھہر اگر یہ تاثیرِ شمع
کھا نہیاں سوزشِ پروانہ دامن گیرِ شمع

تاقیامت رہے قائم سری سرکار کا باغ
نہ کہ جسے کہتے ہیں سب حضرتِ انوار کا باغ

خاص آرام گہ حضرتِ وہاب شہید
شاہ رزاق کا والی شہِ ابرار کا باغ

درد دیوار سے یاں جلوۂ حق کی ہے نمود
ہے بجا خلق میں مشہور یہ انوار کا باغ

مئے عرفاں کی لگی رہتی ہے ہر وقت سبیل
جائے رحمت ہے یہ زندانِ قدح خوار کا باغ

ثمردیں ہیں یہاں یا شجرِ طیبِ عشق
باغ ہی کون ہے یہ خلد کے انجار کا باغ

اہل دل کہتے ہیں سرکردۂ عشاق جسے ؎۱ — عاشقو ہے یہ اسی قافلہ سالار کا باغ
ہدیۂ حسن عقیدت ہیں یہ گلہائے سخن
نذر رزاق ہے حسرتؔ مرے اشعار کا باغ

مخزن لاہور — نومبر ۱۶ء

وہ تو کر دیں مرا قصور معاف — میں ہی کہتا نہیں حضور معاف
حشر میں بھی نہ ہوگا واعظ کا — گنہِ آرزوئے حور معاف
حد نہیں ہے مرے گناہوں کی — پھر بھی کر دے جو وہ غفور معاف
میں ہوں تیری جفا سے بھی راضی — شکوۂ عقلِ بے شعور معاف
سادگی ہم گناہگاروں کی — سب کرا لائے گی قصور معاف
ہو فرو کچھ تو انتظار کی آگ — گریۂ شوق ناصبور معاف
بس نے اقبال جرم عشق کیا — اور انھوں نے کیا ضرور معاف
کیا کرے تو خطائے شوق پہ رحم — نہ کرے جب ترا غرور معاف
ان کے قدموں پہ گر بھی جا حسرتؔ
یوں نہ ہوگا ترا قصور معاف

کیوں نہ ہو اپنے اشتیاق میں فرق — آگیا آپ کے مذاق میں فرق
مجھ سیہ بخت کے لئے نہ رہا — روز ہجر و شب فراق میں فرق
تم جو ہم سے ملے تو وہ بھی ملا — نہ ہوا غیر کے نفاق میں فرق
ہو گیا ہم میں ان میں فرق مگر — نہ ہوا شوق و اشتیاق میں فرق

؎۱ پیشوائے عشاق حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق۔ ادہ حزار

یاد رہنے لگی تری ہر دم — آگیا صدمۂ فراق میں فرق

جب ملے وہ، ملی نظر سے نظر — نہ پڑا حسنِ اتفاق میں فرق

وہ جفا کار اور وفا حسرت

ترے اب تک نہیں مزاق میں فرق

دل تیری طلب میں ہے بیتاب کہاں تک — اے بیخبر اے دشمنِ احباب کہاں تک

اب میں ہوں خنک جلوۂ مہتاب کا خواہاں — نظارۂ خورشید جہاں تاب کہاں تک

ہے کب سے مہیائے جفا گردشِ گردوں — بیدار ہو اے محوِ طرب خواب کہاں تک

ہٹنے سے رہیں شوق کی بیباک نگاہیں — شرمائے گی وہ نرگسِ سیراب کہاں تک

محروم ہے اب تک ترے دیدار سے حسرت

آنکھوں کی یہ پابندیٔ آداب کہاں تک

دیدنی ہیں دلِ خراب کے رنگ — آہ اس چشم پر حجاب کے رنگ

فصلِ گل میں پڑیں تو خوب کھلیں — خرقۂ زہد پر شراب کے رنگ

شوق کے دل میں لب پہ ہجوِ شراب — ہم پہ روشن ہیں سب جناب کے رنگ

نہیں توبہ کی خیر ہیں جو یہی — جوششِ ہنگامۂ سحاب کے رنگ

زہد و اصرارِ اجتنابِ گناہ — جس سے پیدا ہیں ارتکاب کے رنگ

کل کے مقبول آج ہیں مردود — آہ اس دورِ انقلاب کے رنگ

قابلِ دید ہیں وصال کی شب — آرزو ہائے کامیاب کے رنگ

چہرۂ عاشقی ہے پژمردہ — کیا ہوئے وہ مئے شباب کے رنگ

مستیٔ شوقِ یار سے ہیں عیاں — سرخوشیہائے بیحساب کے رنگ

خیلِ خوباں سے ایک میں بھی نہیں — آپ کے حسنِ لاجواب کے رنگ
میری مایوسیوں سے ہیں پیدا — کشمکش ہائے اضطراب کے رنگ

دل کے ہاتھوں بہت رہے ہیں خراب
حسرتِ خانماں خراب کے رنگ

رسالہ الناظر لکھنؤ جون ۱۶ء

تو ہی دلِ شادماں دلِ پارسا دل — ترے عاشق نے بھی پایا ہے کیا دل
لگا دو آگ عذرِ مصلحت کو — کہ ہے بیزار اس شے سے مرا دل
جفاکاری ہے تسلیمِ ستم بھی — نہ ہوگا تابعِ جور و جفا دل
غلط ہے قولِ عقلِ مصلحت کوش — نہ اس جانب کرے گا اعتنا دل
لٹا کر آنکھ اس جانِ جہاں سے — نہ ہوگا اب کسی سے آشنا دل
مٹے افکارِ گوناگوں کے جھگڑے — ترے غم کو نہ دے کیونکر دعا دل
نہ پہنچے گی کبھی کیا گوشِ گل تک — قفس سے اڑ کے فریادِ عنادل
توانائے صداقت ہے تو ہرگز — نہ ہوگا پیروِ باطل مرا دل

بڑی درگاہ کا سائل ہوں حسرت
بڑی امید ہے میری بڑا دل

کیا ہی شرمندہ چلے ہیں دلِ مجبور سے ہم — آئے تھے انکی زیارت کو بڑی دور سے ہم
دیکھنا ایک نظر بھی انہیں ٹھہرا ہے گناہ — درخورِ عفو ہیں واقف نہ تھے دستور سے ہم
اسکے غم خوار بنے کیا کہ ہوئے خود بھی خراب — کاش مانوس نہ ہوتے دلِ رنجور سے ہم
یاد میں تیری نہ دنیا ہی سے بیزار تھا دل — خلد میں بھی تو مخاطب ہوئے حور سے ہم
ربط باہم کی ہو کیا شکل کہ آگاہ نہیں — دلِ رنجور سے تم خاطرِ مسرور سے ہم

غلبۂ یاس نے اس درجہ ڈرایا ہے کہ اب — دور ہی بھاگتے ہیں عیش کے مذکور سے ہم

حسرتِ آئے گی تسلی کو یہاں روحِ شمیم[1]

قید ہو آئے ہیں جھانسی جو للت پور سے ہم

تصوّر میں وہ شوخ تھا ہم سے باہم — عجب لذّتِ بیخودی تھی فدا ہم

سب آئے پر اک تو نہ آیا نہ آیا — بڑی دیر دیکھا کیے راستا ہم

جدائی کی حد بھی کوئی ہے مقرر — رہیں تجھ سے اے یار کب تک جدا ہم

غمِ یار اے تیرے بسمل ہزاروں — ادھر بھی ہو اک وار تجھ پر فدا ہم

رہا بسکہ عشقِ بتاں مسلکِ دل — نہ جانا کسی نے کہ ہیں باخدا ہم

برا ہو کے زل اب نہ ہو گا کسی کا — چھٹے سب جو تجھ سے ہوئے آشنا ہم

کہاں دل، کہاں وصلِ جاناں کی خواہش — کجا وہ شہنشاہِ خوباں کجا ہم

ترے ہوتے بیشک یہ ہے کفرِ نعمت — جو رکھیں کسی اور کا آسرا ہم

جہاں بخت ہے بادشاہی کی دولت

اسی در کے ہیں ایک حسرت گدا ہم

خطیب دہلی — سنہ ۱۶ء

تجھے جو وفا سمجھیں کب تک بتا ہم — اب ایسے بھی ان کے نہیں مبتلا ہم

عجب ہے یہ راز و نیاز محبت — خفا کیوں ہوئے وہ ہیں اس پر خفا ہم

نہ شیریں و لیلیٰ نہ فرہاد و مجنوں — زمانے میں اب ایک یا تم ہو یا ہم

یہ کیا منصفی ہے کہ محفل میں تیری — کسی کا بھی ہو جرم پائیں سزا ہم

---

[1] عبداللہ خاں شمیم باندوی مدفن جھانسی

ترے جور کا ہے تماشا کہ دیکھیں ‏ ‏ ‏ ابھی کچھ دنوں اور راہِ قضا ہم
غریبوں سے کہتی ہے رحمت یہ انکی ‏ ‏ ‏ کہ ہیں بینواؤں کے حاجت روا ہم
تری راہ میں مر مٹیں بھی تو کیا ہے ‏ ‏ ‏ فنا ہو کے پائیں گے عیشِ بقا ہم
تری خوبی پر ہم تھے واقف تھی پھر بھی ‏ ‏ ‏ ہوئے مفت شرمندۂ التجا ہم

امیری میں ہو یا فقیری میں حسرت
بہر حال ڈھونڈیں گے ان کی رضا ہم

کریں کچھ نہ ہو جائیں تجھ پر فدا ہم ‏ ‏ ‏ اب اس کے بھی لائق نہ ٹھہرینگے کیا ہم
دل و دین و جانِ محباں ہے حاضر ‏ ‏ ‏ جو کچھ حکم عالی ہو لائیں بجا ہم
وہ ہیں درپے صلح پھر بھی خفا ہیں ‏ ‏ ‏ یہ مطلب ہے ان کا کریں ابتدا ہم
شہادت نہیں ہے یہ شوقِ شہادت ‏ ‏ ‏ اسی پر نہ کر لیں کہیں اکتفا ہم
دعائے غریباں کے اے سننے والے ‏ ‏ ‏ ترے در پہ ہیں دیر سے جبہ سا ہم
اگر خوفِ حق دل میں ہوتا تو ہرگز ‏ ‏ ‏ نہ لاتے کبھی خطرۂ ماسوا ہم
یہ باتیں کسی کی بتائی ہوئی ہیں ‏ ‏ ‏ برا تجھ کو کس دل سے کہتے بھلا ہم
بیاں کیا کریں ان کی محفل میں شب بھر ‏ ‏ ‏ جو دیکھا کیے دور سے ماجرا ہم

نکل جائیں کیشِ محبت سے حسرت
جو چاہیں کہیں دردِ دل کی دوا ہم

ہم سے ہو پیروی حق کا سرانجام کہاں ‏ ‏ ‏ دیکھیں اس صبح صداقت کی ہو اب شام کہاں
عشق میں صبر و سکوں ہے دلِ ناکام کہاں ‏ ‏ ‏ اس دلآرام کی خواہش ہے تو آرام کہاں
خاص نعمت ہے کسے لائق ہے گنہگاری عشق ‏ ‏ ‏ درخورِ جاں ہے تری سرزنشِ عام کہاں

پندِ ناصح وہ سنے خوفِ ملامت ہو جسے
پاسِ ناموس کہاں عاشقِ بدنام کہاں

ترکِ آداب کا عشاق سے بیجا ہے گلہ
جب نہ ہو موردِ الزام تو الزام کہاں

کشورِ ہند کہ مغلوب رہا ہے اس میں
نام ہی نام ہے اسلام کا اسلام کہاں

حسرت زار ہے اور کشمکشِ یاس و امید
اب وہ بالیدگیٔ شوق کا ہنگام کہاں

دیدار کی امید میں کرتا ہوں خطائیں
کس درجہ ہوں گرویدۂ اربابِ عطا میں

شاہوں کے تجبّر سے بھی دب کر نہ رہا میں
کس بارگہِ خاص کا آخر ہوں گدا میں

دیکھے کوئی نیرنگِ محبت کے یہ نقشے
کرتے ہیں جفا آپ تو دیتا ہوں دعائیں

اغیار میں اک رشک سے برپا ہے قیامت
حالاں کہ ترے پاس نہ آیا نہ گیا میں

اس شوخِ پشیماں نے رقیبوں سے بگڑ کر
چاہا تھا کہ پھر مجھ سے ملے پر نہ ملا میں

بیکار ہے اظہارِ غضب اہلِ ستم کا
ڈرتا ہوں میں ان سے نہ ڈروں گا نہ ڈرا میں

فریاد سراپا ہے مرے شوق کی ہستی
گویا کہ ہوں اک آہِ مسلسل کی صدا میں

تعزیر کے قابل نہیں گستاخیٔ ارماں
اس بار جب تو نے چلایا تو چلا میں

آزردگیٔ شوق بھی کیا شے ہے کہ حسرت
جانا نہ کسی نے وہ خفا ہیں کہ خفا میں

رسالہ مخزن لاہور
ستمبر ۱۶ء

کیسے چھپاؤں رازِ غم دیدۂ تر کو کیا کروں
دل کی تپش کو کیا کروں سوزِ جگر کو کیا کروں

غیر ہیں گرچہ ہم نشیں بزم میں ہے وہ تو حسیں
پھر مجھے لے چلا وہیں ذوقِ نظر کو کیا کروں

غم کا نہ دل میں ہو گزر وصل کی شب ہو یوں بسر
سب یہ قبول ہے مگر خوفِ سحر کو کیا کروں

حال مرا تھا جب بتر تب تو ہوئے نہ تم خبر
بعد مرے ہوا اثر اب میں اثر کو کیا کروں

دل کی ہوس مٹا تو دی ان کی جھلک دکھا تو دی
پر یہ کہو کہ شوق کی بارِ دگر ،، کیا کرے دل

شورشِ عاشقی کہاں اور مری سادگی کہاں
حسن کو تیرے کیا کہوں اپنی نظر کو کیا کروں

حسرتِ نغز گو ترا کوئی نہ قدرداں ملا
اب یہ بتا کہ میں ترے عرضِ ہنر کو کیا کروں

تاج الکلام نجیب آباد — اگست ۱۹۱۶ء

ان کو دیکھوں یہ مجھ میں تاب کہاں
لے چلا ہے دلِ خراب کہاں

آپ ہوتے ہیں بے نقاب کہاں
شوق ہوتا ہے کامیاب کہاں

عارض بے خودی ہے رنجِ خمار
اب وہ بے مستیٔ شراب کہاں

بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن
خوبیٔ یار کا جواب کہاں

چھوڑ دوں عفوِ حق پہ فکرِ گناہ
مجھ سے ہوتا ہے یہ حساب کہاں

حسرت بشارۂ ثواب کا بار
میں کہاں اور یہ عذاب کہاں

تھا جو مرغوبِ عاشقی حسرت
اب وہ ہنگام اضطراب کہاں

رسالہ صلائے عام دہلی — ستمبر ۱۹۱۶ء

پیروِ مسلکِ تسلیم و رضا ہوتے ہیں
ہم تری راہِ محبت میں فنا ہوتے ہیں

شرم کر شرم کہ اے جذبۂ تاثیر وفا
تیرے ہاتھوں وہ پشیمانِ جفا ہوتے ہیں

چھیڑتی ہے مجھے بیباکیٔ خواہش کیا کیا
جب کبھی ہاتھ وہ پابندِ حنا ہوتے ہیں

نہ اثر آہ میں کچھ ہے نہ دعاؤں میں تاثیر
تیر ہم جتنے چلاتے ہیں خطا ہوتے ہیں

اہلِ دل سنتے ہیں اک سازِ محبت کی نوا
ہم تری یاد میں جب نغمہ سرا ہوتے ہیں

لذتِ درد نہ کیوں اہلِ ہوس پر ہو حرام
کہ وہ کمبخت طلب گارِ دوا ہوتے ہیں

کشورِ عشق میں دنیا سے نرالا ہی رواج
کام جو بن نہ پڑیں یاں وہ روا ہوتے ہیں

یہی ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے | رتبے عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں

جسم ہوتا ہے جدا جان سے گویا حسرت
آسماں ان سے چھڑاتا ہے جدا ہوتے ہیں

تیرے عاشق جو گرفتار بلا ہوتے ہیں | قید افکار سے فی الجملہ رہا ہوتے ہیں
اب جو بگڑے تو خوشامد نہ کریں گے ہم بھی | کہ منانے سے وہ کچھ اور خفا ہوتے ہیں
بے کہے حسن سے کہہ جائینگے ہم شوق کی بات | کچھ یونہی خوب مطالب بہ ادا ہوتے ہیں
ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ پہنچے نہ کہیں تجھ کو گزند | آہ کے بعد ہی ہم صرف دعا ہوتے ہیں
بات کیا ہے کہ شہ عشق کے منظور نظر | جب کبھی ہوتے ہیں تیرے ہی گدا ہوتے ہیں
یا تو ملتا نہیں ساقی سے ہمیں ایک بھی جام | یا جو ہوتے ہیں تو ایک ساتھ عطا ہوتے ہیں
کامیابی رہ حق میں ہے مسلّم ان کی | جو فنا ہو کے سزاوار بقا ہوتے ہیں
گر یہی آپ کی مرضی ہے تو خوش ہیں ہم بھی | لیجئے آپ سے بجرم و سزا ہوتے ہیں

دل سے مجبور نہ ہوتا تو نہ آتا حسرت
آپ اس بات پہ ناحق کو خفا ہوتے ہیں

رسالہ علومات لکھنؤ
۱۹۱۵ء

حسن بے مہر کو پروائے تمنا کیا ہو | جب ہو ایسا تو علاج دلِ شیدا کیا ہو
کثرتِ حسن کی یہ شان نہ دیکھی نہ سنی | برق لرزاں ہے کوئی گرم تماشا کیا ہو
بے مثالی کے ہیں یہ رنگ جو باوصف حجاب | بے نقابی پہ ترا جلوۂ یکتا کیا ہو
دیکھیں ہم بھی جو ترے حسن دلآرا کی بہار | اس میں نقصان ترا اے گلِ رعنا کیا ہو
ہم غرض مند کہاں مرتبۂ عشق کہاں | ہم کو سمجھیں وہ ہوس کار تو بیجا کیا ہو
دلفریبی ہے تری باعث صد جوش خروش | حال یہ ہو تو دلِ زار شکیبا کیا ہو

اخبار ہندوستان لکھنؤ — مئی سنہ ۱۹۱۶ء

رات دن رہنے لگی اس ستم ایجاد کی یاد
حسرت اب دیکھیے انجام ہمارا کیا ہو

سر یہ حاضر ہے جو ارشاد ہو مر جانے کو — کون ٹالے گا بھلا آپ کے فرمانے کو
دانشِ بحث یہ ہے بیدانشیٔ شوق کا نام — لوگ دیوانہ نہ سمجھیں ترے دیوانے کو
بھول جاؤں میں انھیں ہو نہیں سکتا ناصح — آگ لگ جائیو ظالم ترے سمجھانے کو
دیکھ لیں شمع کو تاثیرِ وفا کے منکر — جل بجھی خود بھی جلایا تھا جو پروانے کو
ہو کے سیرابِ کرم دل سے دعا دو ساقی — ایک بار اور بھی بھر دے مرے پیمانے کو
فرقتِ یار میں گھنگھور اٹھی ہے جو گھٹا — اشکِ خوں آنکھ بھی آمادہ ہے برسانے کو
دل یہ کہتا ہے میں ہوں دردِ محبت کا غلام (ق) — جس نے آباد کیا ہے مرے ویرانے کو
روح کہتی ہے مری جان ہے وہ نورِ جمال — کر دیا جس نے منور مرے کاشانے کو

روزنامہ اخبار "ہمدم"، لکھنؤ — اکتوبر سنہ ۱۶ء

برنی کا قول مجھے یاد ہے اب تک حسرت
زندگی کہتے ہیں دنیا سے گزر جانے کو

کامرانی تجھے مبارک ہو — جاودانی تجھے مبارک ہو
اے ترا غم دلوں کو وجہِ سرور — شادمانی تجھے مبارک ہو
جاں فشانی تجھے نصیب رہے — دلستانی تجھے مبارک ہو
ہجر میں یادِ یار کی اے دل — میہمانی تجھے مبارک ہو
مرقدِ عاشقاں پہ آخر کار — گل فشانی تجھے مبارک ہو
با ہزاراں جمال و حسن کمال — نوجوانی تجھے مبارک ہو
جامِ اول وہ پی کے خود بولے — جامِ ثانی تجھے مبارک ہو

ہم فقیروں کی خستہ حالی پہ — مہربانی تجھے مبارک ہو

نکتہ سنجانِ عصر کی حسرت — قدردانی تجھے مبارک ہو

[illegible]

۱۹۱۷

[illegible] — [illegible] ہو [illegible]

[illegible] — [illegible] ہو [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — استغفر اللہ استغفر اللہ

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible] شوق [illegible]

فرقت کی شب [illegible] حسرت

آجائے [illegible] ناگاہ

دستگیری کا طالب ہوں شیئاً للہ — [illegible] میں ناچار ہوں شیئاً للہ

[illegible] شرم [illegible] اب تک [illegible] لیکن — آج [illegible] طلبگار ہوں شیئاً للہ

[illegible] میرا بھی — آپ کا غاشیہ بردار ہوں شیئاً للہ

آپ کا [illegible] میں کس سے — بستۂ دامنِ سرکار ہوں شیئاً للہ

مجھ سے [illegible] کی پستی نہیں دیکھی جاتی — غلبۂ کفر سے بیزار ہوں شیئاً للہ

[illegible] — سخت مشکل میں گرفتار ہوں شیئاً للہ

جو اک نظر کرے تو بر آئے مراد — تشنۂ شربتِ دیدار ہوں شیئاً للہ

[illegible] میری دعا بھی تو نہیں ہے مقبول — میں کہ اک فردِ گنہگار ہوں شیئاً للہ

غوثِ اعظم سے جو مانگو گے ملے گا حسرتؔ
پس کہو حاضرِ دربار ہوں شیئاً للہ

روز و شب رویا کیے شام و سحر رویا کیے — رونے والے تیرے تجھ کو عمر بھر رویا کیے
بیوفائی سب سے کر کے تو نے دی دادِ وفا — تیری اس ہمت پہ تیرے نوحہ گر رویا کیے
خاکساری میں بھی تیری وضعداری کا نقارنگ — یعنی ہم اس سے بھی کر کے درگذر رویا کیے
کچھ خبر ہے تجھ کو اے آسودۂ خوابِ لحد — شب جو تیری یاد میں ہم تا سحر رویا کیے
تیرے جیتے جی نہ جانی قدر تیری اے عزیز — اپنی اس تقصیر پہ ہم کس قدر رویا کیے
جانِ محزون و دلِ پُرغم کی حالت کیا کہوں — یاد کچھ کر کر کے جو بار دگر رویا کیے

[illegible] ۱۹۱۰ء

بر حق کے مرنے کا حسرتؔ واقعہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رویا کیے

تمہید صلحِ شوق کے سامان ہو گئے — جتنے تھے ان کے جور سب احسان ہو گئے
حالت قبولِ عذر سے برعکس ہو گئی — میں شوخ ہو گیا وہ پشیماں ہو گئے
تجدیدِ لطفِ یار کی لذت میں کیا کہوں — شکوے تمام شکر کے عنوان ہو گئے
ان کی نگاہِ قہر کو ہم نے منا لیا — پھر اس طرح کہ خود بھی وہ حیران ہو گئے

حسرتؔ جو کار و بارِ محبت یہی رہا
سن لو گے ہم بھی صاحبِ دیوان ہو گئے

ہر حال میں ناشادیٔ دل یاد رہے گی — پابندیٔ حرمان خداداد رہے گی
بیکار ڈرلاتے ہیں مجھے قیدِ ستم سے — واں روحِ وفا اور بھی آزاد رہے گی
معمورِ غمِ عشق عجب دل کی ہے بستی — ہر چند اجاڑو وہ اسے آباد رہے گی

انکار اور اک جرعۂ صہبا سے بھی انکار — ساقی یہ تری شرم نگہی یاد رہے گی
نسبت جزو و کل کی ہے یہ دنیائے عمل میں — اقوام کو محتاجیِ افراد رہے گی
گھبرا کے کہا روح نے زندان جسد سے — کب تک ابھی اس قید کی میعاد رہے گی

ہیں نازل وہ رضا جو کہ طبیعت مری حسرت
ناکامیِ جاوید سے بھی شاد رہے گی

اخبار زمیندار لاہور ۱۹۱۲ء

گردن داریِ اغیار کا غوغا ہے یہی — جان سے ہم بھی گزر جائیں گے سوچا ہے یہی
خندۂ اہل جہاں کی مجھے پروا کیا تھی — تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا ہے یہی
ہم بھی ہوں درپئے انکار تو کچھ دور نہیں — کہ ترے جور نمایاں کا تقاضا ہے یہی
عین دانائی و حکمت ہے یہ نادانیِ دل — ہمت عشق فداکار کا فتویٰ ہے یہی
اس قدر جلد جو پیمان وفا توڑ دیا — آپ ہی کہئے بھلا آپ کو زیبا ہے یہی
مذہب عشق میں گنجائش تاویل کہاں — دین پر حسن نہ گر دین کا منشا ہے یہی
لے چلو ہم کو جدھر جا بسے گے بےچون و چرا — مسلک اہل رضا جادۂ تقویٰ ہے یہی
محفل ناز میں ہیں جمع بتان کافر — دل کی ہوس ہے کہ اس بزم میں تنہا ہے یہی
دیکھ لیں نور خدا دیکھنے والے حسرت — یعنی اس چہرۂ انور پہ چمکتا ہے یہی
مر مٹیں گے جو غم ہجر کی ابتدا ہے یہی — اُف یہ اک روز ترے عشق میں ہونا ہے یہی
آج اغیار ہیں جو یار تھے کل تک کیا خوب — آپ کے دامن اخلاص پہ دھبا ہے یہی
ناگوارا ہے بہت تلخیِ ہجراں لیکن — تم جو کہتے ہو گوارا تو گوارا ہے یہی
یا ہماری ہی یہ قسمت ہے کہ محروم ہیں ہم — یا مگر ان کی محبت کا نتیجہ ہے یہی

یہ جو اک دردِ محبت کی خلش ہے حسرت
مقصدِ دل ہے یہی جانِ تمنا ہے یہی

وہ عرضِ وصل پہ بگڑے حجاب کے بدلے — نگاہِ ناز نے پہلو عتاب کے بدلے
اگر ہوا بھی تو الٹا اثر دعا میں ہوا — سکونِ یاس ملا اضطراب کے بدلے
خدا کی شان فقیروں کی یاد آئی نہیں — کرم کیا ستم اجتناب کے بدلے
شبِ وصال شبِ ماہ گر نہیں تو نہ ہو — اک آفتاب جو ہے ماہتاب کے بدلے
وہ بے نقاب ہوئے بھی تو کیا، وا کہہ رہے — ہجومِ حسن کے پردے نقاب کے بدلے
بلائے جاں ہیں شہیدوں کو تیرے جور و قصور — یہ کیا عذاب ملا ہے ثواب کے بدلے

فریب سب ہیں یہ آغازِ عشق کے حسرت
وہ لے لینگے اس کرمِ بے حساب کے بدلے

تھا مژدہ وہ بخششِ الٰہی — پیغامِ نسیمِ صبح گاہی
در پے ہے مرے وہ حق فراموش — ثابت ہوئی میری بے گناہی
ہے دل کی صلاح جاں فشانی — از راہِ کمالِ خیر خواہی
کچھ ربطِ جمال و شوق کا حال — معلوم نہ ہو سکا کما ہی
روز و شبِ ہجر میں نہیں اب — کچھ فرق سپیدی و سیاہی
جاری ہے دیارِ عاشقی میں ـــــ — فرمانِ بلا کی و تباہی
زیبائشِ حسنِ دلبراں ہے — یہ کم نگہی، یہ کج کلاہی
از روئے خلوص ہو تو لاریب — دنیا طلبی ہے دیں پناہی

دیتی ہے نگاہ یار حسرت
آگاہی راز کی گواہی

تذکرۃ الشعراء علیگڈھ جنوری ۱۹۱۶ء

زبسکہ ربط رہا ان کی سرگرانی سے
ہیں آشنا نہ ہوا عیش کامرانی سے

ہجوم یاس کا غلبہ ہے ناتوانی پر
جسے سکون وہ سمجھے ہیں بدگمانی سے

حضور یار کرے عرض آرزوئے شوق
مجھے امید نہیں تیری بے زبانی سے

جمال یار کی رنگینیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا ہم نے خوش بیانی سے

انھیں نہ درد دو عالم سے کیا غرض حسرت
جو شادماں ہیں ترے غم کی میہمانی سے

جو دور سے بھی نظر تجھ پہ بار بار ہم کرتے
ہزار جان گرامی نثار ہم کرتے

ترے خیال سے باتیں ہزار ہم کرتے
غم فراق کو یوں خوشگوار ہم کرتے

ہوائے گل میں نہ پروائے خار ہم کرتے
رہ طلب میں قدم استوار ہم کرتے

کسی پر اپنی محبت کا حال کیوں کھلتا
نظر بھی ان پہ جو بیگانہ وار ہم کرتے

ابھی کچھ اور دم واپسیں ٹھہر جاتا!
کچھ اور بھی جو ترا انتظار ہم کرتے

ترے ستم کی شکایت ضرور کیا تھی ہمیں
کہ شوق سے گلۂ روزگار ہم کرتے

غبار راہ محبت اگر کہیں ملتا
تو اس کو تاج سر افتخار ہم کرتے

اگر ذرا بھی انھیں مائل کرم پاتے
تو جان زار کو امیدوار ہم کرتے

وہ بار بار سزا جرم عشق پر دیتے
مگر قصور وہی بار بار ہم کرتے

دلوں کی دشت تمنا میں تھی فراوانی
وہ کہتے ہیں کہ کہاں تک شکار ہم کرتے

وہ وقت بھی کہیں آتا کہ عرض حال کے بعد
تری جفا پہ تجھے شرمسار ہم کرتے

ترا خیال نہ دل سے کسی طرح جاتا — تجھے نہ بھولتے کوشش ہزار ہم کرتے
جو نام آپ کا لیتے سکونِ غم کے لئے — تو دل کو اور بھی کچھ بیقرار ہم کرتے
سمجھ کے چھوڑ دیئے بیحساب آخر کار — کہ دل کے داغ کہاں تک شمار ہم کرتے
ابھی سے تجھ پہ فدا ہو گئے تو غم کیا ہے — کہ یہ وہی ہے جو ہا یانِ کار ہم کرتے
بڑا گناہ کیا ترک مے سے شک میں پڑے — یقین رحمت آمرزگار ہم کرتے

عدو سے کیا ہیں وہ راضی نہ کچھ کھلا حسرتؔ
کہ پھر طریق وہی اختیار ہم کرتے

تاثیر برقِ حسن جو ان کے سخن میں تھی — اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی
واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب — آسودگی کی جان تری انجمن میں تھی
اک رنگ التفات بھی اس بیرخی میں تھا — اک سادگی بھی اس نگہ سحر فن میں تھی
محتاج بوئے عطر نہ تھا جسم خوب یار — خوشبوئے دلبری تھی جو اس پیرہن میں تھی
کچھ دل ہی بجھ گیا ہے مرا ورنہ آج کل — کیفیت بہار کی شدت چمن میں تھی
معلوم ہو گئی مرے دل کو زراہ شوق — وہ بات پیار کی جو ہنوز اس دہن میں تھی
غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی — جو روشنی کہ شام سوادِ وطن میں تھی
عیشِ گداز دل بھی غم عاشقی میں تھا — اک راحت لطیف بھی ضمن محن میں تھی

اچھا ہوا کہ خاطر حسرتؔ سے مٹ گئی
ہیبت سی اک جو خطرۂ دار و رسن میں تھی

سرورِ دلِ عاشقاں ماہِ خوبی — شہنشاہِ خوباں ہے وہ شاہِ خوبی
ترا حسن کیوں کر نہ ہو جان عالم — کہ ہے دل ربائی بھی ہمراہِ خوبی

کوئی عاشقوں میں بھی ہم سا نہ ہوگا — وفادارِ خوباں، ہوا خواہِ خوبی
ہوئے جاتے ہیں بندۂ عشق لاکھوں — زہے سطوتِ خوبی وہ جاہِ خوبی
نہیں عیب کچھ ان میں اور یوں بھی حسرت
تو ہم لوگ ہیں صرف آگاہِ خوبی

رسالہ ذخیرہ حیدرآباد دکن — اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

غمِ زمانہ سے دل کو فراغ باقی ہے — ہنوز ان کی محبت کا داغ باقی ہے
نہ عیش کا نہ کچھ اربابِ عیش کا ہے پتا — نہ خانہ باغ نہ تفریحِ باغ باقی ہے
مسافرانِ فنا کے نشانِ پا سے ہنوز — مقامِ اہلِ وفا کا سراغ باقی ہے
محبت میں سب پہ تقاضائے نسیمِ بہار — یہاں کسے ہوسِ باغ و راغ باقی ہے
نہیں جو قدر زمانہ میں لحنِ بلبل کی — ہنوز غلغلۂ بوم و زاغ باقی ہے
وہ ایک بار جو سونگھی تھی زلفِ یار کی بو — سو وہ آج تلک تر دماغ باقی ہے
دلِ فسردۂ حسرت میں اب وہ بات کہاں
شرابِ جوش کا خالی ایاغ باقی ہے

اس درجہ تجھے مائلِ پرہیز نہ کرتے — ہم جور جو بے جا ترے انگیز نہ کرتے
اب منہ بھی دکھاؤ ہمیں اصرار نہ ہوتا — خود شوق کی تم آگ اگر تیز نہ کرتے
کچھ خاطرِ عشاق بھی منظور تھی ان کو — یوں ورنہ جفا ہائے وفا خیز نہ کرتے
ہم قول کے صادق ہیں اگر جان بھی جاتی — واللہ کبھی خدمتِ انگریز نہ کرتے
کافی تھی مجھے دردِ تہِ جام بھی حسرت
کاسہ جو مرا مے سے وہ لبریز نہ کرتے

بہت خجل ہے ترے در سے دعا میری — یہ خوف ہے کہ نہ سن لے کہیں خدا میری

ہوئی ہے عشق میں عزت بسِ فنا میری
کرامتیں ہیں جو مشہور جا بجا میری

جدھر کو اب وہ چلائے وہی ہے راہِ مراد
رضائے یار سے وابستہ ہے رضا میری

چھپے وہ مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی
وہ چاہتے تھے کہ نہ دیکھے کوئی ادا میری

کہیں وہ آکے مٹا دیں نہ انتظار کا لطف
کہیں قبول نہ ہو جائے التجا میری

نہ کیوں ہو عشق میں دعوائے امتیاز مجھے
کہ جورِ حسن سے منسوب ہے وفا میری

وہ بگڑے بیٹھے ہیں اس پر کہ ہمکو کیوں چاہا
ہوئی تھی گر تو یہ ثابت ہوئی خطا میری

کبھی چرا کے جو روزن سے بھی تجھے دیکھوں
تو جور کی جو سزا ہو وہی سزا میری

وصالِ یار کی منزل قریب ہے حسرت
ہوئی ہے آرزوئے شوق رہنما میری

رسالہ النظامیہ لکھنؤ — ستمبر ۱۹۱۶ء

ان کو نہ کوئی سمجھے بیداد نہیں کرتے
ہم جور کے خوگر ہیں فریاد نہیں کرتے

دنیا جو ہو دلدادہ آخر یہ ادا کیا ہے
انکار نہیں ہوتا ارشاد نہیں کرتے

سر پیشۂ ستم اپنا ہرگز نہ فرد ہوگا
اس کارِ غلاماں کو آزاد نہیں کرتے

اس پر بھی کچھ ایسا ہے راضی نہیں ہم دونوں
ہم شاد نہیں ہوتے تم شاد نہیں کرتے

روح ان کی حقیقت میں ویران فراغت ہے
جو دل کو ترے غم سے آباد نہیں کرتے

کب سے درِ دولت پر ہوں منتظرِ رحمت
کچھ آپ مرے حق میں ارشاد نہیں کرتے

کر وقفِ بتاں حسرت تا حق نہ خلوص اپنا
اس جنسِ گرامی کو برباد نہیں کرتے

رسالہ ذخیرہ — حیدرآباد دکن ۱۹۱۶ء

میں ہوں کیا میری محبت کی حقیقت کیا ہے
اس نے یہ بھی تو نہ پوچھا تری حالت کیا ہے

ہمکو واعظ یہ خبر سب ہے کہ جنت کیا ہے
کوچۂ یار سے لیکن اسے نسبت کیا ہے

جسکی ذلت میں بھی عزت ہو سزا میں بھی مزا
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ محبت کیا ہے

مجھ سے برگشتہ نہ ہوتے تو تعجب ہوتا
آپ کو عذر تغافل کی ضرورت کیا ہے

کیوں ہے در پردہ لگاوٹ جو بظاہر ہے گریز
نہ کھلا کچھ نگہ یار کی نیت کیا ہے

شادماں ہو کے ترے درد سے یہ کہتا ہے دل
ہے اذیت جو یہی تیز تو راحت کیا ہے

خوف ہو ان کو تو ہو حسن کی بدنامی کا
ہم ہیں عاشق ہمیں پروائے ملامت کیا ہے

تم یہ پھر بھی تو نہ سمجھے کہ کرم ہے کیا شے
ہم نے پھر بھی نہ جانا کہ شکایت کیا ہے

الناظر لکھنؤ
اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء

رند مے نوش کبھی، صوفیٔ صافی ہے کبھی
حسرت آخر یہ ترا رنگ طبیعت کیا ہے

جاں کہ پے دوست رواں ہو گئی
بے خبر کون و مکاں ہو گئی

یاس ہے مایوس کہ چشمِ امید
پھر تری جانب نگراں ہو گئی

دلبریٔ حسن ترے عہد میں
فتنۂ ہر پیر و جواں ہو گئی

پہلے تو ارزاں تھی متاعِ وفا
اب یہ میرے بعد گراں ہو گئی

کس کی گلی ہے یہ، جہاں بارہا
روح مری نالہ کناں ہو گئی

کس کو یہ دیکھا کہ میرے دل کی آنکھ
قبلۂ صاحب نظراں ہو گئی

یاد الٰہی میں کٹی تھی جو عمر
آج وہی نذر بتاں ہو گئی

ہم سے تھی مخصوص پر اب وہ نظر
مایۂ ناز دگراں ہو گئی

جسم کی تکلیف ترے شوق میں
میرے لئے راحتِ جاں ہو گئی

موت سے پوری ہوئی شرطِ وفا
پر نہ کہا تم نے کہ ہاں ہو گئی

روح کو حاصل نہ ہوا ذوقِ عشق
مشتغل سود و زیاں ہو گئی

رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ — اکتوبر ۱۹۱۶ء

ضبط سے حسرتؔ نہ چھپا رازِ غم
حالتِ دل صاف عیاں ہو گئی

ضیائے مہر ہے نورِ قمر ہے — جمالِ یار ہی سو جلوہ گر ہے
نہیں کچھ کائناتِ عشقِ خوباں — فریبِ حسن و نیرنگِ نظر ہے
سرشکِ شوق کے رتبے ہیں عالی — کہ ان سے آئینِ حسن تر ہے
نہیں اک دل ہی بیتابِ غمِ ہجر — کہ حالِ جاں بھی کچھ نوعِ دگر ہے
چلے ہیں چھوڑنے کو سر کہاں ہم — کہ اس در تک بھلا کس کا گذر ہے
ہے زاہد کو بھی فکرِ ترکِ دنیا — غرض یاں رنج سے کس کو مفر ہے
دلِ مضطر کو ڈھونڈو اس گلی میں — وہیں ہوگا کہیں موجود اگر ہے
وظیفے سب چھٹے اک نام تیرا — دعائے شام ہے وردِ سحر ہے

رسالہ تمدن لکھنؤ اکتوبر ۱۹۱۶ء — بہ تقلید انداز جراتؔ

بظاہر بے خبر ہے عقلِ حسرتؔ
حقیقت میں اسے سب کچھ خبر ہے

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے — ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے
باہزاراں اضطراب و صد ہزاراں اشتیاق — تجھ سے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے
بار بار اٹھنا اسی جانب نگاہِ شوق کا — اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے
تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہو جانا مرا — اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے
کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً — اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے
جان کر سوتا تجھے وہ قصدِ پابوسی مرا — اور ترا ٹھکرا کے سر وہ مسکرانا یاد ہے
تجھ کو جب تنہا کبھی پاتا تو ازراہِ لحاظ — حالِ دل باتوں ہی باتوں میں جتانا یاد ہے

جب ہوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا
سچ کہو کچھ تم کو بھی وہ کارخانہ یاد ہے

غیر کی نظروں سے بچ کر سب کی مرضی کے خلاف
وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے

آ گیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکرِ فراق
وہ ترا رو رو کے مجھ کو بھی رلانا یاد ہے

دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے
وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے

آج تک نظروں میں ہے وہ صحبتِ راز و نیاز
اپنا جانا یاد ہے تیرا بلانا یاد ہے

میٹھی میٹھی چھیڑ کر باتیں نرالی پیار کی
ذکرِ دشمن کا وہ باتوں میں اڑانا یاد ہے

دیکھنا مجھ کو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے
جب منا لینا تو پھر خود روٹھ جانا یاد ہے

چوری چوری ہم سے تم آ کر ملے تھے جس جگہ
مدتیں گزریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے

شوق میں مہندی کے وہ بے دست و پا ہونا ترا
اور مرا وہ چھیڑنا وہ گدگدانا یاد ہے

رسالہ مدن لکھنؤ نومبر ۱۹۱۲ء

باوجودِ ادعائے اتقا حسرت مجھے
آج تک عہدِ ہوس کا وہ فسانا یاد ہے

بہ پیروی مصحفی

پردے سے اک جھلک جو وہ دکھلا کے رہ گئے
مشتاقِ دید اور بھی للچا کے رہ گئے

گم کردہ راہِ عشق فنا کیوں نہ ہو گیا
احساں جو اس پہ خضر و مسیحا کے رہ گئے

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حسن
آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

جب عاشقوں سے مژدۂ ہجراں انھوں نے کہا
آخر کو ایک روز وہ ہم کھا کے رہ گئے

جب وہ چلا تو کچھ نہ رہا دل میں ان مگر
داغِ فراق اس گلِ رعنا کے رہ گئے

ملنے کی ان سے ایک بھی صورت نہ بن پڑی
سارے منصوبے دلِ دانا کے رہ گئے

دل کا جو برہمیِ غیر سے آئے ہو رکے اے ہمیں
کہتے بنا نہ کچھ وہ تبسم کیا کے رہ گئے

بیتاب تھا زبس کہ دلِ اضطرابِ شوق
شرما کے وہ کبھی کبھی جھنجھلا کے رہ گئے

دل کی لگی بجھا بھی وہ سکتے تو بات تھی ۔۔۔ یہ کیا ہوا کہ آگ ہی بھڑکا کے رہ گئے
آئے بھی وہ چلے بھی گئے وہ مثالِ برق ۔۔۔ دل ہی میں حوصلے دلِ شیدا کے رہ گئے
کیا دل میں آ گئی جو زراہِ کمالِ رحم ۔۔۔ دعوے وہ نامہ بر کے قتل کا فرما کے رہ گئے
پہلے تو خون میرا بہایا خوشی خوشی ۔۔۔ پھر کیا وہ خود ہی سوچ کے پچھتا کے رہ گئے

دعوئے عاشقی ہے تو حسرت کرو نباہ
یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

حور و غلماں پہ کیوں فدا ہوتے ۔۔۔ اہلِ ظاہر جو پارسا ہوتے
کچھ بھی ہوتا جو اختیار اپنا ۔۔۔ تجھ سے کاہے کو ہم جدا ہوتے
شوق کو اتقا سے کیا نسبت ۔۔۔ رند ہوتے نہ ہم تو کیا ہوتے
کس قدر سہل ہے حصولِ بقا ۔۔۔ دیر لگتی نہیں فنا ہوتے
ہم کو ہوتی نہ خرمی کی ہوس ۔۔۔ گر ترے غم سے آشنا ہوتے
تم لگاتے جو اپنے ہاتھ سے تیغ ۔۔۔ سب مرے زخم دل کشا ہوتے

حالِ دل ان سے کیوں کہا حسرت ۔۔۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء
تم نہ کہتے نہ وہ خفا ہوتے ۔۔۔ رسالہ مخزن لاہور

آپ نے قدر کچھ نہ کی دل کی ۔۔۔ اڑ گئی مفت میں ہنسی دل کی
خوب ہے از بسکہ عاشقی دل کی ۔۔۔ غم سے وابستہ ہے خوشی دل کی
یاد ہر حال میں رہے وہ مجھے ۔۔۔ الغرض بات رہ گئی دل کی
مل گئی ہم کو ان سے دادِ وفا ۔۔۔ جو نہیں جانتے لگی دل کی
ہیں جلے سے محوِ خوابِ ناز ہیں وہ ۔۔۔ بیکلی ہم نے دیکھ لی دل کی

نہ تن صرفِ ہوشیاریٔ عشق — کچھ عجب شے ہے بیخودی دل کی
ان سے کچھ تو ملا وہ غم ہی سہی — آبرو کچھ تو رہ گئی دل کی
مرمٹے ہم نہ ہو سکی پوری — آرزو غم سے ایک بھی دل کی

وہ جو بگڑے رقیب سے حسرتؔ
اور بھی بات بن گئی دل کی

رسالہ تذکرۃ الشعراء علی گڈھ — جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

نشانۂ ستمِ بے حساب رہنے دے — خراب حال دل کو خراب رہنے دے
نہ چھیڑ دیکھ انھیں محوِ خواب رہنے دے — خدا کے واسطے یہ اضطراب رہنے دے
شتاب کارِ محبت ہوں میں نہیں معلوم — کہ چین سے انھیں کب تک یہ تاب رہنے دے
ہلاکِ عشق تری چشمِ نیم وا پہ نثار — نہ ڈال مجھ پہ یہ افسونِ خواب رہنے دے
مجھے عذاب میں ہے جانِ بیلشاں ساقی — نہیں شراب تو ذکرِ شراب رہنے دے
زمانِ شیب میں اے یارِ ہمنشیں مجھ سے — بیانِ قصۂ عہدِ شباب رہنے دے
تو اپنی سادگیٔ حسن آئینے میں نہ دیکھ — یہی ہے خوب کہ تو اپنا پردہ رہنے دے
تجھے یہ کس نے سکھائی فریبِ حسن کی بات — نہ اہلِ شوق کو ناکامیاب رہنے دے

میں چاہتا تو بہت ہوں کہ چپ رہوں حسرتؔ
پہ جب نہ خاطرِ صبر و تاب رہنے دے

تخمیسِ حسرتؔ موہانی بر غزلیاتِ خواجہ حافظ و امیر خسروؒ

وہ رنگینِ گلِ گلشنِ رعنائی — وہ سرمایۂ نازشِ مقتدائی
وہ زیبندۂ مسندِ مصطفائی — سلامے چو بوئے خوشِ آشنائی

بداں مردم دیدۂ روشنائی

بدرگاہِ آں دلبرِ دلربایاں — جز ایں ہیچ ناید ز ما بینوایاں
دعائے چو حسنِ تمنائے مایاں — دردے چو نورِ دلِ پارسایاں
بداں شمع خلوت گہِ پارسائی

خبردار اے میکشِ ناشکیبا — نہ کرنا کہیں ترکِ مے کا ارادہ
بر آنے کو ہے تیرے دل کی تمنا — نہ کوئے مغاں رو مگرداں کہ آنجا
فروشند مفتاحِ مشکل کشائی

رہا کیوں نہ فرمانِ حق کا یہ تابع — ہوئی خدمتِ غیر میں عمر ضائع
مضر ہے وہ سمجھے ہیں سب جسکو نافع — مرا گر تو بگذاری اے نفسِ طامع
بسے پادشاہی کنم در گدائی

رہِ حق میں پہنچے جو تجھ کو اذیت — نہ ہو اس سے ہرگز تری پست ہمت
رہے یاد حسرت یہ پیرِ مغاں نصیحت — ولیکن حافظ از جورِ گردوں شکایت
چہ دانی تو اے بندہ کارِ خدائی

اے وجہِ سرورِ بادہ نوشاں — وے باعثِ نازِ دلق پوشاں
اے موجبِ حیرتِ خموشاں — اے میرِ ہمہ شکر فروشاں
توبہ شکنِ صلاح کوشاں

کئے جیسے اسلاتِ التفاتی — اس سے بھی نہ ہم ہوئے تلافی
بدلا نہ وہ حالتِ فراقی — عشاق ز دستِ چوں تو ساقی
خونابہ بجائے بادہ نوشاں

کرتا ہے کوئی تری شکایت   کوئی ترے لطف کی روایت
یعنی بہ شکایت و حکایت   از تو سخنے بہر ولایت
خسرو بہ ولایت خموشاں

حیران جمال پاک رویت   سرگشتۂ شوق جستجویت
جاں باختہ ہوائے کویت   دیوانہ شدم در آرزویت
لے چشم ہمہ جہاں بسویت

ہر چند کہ جرم او کبیر است   بر درگہ عفو تو فقیر است
اے آنکہ عطائے تو کثیر است   خسرو بکمند تو اسیر است
بیچارہ کجا رود ز کویت

مبارک تھا عجب وہ وقت مسعود   ہوا جب دامن تقوی مے آلود
ز روئے التفات واز رہ جود   چو شوقم دید در ساغر مے افزود
بگفتم ساقی فرخندہ پے را

بلندی ہے نظر میں اب نہ پستی   نہ ویرانہ ہی بھاتا ہے نہ بستی
بنا کر سر بسر مغلوب مستی   رہانیدی مرا از شر ہستی
چہ بہبودی بپیا سپے جام مے را

ہوا زہد ریائی سے میں تائب   محاسن ہو گئے میرے معائب
مٹائے تو نے سب رنج و مصائب   حماک اللہ عن شر النوائب
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

زغم ہائے جہاں باکے ندارد — بہ شغلِ عشق مے خوش میگذارد
کسے را ہیچ در خاطر نیارد — چو بیخود گشتہ حافظ کے شمارد
بیک جو دولتِ کاؤس و کے را

615

دیوان حسرت

موہانی

حصّہ سوم

جس میں مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی اڈیٹر اردوئے معلیٰ علی گڑھ کی غزلیں درج ہیں جو دیوانِ حسرت حصہ دوم کی ترتیب و تدوین کے بعد لکھی گئیں

اور جو

اکتوبر ۱۹۱۶ء سے جولائی ۱۹۱۷ء تک اردو زبان کے قریب قریب کل رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو کر عام طور پر مشہور اور مقبول ہو چکی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

درسِ حق جاری ہے یاں بھی حسرتِ آزاد کا
قید خانہ مدرسہ گویا ہے فیض آباد کا

کامیابی پر غضب نازاں ہیں اربابِ ہوس
ہر طرف اک شور برپا ہے مبارکباد کا

یہ بھی کیا انصاف ہے اے دشمنِ اہلِ وفا
ہم ہیں ناکام یوں اور کام ہو حساد کا

ٹوٹ جائے کیوں نہ ہمت عاشقِ ناکام کی
جب نتیجہ کچھ نہ نکلے کوششِ برباد کا

مان لیں گے آپ کی خاطر سے یہ بھی ہم مگر
بھید کچھ کھلتا نہیں ہے آپ کے ارشاد کا

جلوۂ امید گویا درمیانِ فکر و یاس
اک نمونہ ہے چراغِ رہ گذارِ باد کا

سن کے ذکرِ عشق رہ جاتے ہیں اکثر ہم خموش
اب تلک اتنا اثر باقی ہے انکی یاد کا

لطف کی نوبت بھی آئے گی کبھی اے نازِ یار
ختم بھی ہوگا کہیں یہ سلسلہ بیداد کا

شاہِ جیلاں سے یہ حسرتؔ عرض ہے اسلام کی
یوں نہ ہونا چاہیئے تھا فیصلہ بغداد کا

دلِ مایوس کو گر دیدۂ گفتار کر لینا
وہ ان کا پردۂ انکار میں اقرار کر لینا

سکونِ یاس بھی ممکن نہیں اب ہم غریبوں کو
قیامت ہے کسی کا وعدۂ دیدار کر لینا

کہیں آؤ جو آنا ہے کہ ہو لیں شاد ہم بھی
ہمارے بعد پاسِ خاطرِ اغیار کر لینا

ستم سے وہ نہ باز آئے تو ہم پر بھی ہوا لازم
دلِ مجبور کو خوگرِ آزار کر لینا

حصولِ رحمتِ حق کیلئے کافی ہے محشر میں
گناہِ عصیاں کو زیبِ طرۂ دستار کر لینا

وہ دن اب یاد آتے ہیں بہا خوں فشانی کے
وہ میرا جیب کو، دامن کو بھی گلنار کر لینا

یہ کیا ابتدا پسندی ہے کہ حسرتؔ عشقِ جاناں میں
تجھے ہر عقدۂ آساں کو بھی دشوار کر لینا

بجا ہے عاشقی میں ہم کو دعویٰ سرفرازی کا
کہ نکلا ہے ہمیں بات تمام تیری دل نوازی کا

رہے گا حشر تک افسانہ باقی عشق بازوں میں
ہماری جانفشانی کا تمہاری بے نیازی کا

ملامت بارِ ظاہر سے ہیں سب یہ غم ہوں کہ باطن نما
ملا ہے سلسلہ حسنِ حقیقی سے مجازی کا

مٹا کر مجھ کو تکلیفیں مٹا دیں سب محبت کی
ادا اس بے وفا نے کر دیا حق چارہ سازی کا

یہ آخر تا کجا مشقِ جفا کچھ حد بھی ہے ظالم
زمانہ ہو گیا پامال تیری ترک تازی کا

مصیبت اسکو راحت ہے فراغت اسکو زحمت ہے
مزا کچھ دل کو ایسا پڑ گیا ہے عشق بازی کا

نظر بازی کی حسرتؔ خو بری ہے ورنہ لوگوں میں
بہت شہرہ سنا تھا ہم نے تیری پاک بازی کا

اخبار وکیل امرتسر
نومبر ۱۹۱۶ء

ایمان واتقا ہی نہیں شانِ اولیا
بے حزن و خوفِ غیر بھی ہے جانِ اولیا

اسلام بے مثال ہے اسلامِ عاشقاں
ایمانِ بے تقلید ہے ایمانِ اولیا

اسلامِ عاشقاں کی اگر ہے طلب تجھے
اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیا

آئی ہوئی رضائے الٰہی کی ہے برات
سب کربلا میں جمع ہیں مہمانِ اولیا

گلگوں لباسِ خونِ شہادت پہن کے آج
دولہا بنے گا وہ شہِ خوبانِ اولیا

روشن ہے نورِ صبر و سکوں سے سوادِ شام
تاباں ہے صبحِ عشق درخشانِ اولیا

زنجیر و طوقِ ظلم کا عابد کو غم نہیں
ہمرنگ بزمِ عیش ہے زندانِ اولیا

صبر و صلوٰۃ عشق سے ہیں سب کے دل تو ان ثابت قدم ہیں سارے مریدانِ اولیا
ہر سو عیاں ہے صبغتہ اللہ کی بہار رونق پہ ہے خزاں میں بھی بستانِ اولیا
جانیں ہوئیں ہیں جن کی رہِ شوق میں نثار حاشا جو ہوں فنا وہ محبانِ اولیا

حسرتؔ حسینؑ ابن علیؑ کا ہوں میں غلام
رسالہ نقاد آگرہ — مئی ۱۹۱۷ء
حاصل ہے مجھ کو فضل نمایانِ اولیا

بام پر آنے لگے وہ سامنا ہونے لگا اب تو اظہارِ محبت بر ملا ہونے لگا
عشق سے پھر خطرۂ ترکِ وفا ہونے لگا پھر فریبِ حسن سرگرمِ ادا ہونے لگا
کیا کہا میں نے جو ناحق تم خفا ہونے لگے کچھ سنا بھی یا کہ یونہی فیصلہ ہونے لگا
اب غریبوں پر بھی ساقی کی نظر پڑنے لگی بادۂ پس خوردہ ہم کو بھی عطا ہونے لگا
میری رسوائی سے شکوہ ہے یہ انکے حسن کو اب جسے دیکھو وہ میرا مبتلا ہونے لگا
یاد پھر اس بے وفا کی ہر گھڑی رہنے لگی پھر اسی کا تذکرہ صبح و مسا ہونے لگا
کچھ نہ پوچھو حال کیا تھا خاطرِ بیتاب کا ان سے جب مجبور ہو کر میں جدا ہونے لگا
شوق کی بیتابیاں حد سے گزر جانے لگیں وصل کی شب وا جو وہ بندِ قبا ہونے لگا
کثرتِ امید بھی عیش آفریں ہونے لگی انتظارِ یار بھی راحت فزا ہونے لگا
غیر سے مل کر انہیں ناحق ہوا میرا خیال مجھ سے کیا مطلب بھلا میں کیوں خفا ہونے لگا
قیدِ غم سے تیرے جاں آزاد کیوں ہونے لگی دامِ گیسو سے ترے دل کیوں رہا ہونے لگا

کیا ہوا حسرتؔ وہ تیرا ادعائے ضبطِ غم
اخبار نئی روشنی الہ آباد — جنوری ۱۹۱۷ء
دو ہی دن میں رنجِ فرقت کا گلا ہونے لگا

اک شوخ بے وفا پہ دل آیا حضور کا آخر پڑا اٹھانا صدر دل ناصبور کا

ایسا بھی دے کے دل کوئی مجبورِ غم نہ ہو — یوں بھی نہ خاتمہ ہو کسی کے غرور کا
اب ہیں گناہِ عشق میں خود وہ بھی مبتلا — مجھ پہ گماں جو کرتے تھے فسق و فجور کا
خودداریوں میں عشق ہمارا بھی فرد ہے — غرہ بہت نہ ہو انھیں حسنِ غیور کا
دو شوق سے جو چاہو سزا جرمِ شوق کی — خود مجھ کو اعتراف ہے اپنے قصور کا
دنیا میں تو ملی نہ ہمیں دادِ صبر کی — اک آسرا اب تو ہے روزِ نشور کا

پیغامِ مرگ پر مجھے آتا نہیں یقیں
حسرتؔ ہے سخت واقعہ مرنا ظہورؔ[1] کا

حائل تھی بیچ میں جو رضائی تمام شب — اس غم سے ہم کو نیند نہ آئی تمام شب
کی پاس سے ہوس نے لڑائی تمام شب — تم نے تو خوب راہ دکھائی تمام شب
پھر بھی تو ختم ہو نہ سکی آرزو کی بات — ہر چند ہم نے ان کو سنائی تمام شب
بیباک ملنے ہی جو ہوئے ہم تو شرم سے — آنکھ اس پری نے پھر نہ ملائی تمام شب
دل خوب جانتا ہے کہ تم کس خیال سے — کرتے رہے عدو کی برائی تمام شب
پھر شام ہی سے کیوں وہ چلے تھے چھڑا کے ہاتھ — دکھتی رہی رہی جو ان کی کلائی تمام شب

حسرتؔ سے کچھ وہ آتے ہی ایسے ہوئے خفا
پھر ہو سکی نہ ان سے صفائی تمام شب

تجھ کو اس جانِ جاں سے کیا نسبت — خار کو ضیمراں سے کیا نسبت
پایۂ عرش ہے بلند مگر — آپ کے آستاں سے کیا نسبت

---

[1] سید ظہور الحسن برادر زادہ حسرتؔ انتقال دسمبر ۱۹۱۶ء

خاکِ یثرب کی سرفرازی کو — پستیٔ آسماں سے کیا نسبت
ذرۂ خاکِ راہ یار ہوں میں — مجھ کو شوقِ جناں سے کیا نسبت
جانِ واعظ ہے ذکر و فکرِ بہشت — ہم کو اس داستاں سے کیا نسبت
دل کو صبر و سکوں سے کیا مطلب — مجھ کو تاب و تواں سے کیا نسبت

لاابالی مزاج حسرتؔ کو
فکرِ سود و زیاں سے کیا نسبت

غم کو اس نوجواں سے کیا نسبت — فصلِ گل کو خزاں سے کیا نسبت
اور خنجر بھی تیز ہیں لیکن — تیری تیغِ رواں سے کیا نسبت
سخنِ پیر شاعراں کو بھلا — میری فکرِ جواں سے کیا نسبت
میں کہ مایوسِ عاشقی ہوں مجھے — خاطرِ شادماں سے کیا نسبت
نارِ دوزخ سے کیوں ڈرتے آسی — میرے سوزِ نہاں سے کیا نسبت
پائے گُل شاہدانِ گلشن کو — میرے سرورِ رواں سے کیا نسبت

عشقِ ناکردہ کار کو حسرتؔ
حسنِ دامن کشاں سے کیا نسبت

نامرادی کا دلِ زار کو شکوہ ہے عبث — اور کچھ اس کے سوا ان سے تمنا ہی عبث
واقفِ رحم نہیں اس شہِ خوباں کی نظر — عاشقی مملکتِ حسن میں رسوا ہی عبث
خو سے اس محوِ تغافل کے جو آگاہ نہیں — آرزو وعدۂ جاناں پہ شکیبا ہے عبث
حالِ دل ان سے نہ پوشیدہ رہا ہے نہ ہے — اب تو اس رازِ نمودار کا اخفا ہی عبث
ہجرِ ساقی میں بھلا کس کو خوش آئے گی شراب — ہمنشیں تو طلبِ ساغر و مینا ہے عبث

مست غفلت ہے وہ ظالم جو نہیں بیخودِ عشق — ہوشیاری کا ترے دور میں دعوی ہے عبث
ہم کو اس شوخ سے امید کرم ہے لیکن — یاس کہتی ہے کہ حسرت یہ تمنا ہے عبث

کچھ مرے کام نہ آئیگا طبیبوں کا علاج — بے ثمر ہے کبھی سرگشتہ نصیبوں کا علاج
کیا ہوا اگر نہ کیا اس نے دلِ زار پہ رحم — کون کرتا ہے بھلا ایسے غریبوں کا علاج
اب تمہیں آؤ تو شاید ہمیں صحت ہو نصیب — ہو چکا خوب عزیزوں کا طبیبوں کا علاج
محفل حسن میں ہے دخل ہوس آج تلک — بن پڑا آپ سے کچھ بھی نہ رقیبوں کا علاج

حال دل پہلے ہی ابتر تھا اور اب تو حسرت
نہ عزیزوں کی دعا ہے نہ طبیبوں کا علاج

رسالہ مخزن لاہور — اپریل ۱۹۱۷ء

عشق میں ہیچ ہے پابندیٔ برہاں کی صلاح — ماننا چاہیے ہم کو دلِ ناداں کی صلاح
دل بھی راضی ہے کہ آلودۂ فریاد نہ ہو — ہم بھی خوش ہیں کہ یہی ہے غم پنہاں کی صلاح
زندگی درد پہ موقوف ہے اے چارہ گرد — یہ مری موت کے ساماں ہیں کہ درماں کی صلاح
دل افسردۂ عاشق کے لئے ہے بیکار — دستۂ گل و سنبل و ریحاں کی صلاح
جانِ افگار پہ طاری ہوئی رقت کیا کیا — آبلوں سے جو سنی خار مغیلاں کی صلاح
حل کھلے اب یہ کہیں جلد، کہ ہوتی ہے یہی — دل سوزاں کے لئے دیدۂ گریاں کی صلاح
در پے عشق رہی خاطرِ دشوار پسند — نہ سنی ہم نے کسی خواہش آساں کی صلاح
موسم گل میں عجب کیا ہے اگر مان گیا — شوق پیمانہ طلب مستیٔ پیماں کی صلاح

کیسے کہدوں کہ میں اب بھی نہ سنوں گا حسرت
حکم ناصح تو نہیں ساقیٔ دوراں کی صلاح

رسالہ ترجمان لاہور

یونہیں بڑھتا جو رہا رونق مے ناب کا نرخ — نقد جاں ٹھہرے نہ اس گوہر نایاب کا نرخ

لطف کیا تیری جفا بھی تو کسے کی نہ قبول — کچھ ابھی اور گھٹے گا دلِ بیتاب کا نزع

حسن کے ملک میں یہ جنس بہت ہے حسرت
کیوں نہ ارزاں ہو غمِ شوق کے اسباب کا نزع

باتیں ہیں ہیں آنسو اپنا تو ہیں نظر بند — ہے دیدۂ دل ہاز بیاں دیدۂ سر بند
بیگانہ تعصبات ہیں لب ہائے شکایت — جب سے کہ ہوئی کشورِ ارماں کی نظر بند
فریاد کو دل کی کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے — گویا ہے دعاؤں پہ مری بابِ اثر بند
نیند ان کی اڑی جاتی ہے باتیں کرکے نالاں — کیا اب بھی نہ ہو گا یہ ترا دردِ سحر بند

اس غم طلبی کی بھی کوئی حد ہے کہ حسرت
بیچین ہوئے ہم تو ہوا دردِ جگر بند

وہ ملیں آکے ملا کوئی نہ ایسا تعویذ — یوں تو ہم سے نہ بچا ایک بھی گنڈا تعویذ
تم نے اک خط جو لکھا تھا سو پے راحتِ دل — ہم نے اس نقشِ محبت کا بنایا تعویذ
اضطرابِ دلِ بیتاب میں ہو گی نہ کمی — ہاتھ آئے گا نہ جب تک کوئی ان کا تعویذ
قابلِ دید ہے اس شاہدِ رعنا کی بہار — شوخ کچھ تم سے بھی ہے بڑھ کے تمہارا تعویذ

دل دیوانۂ حسرت ہے اسی کا تو بلاک
وہ گلے میں ترے سرخ پڑا تھا تعویذ

چھپ نہیں سکتی چھپانے سے محبت کی نظر — پڑ ہی جاتی ہے رخِ یار پہ حسرت کی نظر
یوں نہیں گر دیدہ نہیں کچھ تری صورت کی نظر — مگر اس رنگ میں جویا ہے حقیقت کی نظر
گرچہ ہے پردۂ انکار میں ہمشکلِ عتاب — پھر بھی ہے صاف نمایاں وہ اجازت کی نظر
حسن کا راز نہ پوشیدہ رہا ہے نہ رہے — چاہنے والے بھی رکھتے ہیں قیامت کی نظر

ہجر ہمارے بنے لگے بالائے کچھ یاد نہیں
وہ مراعات کی باتیں وہ مروت کی نظر

آسرا ہم بھی لگائے ہوئے بیٹھے ہیں ترا
اس طرف بھی کوئی ہو جلوۂ عنایت کی نظر

ہو سکے گر لطیفہ ہو قبول، تجھ کو مبارک حسرت
ان کی رحمت کے یہ انداز یہ رافت کی نظر

رسالہ الناظر لکھنؤ — فروری ۱۹۱۵ء

وہ قامتِ بلند نہیں در قبائے ناز
اک سروِ ناز ہے جو بنا ہو برائے ناز

اس نازنیں پہ ختم ہیں سب شیوہ ہائے ناز
جس کو بنا کے خود بھی ہے نازاں خدائے ناز

کیا کیا نہ آرزو کے بڑھیں دل میں حوصلے
رکھ دیں کبھی جو فرقِ ہوس پر وہ پائے ناز

ارباب اشتیاق ہیں اور انتہائے شوق
حالانکہ حسنِ یار ہے اور ابتدائے ناز

ہم پر نگاہِ یار سے گزرا جو تھا کبھی
ہے آج تک وہ پیشِ نظر ماجرائے ناز

کچھ یونہی نہیں اپنے حسن پہ مغرور تھا وہ شوخ
کچھ لے اڑی تھی اور بھی اسکو ہوائے ناز

اہلِ نظر کی جان ہے جس چیز پر نثار
اک بات ان میں اور بھی کچھ ہے سوائے ناز

پہلی جو ان کے برقِ تبسم کی روشنی
لبریز نور ہو گئی یکسر فضائے ناز

حیران کارِ حسن نہاں ہے زبانِ عشق
یعنی وہ مدحِ غمزہ کرے یا ثنائے ناز

شوقِ لقائے یار میں مرتے تو ہو مگر
حسرت جو نقدِ جاں بھی نہ ٹھہرے بہائے ناز

ایسی نکلی نہ کوئی جی کی ہوس (ق)
اب ہوس ہی نہیں اور بیدلی کی ہوس

کہ رہے دل نہ بیقراریٔ دل
عاشقی ہو نہ عاشقی کی ہوس

وہ ستمگر بھی ہے عجیب کوئی
کہ ہوئی دل کو پھر اسی کی ہوس

پھرتی رہتی ہے آدمی کو لیے
خوار دنیا میں آدمی کی ہوس

دونوں یکساں ہیں بیخودی میں ہمیں
فکرِ غم ہے نہ خرمی کی ہوس

واقفِ لذّتِ جنوں جنوں جو ہوا
نہ رہی اس کو آگہی کی ہوس

ان کو دیکھا ہے جب سے گرم عتاب
آرزو کو ہے خودکشی کی ہوس

کر سکیں بھی تو ہم فقیر ترے
نہ کریں تاجِ خسروی کی ہوس

ہجرِ ساقی کے دور میں حسرتؔ
اب نہ مے ہے نہ میکشی کی ہوس

رسالہ ذخیرہ حیدرآباد — دسمبر ۱۹۱۷ء

کوئی ہے دلفروش کوئی ہے جگر فروش
اک میں ہوں ترے چاہنے والوں میں سرفروش

دیکھیں جو اور کو بھی تجھے دیکھنے کے بعد
اے حسنِ یار ہم وہ نہیں ہیں نظر فروش

ناحق عتابِ یار ہے کیوں ہیبت آفریں
ہم خوگرِ ستم ہیں نہ ہوں گے خطر فروش

پھر میرے زخمِ دل پہ چھڑکتے ہیں کیوں نمک
مشہورِ خلق تھے کہ وہ لب ہیں شکر فروش

مایوسیٔ فراق نے دل سرد کر دیا
نالے ہیں اب وہ گرم نہ آہیں شرر فروش

عنقا ہوں اہلِ ذوق تو قدرِ سخن کہاں
حسرتؔ لقب ہے ٹھیک تمہارا ہنر فروش

الناظر لکھنؤ — اپریل ۱۹۱۷ء

اک بڑی منزلِ پر خوف و خطر ہے درپیش
روح کو عالمِ بالا کا سفر ہے درپیش

محفلِ حسن میں سب جمع ہیں خوبانِ جہاں
امتحانِ دلِ اربابِ نظر ہے درپیش

غم یہ تھا پہلے کہ نالوں میں نہیں کیوں تاثیر
وہ جو مضطر ہیں تو اب رنجِ اثر ہے درپیش

اب یہ ہے کوئی کہ ہم اہلِ نظر جائیں کہاں
ہر طرف مسئلۂ غضِ بصر ہے درپیش

منزلِ بے ہنری میں انہیں کرنا ہے قیام
سخت مشکل یہ پئے اہلِ ہنر ہے درپیش

ہو جنھیں شوقِ شہادت انھیں کیا خوف بھلا
قید کا مرحلہ نرم اگر ہے درپیش

فکرِ دنیا کے بکھیڑے بھی غضب ہیں حسرتؔ
ہر دم اک مسئلۂ نفع و ضرر ہے درپیش

رسالہ مخزن لاہور فروری ۱۹۱۷ء

ہے کسے خدمتِ اسلام کی حسرت　　لوگ رکھتے ہیں فقط نام کی حرص

دین قائم ہو تو کیا چیز ہے غم　　ترکِ دنیا ہو تو کس کام کی حرص

رہنماؤں کے لئے خاص ہے فرض　　طلبِ مصلحتِ عام کی حرص

پی لیا کرتے ہیں چلو سے شراب　　مے پرستانِ غزل کو نہیں جام کی حرص

ہم کو لے آئی ہے تجھ تک صیاد　　لذتِ کشمکشِ دام کی حرص

اس جفا کار کا اب تک ہے خیال　　دیدنی ہے دلِ ناکام کی حرص

دل پہ القائے غمِ شوق کے بعد　　ہم کو باقی نہیں الہام کی حرص

اس پہ دعوائے محبت ہے حرام　　روز و شب ہو جسے آرام کی حرص

طلبِ جاہ کہاں تک حسرت
چھوڑ اس آرزوئے خام کی حرص

اپریل ۱۹۱۷ء

شوقِ جفائے یار کو پاسِ وفا سے کیا غرض　　ہم کہ رضا شعار ہیں ہم کو دعا سے کیا غرض

عاشقِ دل فگار کو اب ہے خود بیقرار کو　　محوِ لقائے یار کو، شوقِ لقا سے کیا غرض

چارۂ دردِ دل ہو کیوں انکی جفا خجل ہو کیوں　　عشق بھی منفعل ہو کیوں مجھکو شفا سے کیا غرض

تجھ پر نثار جی کریں شوق کی پیروی کریں　　تو جو کہے وہی کریں ہم کو ابا سے کیا غرض

حسرتِ مے پرست کو بلکہ ہر ایک مست کو
پیرِ مغاں کے دور میں خوفِ خطا سے کیا غرض

مخزن لاہور　　جون ۱۹۱۷ء

کام آئی کچھ نہ عاشقِ نالاں کی احتیاط　　داماں کی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

دنیا ہے تیرے کفرِ محبت کی مبتلا　　یاں کیا ہوئی کسی سے نہ ایماں کی احتیاط

اظہارِ حالِ دل سے وہ برہم نہ ہوں کہیں　　لازم ہے دل کو شورشِ پنہاں کی احتیاط

ہم سے ہوا نہ خاطرِ آشفتہ کا علاج
تم سے ہوئی نہ زلفِ پریشاں کی احتیاط

کامل ہے جذبِ شوق تو پہنچینگے ہم ضرور
حالانکہ سخت ہے ترے درباں کی احتیاط

مجھ پر گدا سمجھ کے بھی کرتا نہیں نظر
دیکھے تو کوئی اس شہِ خوباں کی احتیاط

لازم ہے ابتدائے محبت میں ضبطِ شوق
مکتوب میں ضرور ہے عنواں کی احتیاط

منظور آرزو ہے ترے درد کی خلش
مرغوب زخمِ جاں سے نمکداں کی احتیاط

کی میں نے لطفِ یار کی پہلے نہ کچھ بھی قدر
ہوتی ہے کس سے جنسِ فراواں کی احتیاط

بجھنے نہ پائے روزِ ہوا میں چراغِ عشق
واجب ہے اس فروغِ فروزاں کی احتیاط

رنگینیٔ سخن میں بھی ہے سادگی کی شرط
مشکل ہے اس فریضۂ آساں کی احتیاط

ان سے ملے تو پھر ہیں وہی ہم وہی شراب
وابستۂ فراق تھی پیماں کی احتیاط

بے خانمانِ عشق ہوئے قصہ مختصر
ہم سے نہ ہو سکی سر و ساماں کی احتیاط

اغیار کے حسد سے تو ممکن بھی ہے مفر
مشکل مگر ہے رشکِ عزیزاں کی احتیاط

حسرتؔ میں خوش ہوں یوں کہ مرے زخمِ دل سے ہے
مخصوص تیرِ یار کے پیکاں کی احتیاط

اب دلِ زار کا خدا حافظ
ایسے بیمار کا خدا حافظ

بڑھ گئے سارے ہمرہانِ سفر
مجھ گرانبار کا خدا حافظ

ہو قفس میں بھی جس کو شوقِ چمن
اس گرفتار کا خدا حافظ

شوقِ لرزاں کا حال ہے جو یہی
جامِ سرشار کا خدا حافظ

پرسشِ جرمِ عشق واں سے شروع
مجھ گنہگار کا خدا حافظ

سخت جانوں پہ اٹھنے والی ہے
تیری تلوار کا خدا حافظ

مجھ کو دیکھا تو عفو نے بھی کہا — اس گناہ گار کا خدا حافظ

خوابِ غفلت کے دور میں حسرتؔ
دلِ بیدار کا خدا حافظ

(رسالہ [illegible] لاہور)

کچھ شغلِ تب و تاب ہیں یونہی تو نہیں شمع — عاشق ہو نہ اس کے رخِ روشن پہ کہیں شمع
آئی جو ترے روئے منور کے قریں شمع — ہم لوگ یہی سمجھے کہ محفل میں نہیں شمع
مٹ جائے گی ہو کر وہیں قربانِ ندامت — اس نورِ مجسم کی جو دیکھے گی جبیں شمع

اب ہو گی مقابل نہ رخِ یار سے حسرتؔ
ہے حجلۂ فانوس میں یوں گوشہ نشیں شمع

(مخزن لاہور)

کیوں کہیں ہم کو غمِ دہر سے مشکل ہے فراغ — جب تری یاد میں ہر فکر سے حاصل ہے فراغ
دل کا دل عشق سے آزاد نہیں ہے گویا — آپ کے عہد میں اک دعویٔ باطل ہے فراغ
فکرِ کونین سے آزاد ہیں اربابِ جنوں — یعنی بے خودیٔ شوق میں شامل ہے فراغ
تیرے دیوانے مگر رہتے ہیں اس سے بھی خفا — گو پسندیدۂ ہر جاہل و عاقل ہے فراغ

اب کہاں دردِ محبت کی وہ لذت حسرتؔ
یوں تو کہنے کو ترے غم سے مقابل ہے فراغ

(افکار [illegible] لکھنؤ)

اسباب سے خصوصیتِ اعتبار پہ موقوف — عیشِ دو جہاں ہے کرمِ یار پہ موقوف
کر سکتے ہیں خاموش بھی ہم دین کی خدمت — لیکن یہ نہیں شورشِ اخبار پہ موقوف
قوموں کی ترقی کے ہیں کچھ اور بھی اسباب — جو ڈاک پہ موقوف نہ ہیں تار پہ موقوف
ایسا تو نہیں ہے کہ عنایت ہو خدا کی — زیبائشِ جبہ و دستار پہ موقوف
لطف و کرمِ یار ہے یا جور و جفا پر — ہے فیصلۂ دل انھیں دو چار پہ موقوف

آساں نہیں اقوال سے اخراجِ نتائج
یہ بات ہے کچھ دانشِ آثار پہ موقوف

منصورؒ کی سولی پہ نمایاں ہوئی عظمت
ہے منزلِ اہلِ رضا دار پہ موقوف

قوت کی جو پوچھو تو یہ ہوتی ہے ہمیشہ
اقوام ہیں افراد کے ایثار پہ موقوف

کچھ شک نہیں اس میں کہ وطن کی بھی ترقی
ہمرشتگیِ سبحہ و زنّار پہ موقوف

اب جو ہو خدا [illegible] یہ عزت ہر کسی کے
اقرار پہ موقوف نہ انکار پہ موقوف

کیا چیز تھی حسرتؔ غمِ جاناں کی فراغت
جس کا بیاں میرے دلِ زار پہ موقوف

رسالہ [illegible] لاہور

سنا اس نے کچھ بیانِ فراق
رہ گئے یونہیں کشتگانِ فراق

اک فسانہ ہے غم کا وہ بھی طویل
نہ سنیں آپ داستانِ فراق

مل رہے گی وصال کی بھی سند
ہو تو لے پہلے امتحانِ فراق

خواہشِ دل ہے میزبانِ امید
وہ جو ہیں آج میہمانِ فراق

ہر دم آنے سے یاد بھی تیری
ہو گئی اب ہے مزاجدانِ فراق

کچھ خیالِ وصالِ یار کے ساتھ
اور بھی بڑھ گئی ہے شانِ فراق

وہ بھی اب ہم سے ہو رہے ہیں جدا
جن کی نسبت نہ تھا گمانِ فراق

منزلِ وصل پھر بھی دور رہی
رہ گئے تھک کے رہروانِ فراق

کب وہ آتے ہیں دیکھیے حسرتؔ
ختم ہوتا ہے کب زمانِ فراق

[illegible] لکھنؤ

اب دیکھیے کیا حال ہمارا ہو سحر تک
بھڑکی ہوئی اک آگ سی ہے دل سے جگر تک

ناکام نہیں ہے اثر جذبۂ دل کا
کیا ہوگا [illegible] تاثیرِ نظر تک

میں بے خبر غم تھا مگر وہ دم رخصت
دیکھا کیے مڑ مڑ کے مجھے حد نظر تک

اب تک نہ ملے ہم سے وہ حالانکہ اسی میں
نیلائے شب وصل کی زلف آئی کمر تک

کچھ محو تصور تھا میں اس درجہ کہ حسرت
مجھ کو نہ ہوئی یار کے آنے کی خبر تک

رسالہ نقاد آگرہ

اپریل ۱۹۱۶ء

ہر دل میں اک ہجوم محبت ہے آج کل
اس شوخ کی کچھ اور ہی صورت ہے آج کل

اے ہجر حسن یار میں اب تجھ سے کیا کہوں
دل کا جو حال ہجر کی بدولت ہے آج کل

شاید وہ یاد کرتے ہیں مجھکو کہ اور بھی
تکلیف اضطراب کی شدت ہے آج کل

مستور کس حجاب میں ہے وہ جمال پاک
اہل نظر کو جس سے عقیدت ہے آج کل

ہم پایۂ بزم یار میں اک حسرت آرزو
اظہار شوق کی بھی اجازت ہے آج کل

اک درجہ بیخودی کا ہے نام کہ عشق میں
تکلیف آج کل ہے نہ راحت ہے آج کل

ساقی سے فصل گل میں کریں کیوں سوال
کیا التماس کی بھی ضرورت ہے آج کل

پرتاب گڑھ میں ہم کو تری یاد کے سوا
حاصل ہر ایک شغل سے فرصت ہے آج کل

حسرت وہ سوز خاص جو ہو حاصل فراق
تیرے سخن میں اس کی بھی لذت ہے آج کل

اسلامیہ لکھنؤ

مارچ ۱۹۱۰ء

اس تغافل پر بھی کرتے ہیں تجھی کو یاد ہم
کہتے ہیں مجبور دیکھ ادائے بیداد ہم

گھل کے آئی ہیں جب ہو چکا ناکام دل
رحم جب آیا نہیں جب ہو چکے برباد ہم

آئے تھے محفل میں تیری با ہزاراں آرزو
یا چلے ہیں ایک لے کر خاطر ناشاد ہم

جاتے ہیں پرتاب گڑھ سے آخر الہ آباد سے
جس طرح جھانسی سے آئے تھے الہ آباد ہم

ہر طرف پیش نظر ہے وہ جمال دلفریب
دیکھتے ہیں یوں بہار گلشن ایجاد ہم

قید تنہائی میں بھی تنہا نہیں اے یادِ یار — آج یہ عقدہ کھلا ہم پر کہ ہیں آزاد ہم

مار ڈالا مجھ کو حسرتؔ یونہیں جب اسنے کہا
ماننا ہوگا تجھے کرتے ہیں جو ارشاد ہم

ہم پر تری نگاہ جو پہلے تھی اب نہیں — سو بھی نہ کچھ دنوں میں رہے تو عجب نہیں
صادق نہیں، وہ عشق جسے از رہِ نیاز — منظور نازِ حسن کا پاسِ ادب نہیں
تھے بسکہ دل پذیر محبت کے واقعات — کچھ کچھ وہ اب بھی یاد مجھے ہیں جو سب نہیں
مسرورِ یادِ یار ہے کیا تیری سادگی — اے دل یہ شامِ ہجر ہے عشرت کی شب نہیں
کیونکر کہوں نہیں انھیں پروائے عاشقاں — کیا حسنِ مہوشاں بھی تماشا طلب نہیں
کیوں عشق میں ابھی سے نہ ہو جائیں ہم فنا — کیا جانیے کہ موت کب آئی ہے کب نہیں

حسرتؔ جفائے یار تو اک عام تھی ادا
اظہارِ التفات مگر بے سبب نہیں

کاروکٹی الہ آباد — جون سنہ ۱۹۱۷ء

گو بظاہر شیر ہوں باطن میں بودے دل کے ہیں — مظہر الحق نام ہے پیرو مگر باطل کے ہیں
فوج کو اپنی ہی دنیا مل گئی دشمن سے شکست — یہ نتیجے آپ ہی کی فکرِ لاطائل کے ہیں
ناز تھا شوقِ شہادت پر ابھی کل تک جنھیں — دست و بازو آج گویا خود ہی قاتل کے ہیں
مل چکی سرکار استبداد میں جائے امام — حوصلے بیکار اس تجویزِ بے حاصل کے ہیں
پائیں گے البتہ آغا خانِ ثانی کا خطاب — گر یہی انداز ان کے فہمِ ناقابل کے ہیں
مظہر و انصارِ مظہر نے یہ ثابت کر دیا — ہم میں اب بھی کچھ نمونے ناظم دکالت کے ہیں

کیوں نہ ہو خطرے میں حسرتؔ قافلہ احرار کا
راہزن ہوں جب وہی جو راہبر منزل کے ہیں

الناظر لکھنؤ — جون سنہ ۱۹۱۷ء

جلوۂ یار نہ چھپ جائے سرِ بام کہیں
جلد اے حوصلۂ دید مجھے تھام کہیں

بزمِ ساقی کا یہ کیا حال ہوا میرے بعد
خم کہیں ہے تو صراحی ہے کہیں جام کہیں

آہ کمبادہ ترا پا کے مجھے گرمِ نظر
ایسی باتوں سے نہ ہو جاؤں میں بدنام کہیں

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ انداز ہے کیا
قصد ان کا کہیں جانے کا ہے پیغام کہیں

رنج بے سود ہے حاصل ہو یونہی کاش نجات
مار ہی ڈالے ہمیں وہ دہنِ خود کام کہیں

مجھ کو مشتاق لقا جان کے کہتا ہے وہ شوخ
بر نہ آئی ہو یہ تیری ہوسِ خام کہیں

کچھ کچھ اس راز کی ہم کو بھی خبر ہے حسرتؔ
آپ جاتے ہیں جو روز آنہ سرِ شام کہیں

رسالہ العصر لکھنؤ — جون ۱۹۱۷ء

بلاکشانِ غمِ انتظار ہم بھی ہیں
خرابِ گردشِ لیل و نہار ہم بھی ہیں

فلک وقار و ملک اقتدار ہم بھی ہیں
یہ فخر ہے کہ ترے خاکسار ہم بھی ہیں

دلِ ہوس جو نشانہ تری نظر کا ہوا
تو روحِ شوق پکاری، شکار ہم بھی ہیں

اسی سے چھپتے ہیں ہوتی ہے جس پہ انکی نظر
اگر یہی ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں

ہمیں بھی شام سے ساقی نہیں ملی ہے شراب
ستم رسیدۂ رنجِ خمار ہم بھی ہیں

نگاہِ یار سے اظہارِ التفات ہوا
تو حالِ دل نے کہا آشکار ہم بھی ہیں

شکایت ان کی نہ چاہو یہی کہو حسرتؔ
نشانۂ ستمِ روزگار ہم بھی ہیں

رسالہ تمدن لکھنؤ — جون ۱۹۱۷ء

کیا جان ستائے دلِ رنجور کسی کو
ملنا ہی نہ ہو مجھ سے جو منظور کسی کو

آنکھوں سے وہ پنہاں ہیں تو کیا دیدۂ دل سے
ہم دیکھتے رہتے ہیں بدستور کسی کو

کیا چیز ہے اس حسنِ فروزاں کی تجلی
جو نار کسی کو ہے، تو ہے نور کسی کو

مانا کہ رسا ہیں ترے نالے مگر اے دل / اتنا بھی نہیں ہیں مجبور کسی کو
اب صدمۂ ہجراں سے بھی ڈرتا ہے یہ دل / بے پہنچی ہے یاد انکی بہت دور کسی کو
خاطر ہی میں لاتا نہیں از راہِ تمکنت / وہ شوخ وہ بے مہر وہ مغرور کسی کو
یوں بھول نہ جانا تھا اگر مدِ نظر تھی
تسکین دلِ حسرتِ مجبور کسی کو

رسالہ نظارہ لاہور

کیوں جانِ رضا جو نہ شہادت پہ فدا ہو / کیوں اس کو نہ چاہے گا کھلا تم جسے چاہو
دل غم سے جو کہتا ہے محبت کا برا ہو / ایسے میں تری یاد بھی آجائے تو کیا ہو
پاس آؤ تو کچھ دل کی تپش اور سوا ہو / ہر چند کہ تم دردِ جدائی کی دوا ہو
دل ہم نے دیا آپ کو اب اس کا نتیجہ / قسمت پہ ہے موقوف برا ہو کہ بھلا ہو
تھے پاس تو منظورِ نظر راحتِ دل تھے / اب جانِ تمنا ہو جو تم ہم سے جدا ہو
رنجِ شبِ غم میں بھی ملے وصل کی راحت / گر دل میں ترے دردِ محبت کا مزا ہو
مرتا ہے کسی شوخِ جفاکار پہ حسرت
شاید یہ فسانا کہیں تم نے بھی سنا ہو

فروری ۱۹۱۷ء

گھٹے گا تیرے کوچے میں وقار آہستہ آہستہ / بڑھے گا عاشقی کا اعتبار آہستہ آہستہ
بہت نادم ہوئے آخر وہ میرے قتلِ ناحق پر / ہوئی قدرِ وفا جب آشکار آہستہ آہستہ
جلائے شوق سے آئینۂ تصویرِ خاطر میں / نمایاں ہو چلا روئے نگار آہستہ آہستہ
محبت کی جو پھیلی ہے یہ نکہت باغِ عالم میں / ہوئی ہے منتشر خوشبوئے یار آہستہ آہستہ
ملائے خاک میں مجھکو جھلک بے شرم کی لیکن / اٹھے گی پھر وہ چشمِ فتنہ کار آہستہ آہستہ
دل و جان و جگر صبر و خرد جو کچھ ہے پاس اپنے / یہ سب کر دیں گے ہم ان پر نثار آہستہ آہستہ

عجب کچھ حال ہو جاتا ہے اپنا بے قراری سے — بجا لاتے ہیں کبھی جب وہ ستم آہستہ آہستہ
اثر کچھ کچھ رہے گا وصل میں بھی رنج فرقت کا — دل مضطر کو آئے گا قرار آہستہ آہستہ
نہ آئیں گے وہ حسرتؔ، انتظار شوق میں یونہیں
گزر جائیں گے ایام بہار آہستہ آہستہ

رسالہ نقاد آگرہ — جون ۱۹۱ء

مجھ کو مغلوب آن و ادا نہ کرے — دل بھی وہ امتحاں کہیں نہ کرے
حسن کی شان سے بعید ہے یہ — کہ دل شوق کو حزیں نہ کرے
جو بگڑنے میں بھی بنے وہ حسین — فکر آرائش جبیں نہ کرے
مست نکہت نہ ہو نسیم سحر — رخ جو وہ زلف عنبریں نہ کرے
اور پھر کس سے ہو جو گریز دل — قدر دامان و آستیں جو کرے
ربط ہے غیر سے ضرور تمہیں — کوئی کب تک بھلا یقیں نہ کرے
لذت عاشقی ہے اس پہ حرام — جو ترے غم کو دل نشیں نہ کرے
عزقاے کون ہے وہ میرے سوا — جو کسی حال میں نہیں نہ کرے
ستم اتنا نہ کر کہ خود یہ کہیں
صبر حسرتؔ کو نکتہ چیں نہ کرے

رسالہ الناظر لکھنؤ — [illegible]

مستی کے پھر آ گئے زمانے — آباد ہوئے شراب خانے
ہر پھول چمن میں زر بکف ہے — پائے ہیں بہار نے خزانے
سب ہنس پڑے کھلکھلا کے غنچے — چھیڑا جو لطیفہ صبا نے
سرسبز ہوا نہال غم بھی — پیدا وہ اثر کیا ہوا نے
رندوں نے بچھاڑ کر پلا دی — واعظ کے نہ چل سکے بہانے

کر دوں گا جلیں ہر دلی کو میخوار — توفیق جو دی مجھے خدا نے
ہم نے تو نثار کر دیا دل — اب جانے وہ شوخ یا نہ جانے
ایسا تو ہوا ہیں وہ نادم — اتنا تو کیا مری وفا نے
دل زخمی غم ہوا جگر بھی — اک تیر سے دو اڑے نشانے
بیگانۂ مے کیا ہے مجھکو — ساقی کی نگاہِ آشنا نے
مسکن ہے قفس میں بلبلوں کا — ویران پڑے ہیں آشیانے
اب دل ہے نہ عاشقی کے چرچے — سب خواب وہ ہو گئے فسانے
باقی نہ رہا وہ غم کا ساماں — جاری نہ رہے وہ کارخانے
ناحق انھیں کر دیا ہے برہم — بیتابیٔ شوق برملا نے
اب کیا ہے کہ وہ آئیں گے وہ حسرت
آغازِ جنوں کے پھر زمانے

رسالہ لطف سخن سیالکوٹ — اپریل ۱۹۱۷ء

خیالِ یار جو مصروفِ کار ہوتا ہے — قرار بخش دلِ بے قرار ہوتا ہے
انھیں سوال مرا ناگوار ہوتا ہے — مجھے خیال یہی بار بار ہوتا ہے
نگاہِ اہلِ تمنا سے ان کی محفل میں — خمارِ بے خبری آشکار ہوتا ہے
جنوں میں عقدہ یہ حیرانیٔ نظر سے کھلا — خیال محوِ تماشائے یار ہوتا ہے
وہی تو دیب جو حرماں نصیب ہوتے ہیں — انھیں میں شوق ترا بیشمار ہوتا ہے
یہ ماجرا بھی ہے دنیائے عاشقی میں نیا — کہ نامراد یہاں کامگار ہوتا ہے
سکونِ شوق کی صورت نکل چکی حسرت
کہ دل کے ساتھ جگر بھی فگار ہوتا ہے

اخبار ظفر، ترنگی — فروری ۱۹۱۷ء

اس محوِ تغافل کی جفا میرے لئے ہے
صد شکر کہ اتنا تو روا میرے لئے ہے

دشمن کے مٹانے سے مٹا ہوں نہ مٹوں گا
اور یوں تو میں فانی ہوں فنا تیرے لئے ہے

اس میں بھی مجھے شک ہے کہ ظاہر ہے بناوٹ
وہ شوخ جو غیروں سے خفا میرے لئے ہے

وہ حسن کے مالک ہیں جفا بھی انہیں جائز
میں بندۂ خوباں ہوں وفا میرے لئے ہے

پا کر مجھے بیکس تری رحمت یہ پکاری
یہ بندۂ بے برگ و نوا میرے لئے ہے

زاہد کو جو حق ہو بھی تو ہے تجھ پہ جزا کا
البتہ میں خاطی ہوں عطا میرے لئے ہے

دعوت میں تری بلا بھی ہوں معلوم ہے لیکن
کیا غیر کی خاطر ہے کہ کیا میرے لئے ہے

ارباب ہوس تجھ سے ہیں نالاں تو میں خوش ہوں
جو ان کو سزا ہے وہ جزا میرے لئے ہے

کہتے ہیں وہ اب قدر ہوئی ہم کو وفا کی!
گویا کہ یہ سب مدح و ثنا میرے لئے ہے

اس گیسوئے برہم کی اڑا لائی ہے نکہت
آوارگیٔ بادِ صبا میرے لئے ہے

اخبار نقیب دہلی

اور دل پہ نوازش ہیں جو بیباک ہے حسرتؔ
قسمت سے وہ مجبورِ حیا میرے لئے ہے

فروری ۱۹۱۱ء

ترا کرم جو رکھنا میرے لئے ہے
یہ درد کہ ہے جان دوا میرے لئے ہے

پرسش جو ہوئی روزِ ازل قسمتِ غم کی
بے ساختہ دل بول اٹھا میرے لئے ہے

میں اپنی مصیبت پہ ہوں نازاں کہ وہ خوش ہیں
تجھ سے کہ یہ پابندِ بلا میرے لئے ہے

غیروں سے کبھی ہے انہیں نفرت کبھی الفت
ان دونوں سے اک بات جدا میرے لئے ہے

ایسا تو نہ ہوگا کہ نہ پہنچوں ترے در تک
جب تیری کشش راہ نما میرے لئے ہے

مقصود ہے اتنا کہ رہے مجھ پہ توجہ
مخصوص یہ اندازِ جفا میرے لئے ہے

جو بندۂ دنیا ہیں مبارک انہیں دنیا
میں دین کا پیرو ہوں خدا میرے لئے ہے

ہر حال میں ہوں خوش کہ ہر بات میں لازم — پابندیٔ تسلیم و رضا میرے لئے ہے

اخبار ہمدم لکھنؤ

ستمبر ۱۹۱۷

دیکھا تو کہا مجھ کو غم یار نے حسرتؔ

یہ سوختۂ بے سر و پا میرے لئے ہے

نظارۂ پیہم کا صلہ میرے لئے ہے — ہر سمت وہ رخ جلوہ نما میرے لئے ہے

اس چہرۂ انور کی ضیا میرے لئے ہے — وہ زلف سیہ تاب دوتا میرے لئے ہے

زنہار اگر اہل ہوس تجھ پہ فدا ہوں — یہ مرتبۂ صدق و صفا میرے لئے ہے

بن کر میں رضا کار رہ یار فنا ہوں — آوازۂ حق بانگ درا میرے لئے ہے

خوشنودیٔ اغیار کے پیرو ہیں یزیدی — تقلید شہ کرب و بلا میرے لئے ہے

محروم [illegible] ہوں اب تاب تواں بھی — مخصوص نشۂ غم کا مزا میرے لئے ہے

سرمایۂ راحت ہے فنا کی مجھے تلخی — اس زہر میں سامان بقا میرے لئے ہے

جنت کی ہوس ہو تو میں کافر کہ پریشاں — اس شوخ کی خوشبوئے قبا میرے لئے ہے

پہلے بھی کچھ امید نہ تھی چارہ گر دل کو — اور اب تو دوا ہے نہ دعا میرے لئے ہے

مر جاؤں گا میخانے سے نکلا جو کبھی میں — نظارۂ مے روح فزا میرے لئے ہے

اخبار حقیقت لکھنؤ

ستمبر ۱۹۱۷

تشخیص طبیباں پہ ہنسی آتی ہے حسرتؔ

یہ درد جگر ہے کہ دوا میرے لئے ہے

دل غم اس [illegible] کی خو نہ کرے — اس سے تیری ہی آرزو نہ کرے

صبر اپنا نام کو بھی دل میں نہیں — نگہ یار جستجو نہ کرے

تیری خوشبو کے بعد روح مری — گل جنت بھی ہو تو بو نہ کرے

ہے یہ آئین عاشقی میں گناہ — غم سے دل ترک آرزو نہ کرے

تجھ میں تابِ جمالِ یار کہاں
شوق اٹھیں میرے سدِ رہ نہ کرے

ترکِ مے کے معاملے میں فضول
محتسب تم سے گفتگو نہ کرے

کچھ نہیں شوقِ عنبر و دستار
دل ہو ساغر و سبو نہ کرے

حسن سے عشق، زخمِ دل کے خلاف
کھل کے بے پردہ گفتگو نہ کرے

یا کرے بھی تو پھر زراہِ نیاز (ق)
روبرو ہو کے دوبدو نہ کرے

معتبر عشق میں ہے زخم وہی
جو کبھی خواہشِ رفو نہ کرے

دل رضا کار ہے وہی جو کبھی
طلبِ فتح میں غلو نہ کرے

جم چکا ہم پہ حال و قال کا رنگ
تشنۂ بیکار ہاؤ ہو نہ کرے

جان حسرت کی ہجر میں تسکیں!
اور پھر کس سے تو جو تو نہ کرے

گلپیں مارہرہ

ستمبر ۱۹۱۷

عشق اے کیمیائے بہروزی
دے سبیلِ سعادت اندوزی

فکرِ دنیا سے دل رہا آزاد
اے ترا غم رہا ہے مجھے روزی

دل میں ہے تیری آرزو، کہ نسیم
اک چمن میں ہے وہ نوروزی

مل گیا نورِ عاشقی سے ہمیں
طرزِ سرمستئ دل افروزی

کھل کے ہم سے کبھی وہ مل نہ سکے
باوجودِ کمالِ دلسوزی

تو اور اس نازنیں سے عرضِ وصال
اے دل ایسی بھی کیا بد آموزی

ان سے حسرت ملے جو حکمِ شکست
اس کو سمجھو نویدِ فیروزی

دامِ گیسو میں تیرے اک دلِ ناشاد بھی ہے
اے مرے بھولنے والے تجھے کچھ یاد بھی ہے

غم دنیا سے ہے فارغ دلِ وابستۂ عشق ایک ہی وقت میں یہ قید بھی آزاد بھی ہے
کیسے کہہ دوں اسے بیگانۂ الفت کہ وہ شوخ ظلم کرتا ہے مگر مائلِ فریاد بھی ہے
کوئے جاناں کی نہ مرعوب ہو کیوں دل کی ہوا آخر اس زلف کی نکہت کہیں برباد بھی ہے
دل مایوس کو ویرانۂ مطلق نہ کہو یاد ماضی کی بدولت یہ کچھ آباد بھی ہے
کچھ مرے دل ہی سے مخصوص نہیں لذتِ غم خوش اسی حال میں، جوہر[1] بھی ہے آزاد[2] بھی ہے
لطف ظاہر پہ کہیں اس کے نہ جانا حسرت
کہ وہ عیّار جفا جو ستم ایجاد بھی ہے

اخبار الصباح عثانیہ

۱۵ / اپریل ۱۹۲۷ء

عشق میں خوفِ جاں سے درگزرے ہم نے ٹھانی جو دل میں کر گزرے
زندگی اپنی ہو کے ان سے جدا سخت گزرے گی وہ اب اگر گزرے
خاکِ عشاق ہو نہ دامن گیر سوئے مدفن یہ تم کدھر گزرے
دل کی مایوسیوں سے ان کے بغیر (ق) رنج کیا کیا نہ جان پر گزرے
شام فرقت کٹے نہ ہجر کی رات صبح گزرے نہ دوپہر گزرے
زندگی ہے اسی کا نام تو ہم ایسی درماندگی سے درگزرے
ان سے اظہارِ شوق کون کرے جان ہی سے کوئی مگر گزرے
ایک دیکھا تمہیں ان آنکھوں سے یوں تو کتنے ہی خوش نظر گزرے
خدمتِ بے نیاز جاناں میں کیوں مرے جاں کی خبر گزرے
ان کے قدموں پہ رکھ دیا سرِ شوق ہم یہ کیا بے خودی میں کر گزرے

---

[1] مولانا محمد علی مرحوم [2] مولانا ابو الکلام

منتظر ہے متاعِ جاں حسرت
کہ ادھر بھی وہ فتنہ گر گزرے

رسالہ الناظر لکھنؤ — مئی ۱۹۱۷ء

زمانِ فصلِ گل آیا نسیمِ مشکبار آئی — دلوں کو مژدہ ہو پھر جوشِ مستی کی بہار آئی
پھلا پھولا ہے گلزار یارب حسنِ خوباں کا — مجھے اس باغ کے ہر پھول سے خوشبوئے یار آئی
سرِ پرشور بھی اک بار تھا جس کو مری گردن — ترے کوچے میں آج اے فتنۂ دوراں اتار آئی
تری محفل سے ہم آئے مگر با حالِ زار آئے — تمنا نامیاب آیا تمنا بے قرار آئی
جو ان کے حسن سے بھی بڑھ گئی ہے بیقراری میں — تڑپ ایسی کہاں سے عشق میں پروردگار آئی
بر کیا اندھیر ہے اے دشمنِ اہلِ وفا تجھ سے — ہوس نے کامِ جاں پایا محبت شرمسار آئی

بجا ہیں کوششیں ترکِ محبت کی مگر حسرت
جو پھر بھی دل نوازی پر وہ چشمِ سحر کار آئی

رسالہ الملاں دہلی — مئی ۱۹۱۷ء

شبِ فرقت میں یاد اس بے خبر کی بار بار آئی — بھلانا ہم نے بھی چاہا مگر بے اختیار آئی
ترے فیضِ کرم سے دین کے دریا میں جوش آیا — ترے یمنِ قدم سے باغِ ایماں میں بہار آئی
تری محفل سے اے پیرِ مغانِ عاشقی اکثر — مشیخت بے نیاز آئی فضیلت مے گسار آئی
امیدیں تجھ سے تھیں وابستہ لاکھوں آرزو لیکن — بہت ہو کر تری درگاہ سے بے اعتبار آئی
الٰہی رنگ یہ کب تک رہیگا ہجرِ جاناں میں — نہ روزِ بیدلی گزرا تو شامِ انتظار آئی
تری بے اعتنائی دیکھ آخر کیا خیال آیا — جو میری پرسشِ غم کو بچشمِ اشکبار آئی

نہ ہاتھ آیا بجز رنج و بلا کچھ عشق حسرت کو
دیارِ حسن کی آب و ہوا ناسازگار آئی

رسالہ خطیب دہلی — ۱۹۱۷ء

چھپ کے اس نے جو خود نمائی کی — انتہا کی یہ دل ربائی کی

مائل غمزہ ہے وہ چشم سیاہ — اب نہیں خیر پارسائی کی
ہم سے کیونکر وہ آستانہ چھٹے — مدتوں جس پہ جبہ سائی کی
دل نے ہر سوال پہ جستجوئے کمال — کوتاہی عشق میں گدائی کی
دام سے ان کے چھوٹنا تو کہاں — یاں ہوس بھی نہیں رہائی کی
کیا کیا یہ کہ اہل شوق سے ہائے — تو نے کی بھی تو بے وفائی کی
ہو کے نادم وہ بیٹھے ہیں خاموش — صلح میں شان ہے لڑائی کی
اس تغافل شعار سے حسرت — ہم میں طاقت نہیں جدائی کی

دی گئی کام غم شوق کی تاثیر مجھے — مہرباں تجھ پہ ہوئے پا کے وہ دلگیر مجھے
تم نہ رو جہاں میں رہے سب کی نظر سے پنہاں — کہیں مل جائے اگر آپ کی تصویر مجھے
اک نگاہ ہوس انگیز کا ملزم ہوں ضرور — اس کی منظور ہے جو کیجئے تعزیر مجھے
شکوۂ درد سے کس درجہ پشیمان ہے دل — کیا مناسب تھی یہ جہان کی تحقیر مجھے
حسن و خواہش کی رعایت سے ملی ہیں کیا خوب — طبع مسرور تجھے خاطر دلگیر مجھے
جرم تو پہلے بتا دیجئے تقصیر معاف — یا یونہیں آپ کئے جائیں گے زنجیر مجھے
کاٹ لوں اپنا گلا آپ کہ جھگڑا ہو تمام — کاش مل جائے کہیں آپ کی شمشیر مجھے
دیکھ رہتی ہیں اسے شوق کی آنکھیں ہر دم — اک ملی تھی جو کبھی آپ کی تحریر مجھے
خوب ہے فیصلۂ عشق مبارک حسرت — نغمۂ عیش انھیں نالۂ شبگیر مجھے

(رسالہ ذخیرہ جلد ۱ بابت ... دہلی)
اپریل سنہ ...

بیجا ہے فصل گل میں اے دل یہ خود فروشی — مستانہ کیوں نہ گزرے ہنگام بادہ نوشی
میخانے بند رکھا مستان بے خبر کو — پیر مغاں نے یوں کی رندوں کی پردہ پوشی

آغاز عاشقی تھا جوشِ و خروشِ بیکر
یا انتہائے غم ہے حیرانی و خموشی

دیدار کی طلب میں حد سے گزر چلی ہے
اپنی امیدواری ان کی بہانہ کوشی

افسانہ ہو گئی ہے دنیائے مغفرت میں
تیری عطا شعاری میری خطا فروشی

اب بھی کیا تلون یار اپنے مائلوں سے
یا اتنی سرد مہری یا ویسی گرم جوشی

یوں کرتے ہیں جفا وہ اہلِ وفا پہ حسرتؔ
رسمِ ستم ہے گویا، آئینِ حق نویسی

رسالہ الناظر لکھنؤ

جون ۱۹۱۷ء

کون یہ دست بہ شمشیر نظر آتا ہے
مجھ کو اک عالمِ تصویر نظر آتا ہے

جلوۂ حسن سے رنگین دل پر داغ مرا
شوق کے ہند میں کشمیر نظر آتا ہے

کم نگاہی میں بھی اس محوِ حیا کی دل کو
اثرِ سرمۂ تسخیر نظر آتا ہے

ولولے دل کے ترے غم کا ادب کیوں نہ کریں
اک نوجوان میں یہی پیر نظر آتا ہے

بڑے ہنس کے وہ بولے مجھے پا کر بیباک
آج یہ طالبِ تعزیر نظر آتا ہے

ان سے ملنے کی نکلتی نہیں تدبیر کوئی
کام وابستۂ تقدیر نظر آتا ہے

پا سکا یار نہ اس بزمِ طرب میں شاید
حسرتؔ اس درجہ جو دلگیر نظر آتا ہے

رسالہ زمانہ کانپور

شورِ طفلاں چاہیے اے عشقِ سودائی مجھے
کیوں پسند آنے لگی صحرا کی تنہائی مجھے

اب تقاضا ہے یہ اس حسنِ تماشا دوست کا
ہر نظر دیکھا کرے بن کر تماشائی مجھے

اپنی ہستی سے بھی آخر ہو گیا بیگانہ میں
ان سے جب جا کر ہوئی حاصل شناسائی مجھے

بھول کر شاید کبھی آ جائے انکو بھی خیال
یوں پسند آئی ہے اس کوچے کی رسوائی مجھے

اور بھی حسرتؔ وہ کچھ رہنے لگے ہیں محوِ ناز
جب سے جانا ہے انھوں نے اپنا شیدائی مجھے

رُباعی[1]

ارباب فریب کی ہے یہ بھی اک چال
پیکار ہے "بہترین" و بہتر کا خیال
گنجائشِ بہتری، غلامی میں کہاں
لاریب ہے اجتماعِ ضدین محال

[1] یہ رباعی تجویزِ قیام مسلم یونیورسٹی کے متعلق ہے۔

دیوانِ حسرتؔ

موہانی

حصّہ چہارم

جس میں سید فضل الحسن حسرتؔ موہانی بی اے سابق ایڈیٹر اردوے معلیٰ علیگڑھ کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو دیوان حسرت حصہ سوم کی ترتیب وتدوین کے بعد جنمیں اکثر بہ زمانۂ قیدِ فرنگ ثانی لکھی گئیں اور جو اگست ۱۹۱۷ء سے اپریل ۱۹۱۸ء تک اردو زبان کے قریب قریب کل مشہور اخباروں اور رسالوں میں شائع ہو کر عام طور پر مشہور و مقبول ہوچکی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا — شغل بیکار ہیں سب ان کی محبت کے سوا
دے سکا کوئی نہ دہریک کے وساوس کا جواب — تیرے وارفتۂ دیوانہ طبیعت کے سوا
کون رکھے گا ترے غم سے دل و جاں کو عزیز — کچھ نہیں اور جب اس رنج میں راحت کے سوا
قول زاہد کو غلط ہم نہیں کہتے ہیں مگر — اور کچھ ہو بھی شریعت میں طریقت کے سوا
حشر میں تابِ جہنم سے مفر اور کہاں — اہل عصیاں کو ترے سایۂ رحمت کے سوا
دورِ عرفاں کی عیش ہے دلِ زاہد میں تلاش — اور یہاں خاک نہیں خواہشِ جنت کے سوا
اسکی بات اور ہے پائیں جو ہم اسمیں بھی مزا — آپ نے تو نہ دیا کچھ بھی اذیت کے سوا
اہل ظاہر نہ کریں کوچۂ باطن کی تلاش — کچھ نہ پائیں گے وہاں رنج و مصیبت کے سوا
علم و حکمت کا جنھیں شوق ہو آئیں نہ ادھر — کچھ نہیں فلسفۂ عشق میں حیرت کے سوا
سب سے منہ موڑ کے راضی ہیں تری یاد سے ہم — اس میں اک شانِ فراغت بھی ہے راحت کے سوا

عقل حیران ہے، اے جانِ جہاں راز ترا
کون سمجھے دل دیوانۂ حسرت کے سوا

کاہے کو دل اے عشق ترے غم سے بچے گا — اب ہم نہ بچا پائیں گے نہ یہ ہم سے بچے گا
لے لیگی دل ان کے رخِ روشن کی تجلی — بالفرض جو اس گیسوئے پرخم سے بچے گا

حسرت کوئی کتنا ہی چھپا رے کہ بچا رے
دل ایک نہ اس فتنۂ عالم سے بچے گا

میری جانب سے شکایت نہ تقاضا ہوتا — خود مرے گھر وہ چلے آتے کچھ ایسا ہوتا
قیمتِ نیم نظر ہیں بھی سمجھتے نہ گراں — غور سے تم نے مرے دل کو جو دیکھا ہوتا

ہمہ تن غرقِ جراحت بھی جو ہوتے حسرت
لب ہر زخم پہ مذکور انھیں کا ہوتا

ہمدم و ہمدرد ما ہمراز ما — اے ہو ریت مایۂ صد ناز ما
دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا — شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا
اک نظر بھی تری کافی تھی پئے راحتِ جاں — کچھ بھی دشوار نہ تھا مجھ کو شکیبا کرنا
ان کو یاں وعدے پہ آ لینے دے اے ابر بہار — جس طرح چاہنا پھر بعد میں برسا کرنا
شام ہو یا سحر یاد انھیں کی رکھنی — دن ہو یا رات، ہمیں ذکر انھیں کا کرنا
صوم زاہد کو مبارک رہے عابد کو صلوٰۃ — عاصیوں کو تری رحمت پہ بھروسا کرنا
عاشقو حسن جفا کار کا شکوہ ہے گناہ — تم خبردار خبردار نہ ایسا کرنا

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے حسرت
ان سے مل کر بھی نہ اظہار تمنا کرنا

بمقام فیض آباد جیل
۱۶/۱۸ دسمبر ۱۹۱۶

شکوۂ سنگدلی کے عوض میں نے بھی یہ خوب کیا — کیا کیا شکر جفا سے انھیں محجوب کیا
جانِ پر غم نے بھی الزام لگایا نہ انھیں — یاس کو خوبیٔ تقدیر سے منسوب کیا
مشترک دونوں میں اک بات خدا نے رکھی — طالبِ شوق مجھے آپ کو مطلوب کیا
اب نہ کچھ عیش کی خواہش ہے نہ غم کی پروا — جذبۂ عشق نے آخر مجھے مجذوب کیا

مال کیا شے ہے جسے آپ سے رکھیں گے دریغ — جب کہ ہم نے دل و دیں کو بھی نہ محبوب کیا

فتنۂ جور نہ کرنا مجھے یارب ان کا — جن کو گمراہ کیا تو نے کہ مغضوب کیا

سخت محرومِ ادب ہے دل حسرت تے اگر
بیوفائی سے ترے جور کو منسوب کیا

۲۲،۲۳،۲۴ جون ۱۹۱۸ء — فیض آباد جیل

گمان نہ ہم پہ ہو ناصح کو ہرزہ کاری کا — کہ ذکر یار یہاں ہے شغل بے قراری کا

رہے گا نام نہ دنیا میں ہوشیاری کا — یہی جو رنگ ہے تیری شراب خواری کا

چمن میں باد بہاری بھی گل کی آنکھوں سے — چلی، کہ دیکھے تماشا تری سواری کا

رحیق عشق پییں ہم تو ہو ہوس کو سکوں — یہی علاج ہے دردِ گناہ گاری کا

غرور یار نہ بڑھ جائے اور بھی حسرت
اثر نہ ہو یہ کہیں تیری خاکساری کا

۱۴ فروری ۱۹۱۸ء — میرٹھ جیل

نظر پھر نہ کی اس پہ دل جس کا چھینا — محبت کا یہ بھی ہے کوئی قرینہ

وہ کیا قدر جانیں دلِ عاشقاں کی — نہ عالم نہ فاضل نہ دانا نہ بینا

یہ کیا کفرِ نعمت ہے اے شیخ آخر — کہ برسات میں بھی پلانا نہ پینا

وہیں سے یہ آنسو رواں ہیں جو دل میں — تمنا کا پوشیدہ ہے اک خزینہ

بہا دیں وہاں خون اپنا بہا ہم — ترے حسن کا گرتے دیکھیں پسینا

یہ کیا قہر ہے ہم پہ یارب کہ بے مے — گزر جائے ساون کا یونہی مہینا

بہار آئی، سب شادماں ہیں مگر ہم — یہ دن کیسے کاٹیں گے بے جام و مینا

جدا جب کہ ہیں تجھ سے اے راحتِ جاں — ہمارا برابر ہے جینا نہ جینا

مٹے عیب سب عشق بازی میں حسرت — نہ بغض و حسد ہے نہ غصہ نہ کینا

۱۱ اگست ۱۹۱۸ء لکھنؤ سنٹرل جیل

اک خلش ہوتی ہے محسوس رگِ جاں کے قریب
آن پہنچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب

حشر میں اپنے گناہوں سے مجھے خوف ہو کیا
ان کی رحمت بھی تو منزلِ عصیاں کے قریب

لپٹے اس ڈھب سے کہ پھر ہو نہ جدا خاک مری
کہیں پہنچے بھی تو اس گوشۂ داماں کے قریب

لکھنؤ آنے کا باعث یہ کھلا آخر کار
کھینچ لایا ہے دل اک شاہدِ پنہاں کے قریب

وہ جو ہیں پاس تو مجلس بھی ہے اک بارِ ہمیں
کامرانی بھی نمودار ہے حرماں کے قریب

روز ہو جاتی ہے رویا میں زیارت حسرتؔ
آستانِ شہ رزاق ہے زنداں کے قریب

(۱۶ [illegible] — [illegible])

نگہِ شوق نہ ہو چاہِ زنخداں کے قریب
کیا یہ ابھرا ہے ترے خالِ نمایاں کے قریب

جو ترے درد کے بندے ہیں دعا ہیں انکی
بھول کر بھی نہ گئیں خواہشِ درماں کے قریب

زخمِ دل کا یہ ہوس جب ہے کہ اچھا ہی نہ ہو
کیوں نہ مرہم سے رہے دور نمکداں کے قریب

سیرِ گل خوش نہیں آتی کسی عنوان ہمیں
جا کے لوٹ آتے ہیں دیوارِ گلستاں کے قریب

ان پہ مرنا ہے جنھیں بچ کے وہ گزریں حسرتؔ
آبِ حیواں کے قریب اور کبھی چشمۂ حیواں کے قریب

(۱۷ [illegible] جیل)

چھیڑتی ہے جو یادِ یار بہت
دل شبِ غم ہے بے قرار بہت

اب نہ دیکھیں گے تری راہ کہ ہم
رہ چکے ہیں خراب و خوار بہت

ہم اسیرانِ ہجر کو نہ رلا
دیکھ اے ابرِ نوبہار بہت

۱؎ درگاہ شریف "باغ مولوی انور" کے نام سے مشہور ہے
۲؎ پیشوائے عشاق شاہ عبد الرزاق قدس سرہ فرنگی محلہ لکھنوی

لطف ہے پھر بھی ہم پہ غیر سے کم — آپ کہتے رہیں ہزار بہت
حال دل کم کہا کرو حسرت
ان کو ہوتا ہے ناگوار بہت

حسن بیتاب ہے محدود انھیں دیوار کے بیچ — میری گفتار کے اندر تری رفتار کے بیچ
مت چلیں بوتہ ہیں نہ کیوں دیر و حرم کے جھگڑے — ایک رشتہ بھی تو ہے سبحہ و زنار کے بیچ
سچ بتا کس کی محبت کا اثر ہے حسرت — ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۷ء
یہ جو اک سوز ہے پنہاں تری گفتار کے بیچ

انھوں نے پھر دیا خط لکھ کے نہیں سلام کے بعد — بڑھا کے میرا تخلص بھی میرے نام کے بعد
شراب رندوں میں آئی مہ صیام کے بعد — بڑے تزک سے بڑی شان اہتمام کے بعد
ہجوم شوق میں کیوں ہوں نہ اضطراب کے رنگ — کہ پاس شب ہے یقینی امید شام کے بعد
کمال شوق کو آتے ہیں نا تمام نظر — تمام شوق تری خواہش تمام کے بعد
نہ ہوا ابھی مگر آخر تو ہو گی قدر مری — کھلے گا حال غلام آپ پر غلام کے بعد
سرور بخشش دل و جاں ہے بزم ساقی میں — بہا جلوۂ مینا نمود جام کے بعد
ہوئی یہ کثرت ارباب اشتیاق کہ اب
پڑے ہیں سوچ میں حسرت وہ اذن عام کے بعد

فیض آباد جیل
۲۰ دسمبر ۱۹۱۷ء

پوچھا بھی تو اس نے نہ کبھی گھر سے نکل کر — شرمندہ ہیں نالے دل مضطر سے نکل کر
پائی ہے جگہ پاکی داماں نظر میں — خوشبوئے حیا نے تری چادر سے نکل کر
کیا چیز تھی ساقی وہ پس پردہ مینا — جو سرخ پری بن گئی ساغر سے نکل کر
دیکھا جو کہیں گرم نظر بزم عدو میں — وہ ڈانٹ گئے مجھ کو برابر سے نکل کر

[illegible]

بن جاتی ہے دل میں خلشِ خارِ تمنّا
جھنکار ترے پاؤں کے زیور سے نکل کر

پرنور کیا خوب شہیدوں کے دلوں کو
چاہت کی چمک نے ترے خنجر سے نکل کر

حسرت مجھے بھاتی ہے پریشانیٔ دل بھی
آتی ہے جو اس گیسوئے ابتر سے نکل کر

کیا کریں خو سے ہیں مجبور کہ پینا ہے ضرور
ورنہ حسرت رمضان کا یہ مہینا ہے ضرور

عمر ہی کیا ہے وہ کمسن ہیں ابھی نام خدا
ان پہ مرنا ہے تو کچھ دن ہمیں جینا ہے ضرور

بیخودی بزم خرابات میں ہے وجہِ سکوں
اک مگر کشمکشِ ساغر و مینا ہے ضرور

شوق جس کا نہیں ممکن دل دانا کے بغیر
اس کے دیدار کو بھی دیدۂ بینا ہے ضرور

تیری شوخی کہے دیتی ہے کہ اے غمزۂ یار
تو نے دل آج کسی اور کا چھینا ہے ضرور

ترک مے سے ہمیں انکار نہ ہوتا لیکن
اب جو ناصح کو ہے ابرام تو پینا ہے ضرور

تیری گفتار سے پیدا ہے کہ اے حسرت زار
دل ترا دردِ محبت کا خزینا ہے ضرور

فیض آباد جیل

عاشقی پیشہ ہے اے دل تو یہ بیداد نہ کر
ستمِ یار سے بھی شاد ہو فریاد نہ کر

دیکھ اس جلوۂ پنہاں کی زیارت ہے محال
ہمت شوق کو بے فائدہ برباد نہ کر

بے پروبال کہاں چھوٹ کے جائیں صیاد
ہم اسیرانِ وفا کیش کو آزاد نہ کر

ہم تری یاد کو بھولیں گے نہ بھولے ہیں کبھی
تو ہمیں بھول کے بھی یاد نہ کر شاد نہ کر

یہ بھی حسرت کوئی تدبیر سکوں ہے کیا خوب
دل بیتاب سے کہتے ہو انھیں یاد نہ کر

فیض آباد جیل

(۹ جون ۱۹۷۱ء تضمین آبرو جمیل)

چاہت مری چاہت ہی نہیں آپ کے نزدیک
کچھ میری حقیقت ہی نہیں آپ کے نزدیک

کس درجہ تغافل ہے مرے حال سے گویا
یہ کوئی مصیبت ہی نہیں آپ کے نزدیک

وہ بات بھی ممکن ہے جو دلدار ہو دلبر
جس کی کوئی صورت ہی نہیں آپکے نزدیک

کچھ قدر تو کرتے مرے اظہار وفا کی
شاید یہ محبت ہی نہیں آپکے نزدیک

معلوم یہ ہوتا ہے کہ رنگیں نظری سے
مجھ کو کوئی نسبت ہی نہیں آپکے نزدیک

راحت بھی وہیں ہے وہیں سامان فراغت
کچھ دولت و حشمت ہی نہیں آپکے نزدیک

تعزیر کے لائق بھی ہے خواہش مرے دل کی
درخورِ ملامت ہی نہیں آپکے نزدیک

بیکار ہے اظہارِ صفا اہل ولا کا
اس چیز کی حاجت ہی نہیں آپکے نزدیک

یوں غیر سے بیباک اشارے سرِ محفل
کیا یہ مری ذلت ہی نہیں آپکے نزدیک

عشاق پہ کچھ حد بھی مقرر ہے ستم کی
یا اس کی نہایت ہی نہیں آپکے نزدیک

کیا حال کہے کوئی کہ دربان کے ستم کی
آنے کی اجازت ہی نہیں آپکے نزدیک

اگلی سی نہ راتیں ہیں نہ گھاتیں ہیں نہ باتیں
کیا اب میں وہ حسرت ہی نہیں آپ کے نزدیک

(منقبت)

روزِ محشر سایہ گستر ہے جو دامانِ رسولؐ
تابِ دوزخ سے ہیں بے پرواہ غلامانِ رسولؐ

نور سے ایمانِ خالص کے منور تھا جہاں
اب کہاں سے آئے وہ عہدِ درخشانِ رسولؐ

صوم دائم سے بڑھی عزت قیام لیل کی
شب کو مہمانِ خدا ہیں دن کو مہمانِ رسولؐ

رہنمائے گمرہاں و سرگروہِ مقبلاں
عاشق و معشوقِ یزداں جانِ جانانِ رسولؐ

مقتدائے سالکاں و مخزنِ اسرارِ حق
بادشاہِ عاشقاں و گنجِ عرفانِ رسولؐ

نورِ چشمِ فاطمہؓ مہرِ درخشانِ علیؓ
غوثِ اعظم شاہ جیلاں۔ ماہِ تابانِ رسولؐ

حسرتِ محروم ہے امید وار التفات
اس طرف بھی اک نظر اے میر سامانِ رسولؐ

[illegible]

اپنا سا شوق اور دل میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بیدلیٔ ہمرہاں سے ہم

کچھ ایسی دور بھی تو نہیں منزلِ مراد
لیکن یہ جب کہ چھوٹ چلیں کارواں سے ہم

اے یادِ یار دیکھ کہ باوصفِ رنجِ ہجر
مسرور ہیں تری خلشِ ناتواں سے ہم

معلوم سب ہے، پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم

اے زہدِ خشک تیری ہدایت کے واسطے
سوغاتِ عشق لائے ہیں کوئے بتاں سے ہم

بیتابیوں سے چھپ نہ سکا حالِ آرزو
آخر بچے نہ اس نگہِ بدگماں سے ہم

پیرانہ سر بھی شوق کی ہمت بلند ہے
خواہانِ کام جاں ہیں جو اس نوجواں سے ہم

مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہِ ناز
تنگ آ گئے ہیں کشمکشِ امتحاں سے ہم

خلوت بنے گی بزمِ غمِ جاں نواز کی
لیں گے یہ کام اپنے دلِ شادماں سے ہم

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق
پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

حسرت بھی اور جا کے کریں کس کی بندگی
اچھا جو سر اٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

[illegible]

کر دیں انھیں پیشِ نذرِ جاں ہم
بے صرفہ نہ جائیں رائیگاں ہم

کرتے جو ستم ہوں تجھ کو منظور
اے نخوتِ یار پھر کہاں ہم

باوصفِ ہجومِ یاسِ دل بھی
رکھتے ہیں انھیں بھی میہماں ہم

ہر صبح جہاں وہ جلوہ گر ہوں
جاتے ہیں وہیں رواں دواں ہم

ناکامیٔ عشق کی بدولت
البتہ ہوتے ہیں کارواں ہم

سمجھو تو سنائیں حال دل کا — تقریرِ نظر میں بے زباں ہم
پوچھو جو کروگے تم ہمیں قتل — کہتے ہیں وہ کس ادا سے ہاں ہم
سمجھیں گے عتاب کو توجہ — ہوں گے جو ترے مزاج داں ہم
اب تجھ سے وہ کیا ملیں گے حسرت
جب جان لیا ہوئے جواں ہم

۲/ فروری [illegible]

پھر آپ کہاں رہیں کہاں ہم — کچھ دن کے ہیں اور میہماں ہم
تم نے جو سنا تھا بے خودی میں — کہتے ہیں وہی زماں زماں ہم
گستاخ وہ پا کے مجھکو بولے — اب پھر جو کبھی ہوں مہرباں ہم
اے کاش قفس میں تو نہ سنتے — افسانۂ جورِ باغباں ہم
سن لے جو یہی خوشی ہو تیری — ہیں اے غم یار شادماں ہم
کچھ آپ سے تو نہیں شکایت — ہیں شکوہ گزار آسماں ہم
کیا شوق بہار ہے کہ حسرت
کچھ رکھتے نہیں غم خزاں ہم

۱۰/ اپریل [illegible]

روگ دل کو لگا گئیں آنکھیں — اک تماشا دکھا گئیں آنکھیں
مل کے ان کی نگاہِ جادو سے — دل کو حیراں بنا گئیں آنکھیں
مجھکو دکھلا کے راہ کوچۂ یار — کس غضب میں پھنسا گئیں آنکھیں
اس نے دیکھا تھا کس نظر سے مجھے — دل میں گویا سما گئیں آنکھیں
محفلِ یار میں بذوقِ نگاہ — لطف کیا کیا اٹھا گئیں آنکھیں
حال سنتے وہ کیا مرا حسرت — وہ تو کہیے سنا گئیں آنکھیں

اہل ایماں رکھتے ہیں کامل لفتوائے جنوں — شانِ لاخوفٌ علیہم شیوۂ لایحزنون
کامیاب و کامراں ہیں شاد کام و شادماں — گرچہ دیوانے ترے ظاہر میں ہیں زار و زبوں
روشنی بخش دل و جاں ہو نہ کیوں اسکا خیال — جس کے جلوے کی درخشانی ہے انوار العیوں
کچھ نہیں کھلتا مجھے لے جائے گا آخر کہاں — کس کے جانب ہے دلِ دیوانہ یارب رہنموں

کی بہت کچھ ہرزہ گردی اب یہ حسرتؔ جی میں ہے
چھوڑ دوں سب آسرے ایک ان کے در کا ہو رہوں

ہجر ساقی میں بیادِ بادہ ہائے لالہ گوں — چشم رنداں سے رواں رہتا اک دریائے خوں
انتظار یار کی سختی جو تھی حد سے فزوں — ہو گیا تاراج غم سرمایۂ صبر و سکوں
بزم دشمن میں بھی دل تھامے ہوئے بیٹھا رہا — غیر ممکن ہے جہاں اے شوخ تو ہو میں نہ ہوں
آشنا ہرگز نہ ہو گا ہم سے وہ بیگانہ خو — سحر کام آئے گا اس مشکل میں نے کوئی فسوں
شوق کی تاثیر سے گریاں جو ہے وہ سنگدل — جیسے نہر اک طرح پیدا ہے میانِ بیستوں
لاکھ ہو انکار اے اصرار ساقی پر مجھے — مان جانا ہی پڑے گا ہم کو بے چون و چگوں
پھر تقاضا ہے یہی مجھ سے کہ اس محفل میں چل — اس دلِ بیتاب کی ضد کو الہٰی کیا کروں
پوچھتے ہیں وہ کہ ہم سے تیری خواہش ہی سو کیا — دل میں جو کچھ ہے مرے اب میں ان سے کیا کہوں

پھر چلے اس قول سے منہ سے جو نکلا ایکبار
ہم سے حسرتؔ ہو چکی ہم رنگئ دنیائے دوں

رباعی نوشتہ ۱۳ ستمبر ۱۹۱۷ء بمقام فیض آباد

ہرچند کہ میں خلاف جمہور نہیں — تقلید عوام دل کو منظور نہیں
نزدیک ہے یہ کہ سب نظر بند چھٹیں — ایسے میں نہ چھوٹوں میں تو کچھ دور نہیں

خدا جانے یہ اپنا حال کیا ہے ہجرِ جاناں میں
کہ آہیں اب تک آتی ہیں نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں

خموشی کی عجب یہ گفتگو ہے وصل میں باہم
نہ کہتے ہیں وہ کچھ ہم سے نہ ہم کچھ ان سے کہتے ہیں

نہ دکھلائے خدا دشمن کو بھی دوری کے یہ صدمے
جو ہم ان سے بچھڑ کر آج کل مجبور سہتے ہیں

مفرِ بے ادب ٹھہریں گے لیکن کیا کریں حسرت
رہا جاتا ہے حالِ دل اگر خاموش رہتے ہیں

۱۴ جولائی ۱۲ء

سب سے چھپتے ہیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں
سیرِ گلشن وہ کریں شوق سے تنہا نہ کریں

دیکھیے شوقِ شہادت میں جھکی ہے گردن
آپ اس وقت ذرا پاس ہمارا نہ کریں

اب تو آتا ہے یہی جی میں کہ اے محوِ جفا
کچھ بھی ہو جائے مگر تیری تمنا نہ کریں

میں ہوں مجبور تو مجبور کی پرسش ہے ضرور
وہ مسیحا ہیں تو بیمار کو اچھا نہ کریں

دردِ دل اور نہ بڑھ جائے تسلی سے کہیں
آپ اس کام کا زنہار ارادا نہ کریں

شکوۂ جور تقاضائے کرم عرضِ وفا
تم جو مل جاؤ کہیں ہم کو تو کیا کیا نہ کریں

نورِ جاں کے لیے کیوں ہوسِ کامل کی تلاش
ہم تری صورتِ زیبا کا تماشا نہ کریں

عشق سے اور حسن سے بیزار ہو زنہار نہ ہو
ہم کبھی شکوہ کریں آپ کا حاشا نہ کریں

طالبِ کوثر و تسنیم جو ہوں حضرتِ شیخ
خواہشِ بادہ کی توہین گوارا نہ کریں

اب جو ملتی ہے تو جلدی سے پی لیں مے نوش
انتظارِ طلبِ جام ہے بیجا نہ کریں

حال کھل جائیگا بیتابیٔ دل کا حسرت
بار بار آپ انہیں شوق سے دیکھا نہ کریں

ہم نے اس بات کا شکوہ نہ کیا تھا نہ کریں
مشقِ بیداد میں ناحق دکھاوا نہ کریں

شوق جب حد سے گزر جائے تو ہوتا ہے یہی
ورنہ ہم اور کرم یار کی پروا نہ کریں

رشک آتا ہے مجھے نور رخِ ہوتا ہے نثار
بام پر آپ شبِ ماہ میں سویا نہ کریں

جان ہی سے نہ گزر جائیں کہیں اہلِ نیاز
شوق سے ناز کریں وہ مگر ایسا نہ کریں

مانع گریہ جو ہیں آپ تو کیا ہم یوں بھی
چارۂ جانِ حزیں و دلِ شیدا نہ کریں

دلِ وحشی کا کسی طرح تقاضہ تو مٹے
کیا کریں سر کو جو آمادۂ سودا نہ کریں

سن کے قاصد سے مرا حال کہا تو یہ کہا
ہیں وہ بدنام کہیں ہمکو بھی رسوا نہ کریں

راز اب تک یہ کھلا ہے نہ کھلے لوگ عبث
دعوئے دانشِ ماہیت اشیا نہ کریں

ہیں رضا کار تو ہم پر ہے بہر حال یہ فرض
شکر حق لب پہ رہے شکوۂ اعدا نہ کریں

مان لیں فیصلۂ دوست کو بے چون و چرا
فکر امروز ہی رکھیں غمِ فردا نہ کریں

تو نے حسرتؔ یہ نکالا ہے عجب رنگ غزل
اب بھی ہم کیا تری یکتائی کا دعویٰ نہ کریں

زندان فیض آباد

اک بار بس گیا جو کہیں ان کے پاس میں
خوشبوئے حسن یہ سدا رہی اس لباس میں

ہم بیکسوں کا آپ کو مطلق نہ ہو خیال
آتی نہیں یہ بات ہمارے قیاس میں

اللہ رے ان کے حسنِ درخشاں کی گرمیاں
چھالے سے پڑ گئے ہیں زبانِ سپاس میں

کیوں کر کوئی ستائے انہیں شوق کی وہ بات
جو پڑ گئی ہے کششِ التماس میں

آخر ہمارے صدق و وفا کا اثر کبھی
ہو گا ضرور ان کے دلِ حق شناس میں

بیتاب بیان نثار ہیں جس پر نگاہ کی
ساقی جھلک رہی وہ کیا تھے گلاس میں

حسرتؔ ہے وقفِ یادِ شباب و جنوں ہنوز
اس ضعف پر بھی فرق نہیں ہے حواس میں

[illegible]

ان سے مل کر شکوۂ بے اعتنائی پھر کہاں
شاد وہ لے دل کہ یہ لطف جدائی پھر کہاں

اب بھی ہیں اہل ہوس ناقدر دان شان حسن
بے چلا ہے ان کو شوقِ خود نمائی پھر کہاں

سب ہماری زندگی ہی تک ہیں انکے حوصلے
ورنہ یہ نازِ وغرور دل ربائی پھر کہاں

شوق ہو کامل تو کیسا جورِ خوباں کا گلا
باوفا ہم ہوں تو رنجِ بیوفائی پھر کہاں

تم ہو کیسے کوئی دنیا میں اگر اپنا نہیں
یعنی جب یہ ہے تو فکرِ بے نوائی پھر کہاں

شرط ہے ایک بار پڑ جانا تمہارے عشق میں
اس طلسم غم سے امید رہائی پھر کہاں

لوٹ لے جی بھر کے حسرت لذتِ آغازِ عشق
اس ستم گر کا یہ رنگِ آشنائی پھر کہاں

[illegible]

سخت رنجور کر دیا ہم کو
دل نے مجبور کر دیا ہم کو

مجھ سے بگڑے ہیں وہ کہ تو نے کیا
سب میں مشہور کر دیا ہم کو

رشک لیلیٰ ہے جس نے غیرتِ قیس
چشم بد دور کر دیا ہم کو

اس نے کی ایسی اک نظر کہ خراب
پھر بدستور کر دیا ہم کو

خاکساروں میں اپنے دیکے جگہ
تم نے معذور کر دیا ہم کو

آہ کہنا وہ ان کا وصل کی شب
تو نے مجبور کر دیا ہم کو

نار نے عشق یار کی حسرت
سر بسر نور کر دیا ہم کو

[illegible]

نہ سمجھے دل فریب آرزو کو
نہ ہم چھوڑیں تمہاری جستجو کو

تری تلوار سے اے شاہِ خوباں
محبت ہو گئی ہے ہر گلو کو

وہ منکر ہو نہیں سکتا فسوں کا
سنا ہو جس نے تیری گفتگو کو

تغافل اس کو کہتے ہیں کہ اس نے — مجھے دیکھا نہ محفل میں عدو کو
نہیں پانی تو مے خانے میں اے شیخ — جو کچھ موجود ہے لاؤں وضو کو
سمجھتا ہی نہیں ہے کچھ وہ بدخو — نہ خود مجھ کو نہ میری آرزو کو

نہ بھولا گھر کے اعدا میں بھی حسرتؔ
ترے فرمودۂ لا تقنطو کو

[illegible]

پھر بھی ہے تم کو مسیحائی کا دعویٰ دیکھو — مجھ کو دیکھو مرے مرنے کی تمنا دیکھو
جز مرے زمانہ پہ کون اتنی خوشامد کرتا — اب بھی وہ روٹھے ہیں لو اور تماشا دیکھو
کہنے سننے سے تو چھوڑیں گے نہ وہ صحبت غیر — چال اب ہم بھی کوئی چلتے ہیں اچھا دیکھو
جور پر جور جفاؤں پہ جفائیں دیکھیں — حوصلہ اپنی محبت میں ہمارا دیکھو
دو ہی دن میں یہ مروت ہے نہ وہ چاہ نہ پیار — ہم نے پہلے ہی یہ تم سے نہ کہا تھا دیکھو
بزم اغیار میں بیجا ہیں تمہارے یہ ستم — اب نہ کرنا مری جانب کو اشارہ دیکھو
ہم نہ کہتے تھے بتا دیں گے ہمارا قصہ — ہنس کے یوں پھر وہ انہوں نے ہمیں دیکھا دیکھو
مستی حسن سے اتنی بھی نہیں تم کو خبر — کیا سنو عرض مری حال مرا کیا دیکھو
کہیں ہر وقت نہ آئے تیرے گیسو کا خیال — شام دیکھو نہ مری جان سویرا دیکھو
شکوہ اول پہ رقیبوں کی مجالس ہے جنوں کا — التماس اس پہ مری ان کا بگڑنا دیکھو
محفل غیر میں پہنچے تمہیں دیکھ لیا — اب کبھی ہم سے خبردار نہ چھپنا دیکھو
خانۂ جاں میں نمودار ہے اک پیکر نور — حسن تو آ در رخ یار کا جلوہ دیکھو
ان کی رنگینی خواہش کا خدا پر آخر — ملتی ہے اب گل رعنا سے خطا کیا دیکھو
سامنے سب کے بنایا نہیں ہم پر یہ عتاب — دیکھو بھی نکل جائے نہ غصہ میں تو دیکھو

مر گئے ہم تو کبھی یاد بھی تم نے نہ کیا
اب محبت نہ کرنا کبھی دعویٰ دیکھو

دوستو ترک محبت کی نصیحت ہے فضول
اور نہ مانو تو دل زار کو سمجھا دیکھو

وعدۂ وصل کو ہنس ہنس کے نہ ٹالو کل پر
تم نے پھر آج نکالا وہی جھگڑا دیکھو

سر کہیں، بال کہیں، ہاتھ کہیں، پاؤں کہیں
ان کا سونا بھی ہے کس شان کا سونا دیکھو

تیر سے مل کے بھلا عذر کی حالت کیا تھی
تم نے یہ مجھ کو نہ کانٹوں میں گھسیٹا دیکھو

اب وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں ستم گر ہیں جو ہم
دل کسی اور سے کچھ روز کو بہلا دیکھو

جاں کیا چیز ہے رکھیں گے جسے تم ہے سب
ہم نے یا دو تو کسی دن ہمیں فرما دیکھو

داغ علو منہ میں تمہارے بھی بھر آئے پانی
مئے رنگیں کا جو ساغر ہے چھلکتا دیکھو

بات کیا ہے جو تم یونہی ہوے جاتے ہو خفا
مجھ کو دیکھو نہ مرے دل کا دھڑکنا دیکھو

ہوس دید مٹی ہے نہ مٹے گی حسرت
دیکھنے کے لئے چاہو انہیں جتنا دیکھو

خیل عشاق کو سرگرم تمنا دیکھو
کوچۂ یار میں اک حشر ہے برپا دیکھو

داغ علو مرشد کامل کی تمہیں ہو جو تلاش
بزم رنداں بھی اک روز ذرا جا دیکھو

تام تک منزل مقصود کا معلوم نہیں
مجھ کو لے جائے کہاں اب دل شیدا دیکھو

اب وہ یوں سب سے کیا کرتے ہیں شکوہ میرا
کس قدر اس نے کیا ہے مجھے رسوا دیکھو

غیر دیکھے تو نظر اس سے تمہاری بھی لڑے
مجھ سے بگڑو جو کبھی گرم تماشا دیکھو

یونہیں مشہور تمہارا ہے غضب رنگ ستم
قتل کر کے ہمیں تم اور بھی چمکا دیکھو

مہرباں ہوں کہ نہ یار مگر تم حسرت
اس سے کرنا نہ کہیں جا کے تقاضا دیکھو

آج پھر اس نے کیا وعدۂ فردا دیکھو
وصل کی بات کا بن بن کے بگڑنا دیکھو

صبح کے نور سے گویا ہے بہم ظلمتِ شام
گیسوؤں رخِ جاناں پہ بکھرنا دیکھو

حال دل سے تمہیں آگاہ کئے دیتے ہیں
اب کبھی ہم کو خبر کیا تھی نہ کہنا دیکھو

ضبطِ خواہش پہ ہو نازاں مگر اے حسرتِ دل
کیا ہو سکتے جو کہیں ان کو اکیلا دیکھو

سن لیا جان سے جاتا نہ رہا حسرتِ زار
بس یہ ہوتا ہے تغافل کا نتیجہ دیکھو

فیض آباد جیل

مجھ ہی میں نہیں آتا کچھ ایسے دلربا تم ہو
قیامت ہو غضب ہو قہر ہو آفت ہو کیا تم ہو

اندھیرے میں وہ آ لپٹے تھے پہلے کس کے دھوکے میں
کہ جب آخر مجھے دیکھا تو شرما کر کہا تم ہو

زمانے میں اگر کوئی نہیں اپنا تو کیا پروا
کسی سے کیا غرض مجھ کو کہ میرا آسرا تم ہو

رگِ جاں سے بھی ہو نزدیک لیکن دائے محرومی
ابھی تک جانتے ہیں سب یہی تم کو جدا تم ہو

ندامت کیوں نہ ہو حسرت غرورِ پادشاہی کو
سمجھنا چاہیے تھا کس کے کوچے کے گدا تم ہو

میرٹھ جیل

دلربا ہے ان کی تمنا کو دلِ زار کے ساتھ
اک سبک سیر بھی گویا ہے گرانبار کے ساتھ

گھر کے آخر آج برسی ہے گھٹا برسات کی
میکدوں میں کب سے ہوتی تھی دعا برسات کی

موجبِ سعد و سرور و باعثِ عیش و نشاط
تازگی بخشِ دل و جاں ہے ہوا برسات کی

شام سرما دلربا تھی صبح گرما خوشنما
دلربا تر خوشنما تر ہے فضا برسات کی

گرمی و سردی کے مٹ جاتے ہیں سب جیسے مرض
لال لال اک ایسی نکلی ہے دوا برسات کی

سر سے پوشش پر ہے زرد و سبز بوٹوں کی بہار
کیوں نہ ہوں رنگینیاں تجھ پر فدا برسات کی

دیکھنے والے ہوئے جاتے ہیں پامالِ ہوس
دیکھ کر چھب تیری اے رنگیں ادا برسات کی

لازم و ملزوم ہیں ابرِ تر و دامانِ تر
درخورِ رحمت ہے حسرتؔ یہ خطا برسات کی

مرادِ آرزو بے مایہ نازِ تمنا ہے
مرے دل سے کوئی پوچھے کہ تو آئینہ گر کیا ہے

دلِ مایوس کی ویرانیوں کا غم ہے یوں مجھکو
کہ اس تاریکئ حرماں میں درد اسکا اکیلا ہے

دلِ مجبور کو شکوہ ہے تیری کج ادائی کا
وہ شکوہ جسمیں تسلیم و رضا کی شان پیدا ہے

رہے تقدیر میری جاں نثاری پر بے ناز اسکو
زہے قسمت غرورِ یار سرگرمِ تماشا ہے

عجب حالت ہوئی ہے میکدے کی ہجر ساقی میں
نہ ساغر ہے نہ پیمانہ، صراحی ہے نہ مینا ہے

تعجب کیا اگر نیکی کے بدلے ہو بدی حاصل
نرالے ہیں یہاں کے قاعدے اے دل یہ دنیا ہے

تمہارے شیوۂ لطف و ستم سے خوب واقف ہیں
بہت کچھ ہم نے دیکھا ہے بہت کچھ ہم نے سمجھا ہے

مٹانے سے بھی یاد اس نوکِ مژگاں کی نہیں مٹتی
عجب کانٹا وہ تھا جو آج تک دل میں کھٹکتا ہے

گرفتارِ وفا رکھنے کی چالیں ہیں سمجھ حسرتؔ
وہ دلداری جو اکثر کرتے ہیں یہ بھی ایک دھوکا ہے

۱۸-۱۹ جنوری ۱۲ء — فیض آباد جیل

جہاں جاؤ جہانِ عشق میں اک شور برپا ہے
جدھر دیکھو تمہارے حسنِ روز افزوں کا چرچا ہے

وہی محروم ہے سو جان سے تجھ پر جو شیدا ہے
یہی اے بیوفا کیا تیری چاہت کا نتیجہ ہے

نہ چھپتا تجھ سے تو کاہیکو رازِ عاشقی کھلتا
انہیں باتوں سے میں رسوا ہوں ظالم تو بھی رسوا ہے

کرامت ہے یہ جذبِ شوق کی مضطر جو ہیں دو دل
انہوں نے مجھ کو دیکھا ہے نہ میں نے انکو جانا ہے

بہت پچھتاؤ گے دیکھو اے دل نا کردہ کار آخر
غضب مایوسیاں ہونگی محبت میں ابھی کیا ہے

چھیڑاتا ہے پھر کیوں نہ وہ مجبور بناتے ہیں
جدائی در کنار کس کو جانِ من تیری گوارا ہے

بہت کچھ ضبطِ غم کے بعد نالے لب تک آئے ہیں
ہماری بے قراری کی شکایت انکو بیجا ہے

وہ ہنس دیتے ہیں اکثر دیکھ کر گرم نظر مجھکو
غرض یہ ہے کہ رنجش ہم پہ سدا حال تیرا ہے

وہ حسرت اب یہ کہتے ہیں کہ تجھ سے کیا ملے کوئی
وہی قصے وہی جھگڑے وہی رونا رلاتا ہے

فیض آباد جیل

۱۸، ۱۹ جنوری ۲۳ء

نہ وہ راتوں کا آنا ہے نہ وہ دن کا بلانا ہے
خفا ہو کر انہیں مد نظر مرا ستانا ہے

ہوئے جاتے ہیں پامال طرب دل اہل محفل کے
غضب آواز ہے ان کی قیامت ان کا گانا ہے

کوئی قصہ کہانی کہہ کے چاہ اپنی جتاتا ہے
کسی دن حال دل دھوکے میں مکو بھی سنانا ہے

کسی دن صاف صاف انکار ہی کر دیں تو بہتر ہے
یہ نہیں منظور اپنے بیدلوں کا چھیڑ جانا ہے

انہیں اندازہ ہے مطلوب میری بیقراری کا
نظر کو شوق بیباکی ہے گھونگھٹ کا بہانا ہے

تسلی اک جھلک سے ہو چکی ہم بیقراروں کی
انہیں منظور اپنے بیدلوں کا چھیڑ جانا ہے

خفا ہم ان سے خود رہتے تھے اک دن وہ بھی تھے حسرت
وہ ہم سے بے سبب روٹھے ہیں یہ بھی اک زمانہ ہے

فیض آباد جیل

۸، ۱۹ جنوری ۲۳ء

جذبہ شوق کدھر کو لئے جاتا ہے مجھے
پردہ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس جفا کار سے ملنے کی تمنا ہے مجھے
اب بھی میں کچھ نہیں کہتا یہی کہنا ہے مجھے

التفات نگہ یار کے لائق میں کہاں
مجھ سے بیگانہ رہیں وہ یہی اچھا ہے مجھے

مرمٹا آپ پہ کون آپ نے یہ بھی نہ سنا
آپکی جان سے دور آپ سے شکوہ ہے مجھے

قوت عشق بھی کیا شے ہے کہ ہو کر مایوس
جب کبھی گرنے لگا ہوں میں سنبھالا ہے مجھے

تم سے ملنے کی یہ راہیں کہیں ہو جائیں نہ بند
خوف رہ رہ کے اسی وہم سے آتا ہے مجھے

مجھ سے بیکار وہ ظاہر میں خفا ہیں حسرت
جب میں چاہوں گا منا لوں گا یہ دعویٰ ہے مجھے

فیض آباد جیل

۲، ۱ اکتوبر ۲۲ء

ہمیں وقفِ غم سر بسر دیکھ لیتے — وہ تم کچھ نہ کرتے مگر دیکھ لیتے
نہ کرتے کبھی خواہشِ سیرِ جنت — جو واعظ ترا رہ گزر دیکھ لیتے
رسائی کہاں بزمِ دشمن میں اپنی — کہ ہم بھی انہیں اک نظر دیکھ لیتے
تمنا کو پھر کچھ شکایت نہ رہتی — جو تم بھول کر بھی ادھر دیکھ لیتے

نہ رہتی خبر دین و دنیا کی حسرت
جو سوتے انہیں بے خبر دیکھ لیتے

فیض آباد جیل

پایا کہیں جو شکوہ گذارِ جفا مجھے — بولے وہ ہنس کے آپ نے کیا کیا کہا مجھے
ڈر یہ ہے کہ انکے تغافل سے ہار کر — کرنی پڑے عتاب کی بھی التجا مجھے
نثارِ نازِ یار رہی ہے عمر بھر — رکھے نیاز مند مجھے مبتلا مجھے
افسردگی کے رنگ یہی ہیں تو ایکدن — پھر دردِ دل کی مانگنی ہوگی دعا مجھے
محفل میں دیکھنے کو کسی کے نہ دیکھنا — اب تک وہ ان کی یاد ہے شانِ حیا مجھے
کہتے ہیں یوں وہ قصۂ فرہاد بار بار — گویا سکھا رہے ہیں طریقِ وفا مجھے
میں ان سے عفوِ جرم کی درخواست کیا کروں — معلوم بھی تو ہو کوئی اپنی خطا مجھے
لاتی ہے شوقِ یار کی خوشبو دوست روز — دیوانہ کر نہ دے کہیں بادِ صبا مجھے

حسرت میں کیا بتاؤں کہ بھاتی ہے کس قدر
شہرِ دیارِ یار کی آب و ہوا مجھے!

ہونا پڑے جو آپکے در سے جدا مجھے — دنیا میں اس گھڑی کوئی کہے خدا مجھے
اس عاجزی سے کیوں میں ہوا آئے درِ یار — اس نے جھڑک دیا جو سمجھ کر گدا مجھے
کیا کہیے عرضِ حال پہ ہنس کے جو وہ کہیں — دیکھو انہیں! یہ دینگے فریبِ وفا مجھے

افسوس کی ہے کہ جا کہہ دو چلے اور تمہیں
کرنا پڑے تمہارے ستم کا گلا مجھے

بیوجہ تم جو بیٹھ رہے ہو کے بے خبر،
آخر یہ کس خطا کی ملی ہے سزا مجھے

ایمانِ جاں ہے اس بت کافر کی آرزو
جس نے کیا ہے محرمِ صدق و صفا مجھے

اقرارِ وصل جس میں کیا تھا حضور نے
اب تک وہ یاد ہے سخنِ دل کشا مجھے

بھولے سے وہ ادھر بھی جو آ نکلے تھے کہیں
اس دن کا بھولتا ہی نہیں ماجرا مجھے

حسرتؔ یہ کس کے حسنِ محبت کا ہے کمال
کہتے ہیں سب جو شاعرِ رنگیں ادا مجھے

۲۷ر اکتوبر ۲۳ء فیض آباد جیل

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے
مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے

ہر نغمہ نے انہیں کی طلب کا دیا پیام
ہر ساز نے انہیں کی سنائی صدا مجھے

ہر بات میں انہیں کی خوشی کا رہا خیال
ہر کام سے غرض ہے انہیں کی رضا مجھے

رہتا ہوں غرق ان کے تصور میں روز و شب
مستی کا پڑ گیا ہے کچھ ایسا مزا مجھے

کھٹکے نہ مجھ پہ ترکِ محبت کی تہمتیں
جس کا خیال تک بھی نہیں ہے روا مجھے

کافی ہے ان کے پائے حنا بستہ کا خیال
ہاتھ آئی خوب سوزِ جگر کی دوا مجھے

کیا کہتے ہو کہ اور لگا لو کسی سے دل
تم سا نظر بھی آئے کوئی دوسرا مجھے

بیگانہ ادب کئے دیتی ہے کیا کروں
اس محوِ ناز کی نگہِ آشنا مجھے

اس بے نشان کے ملنے کی حسرتؔ ہوئی امید
آب بقا سے بڑھ کے ہے زہرِ فنا مجھے

۲۸ر اکتوبر ۲۳ء فیض آباد جیل

خلوص اب ہم وہ لائیں گے کہاں سے
نکل کر حلقۂ پیرِ مغاں سے

تمنا کو یہ ڈر رہتا ہے ان کے آگے
نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے

۹ر نومبر ۲۳ء فیض آباد جیل

ابھی کھل جائے سب رازِ محبت — اٹھا دیں گر وہ پردہ درمیاں سے

بڑھیگی اور ابھی اے شاہِ خوباں — تری خوبی مرے حسنِ بیاں سے

محبت ہو گئی ہے جھکتے جھکتے — جبینِ شوق کو اس آستاں سے

خیالِ آشیاں ہے اب بھی نزدیک — بہت ہم دور ہیں گو آشیاں سے

وہی حسرت کسب ہے اب عاشقی سے
جو نسبت گرد کو ہو کارواں سے

وہ کیوں بگڑے مرے شورِ فغاں سے — شکایت ان سے تھی یا آسماں سے

ہمیں ان کا خیال اللہ اکبر — کہاں تک تھا کہاں تک ہے کہاں سے

کہاں تک پا گئی عشقِ نظر کو — مری قسمت میں تیرے پاسباں سے

گھری کس کشمکش میں ہے تمنا — دلِ بیتاب و جسمِ ناتواں سے

کہیں ان کے تصور کی بلندی — گزر جائے نہ حدِ لامکاں سے

۹ دسمبر ۱۷ء

کسی پر مٹ کے رہ جانا ہے حسرت
ہمیں کیا کام عمرِ جاوداں سے

مریض آباد جیل

میانِ یار شوق آیا کہاں سے — نہ ہوں وہ بدگماں مجھ نیم جاں سے

ابھی شوقِ شہادت نے کوئی حرف — نکلا بھی نہ تھا میری زباں سے

کہ وہ بولے بھلا نسبت ہی کیا ہے (ق) — ترے سر کو مرے تیغِ رواں سے

چلے ہیں پھر دہلی فکرِ بتاں میں — الٰہی اب کے بچے کوئے بتاں سے

غمِ دل کی مسرت عاشقی میں — مبدل ہو گئی ہے سود جاں سے

وہ لب میں آج پھر معرضِ تبسم
پناہ اس التفاتِ شادماں سے

لیا کرتی ہے درسِ عشق حسرت
سخن سنجی مرے طرزِ بیاں سے

لبِ یار شکر فشاں ہو رہا ہے
شکارِ دلِ دوستاں ہو رہا ہے

جو تھا درپئے ظلم ہی وہ آزردہ جاں ہے
کہاں سے یہ ظالم کہاں ہو رہا ہے

بہت آج وہ مہرباں ہو رہے ہیں
مرے ضبط کا امتحاں ہو رہا ہے

ستمگر نہ سمجھا کوئی ان کو بہر سو
وہی آسماں آسماں ہو رہا ہے

حسینوں پہ جانیں فدا ہو رہی ہیں
وفا وعدۂ عاشقاں ہو رہا ہے

ملا اب کیا کہوں تجھ سے بات اپنے دل کی
کہ تو بے سبب بدگماں ہو رہا ہے

تری یاد آرامِ دل بن رہی ہے
ترا نام وردِ زباں ہو رہا ہے

دعائیں خدا سے تجھے ہم کر رہے ہیں
مگر قصد کوئے بتاں ہو رہا ہے

۱۲ نومبر ۱۷ء

جسے وردِ جاں تھا سمجھتے وہ حسرت
محبت میں دشمنِ جاں ہو رہا ہے

ضمیمہ میں دیکھیے

غزل گوئی رہی یکتا میانِ عاشقاں میری
کہاں سے پھر ہوئی پیدا بیاں پر از زباں میری

شبِ غم کیا خبر دیتی بلا سے ہم ہچکیاں میری
خداوندا انہیں کیا یاد آئی ناگہاں میری

مرا انکارِ جرمِ عاشقی سے کون مانیگا
کہ صاف اقرارِ غم کرتی ہے چشمِ خونفشاں میری

جہانِ حسن میں جب تک رہیگا آپ کا شہرا
زبانِ عشق پر جاری رہے گی داستاں میری

ہمارے شکوہ ہائے سخت جانی پر وہ کہتے ہیں
ابھی دیکھی نہیں ہے آپ نے تیغِ رواں میری

تمہارے جورِ بے پروا سے بھی اب چھپ نہیں سکتی
غمِ پنہاں کی شدت سے جو حالت ہے عیاں میری

۲۲ جنوری ۱۸ء فیض آباد جیل

نجانے تھا وہ ایسا کیا مزا فکر محبت میں ‌ ‌ ‌ کہ جس کے نام پر مرتی ہے طبع شادماں میری

انہیں اب ناز ہے خود اپنی صورت پر کہ برسوں سے

پرستش کر رہا ہے حسرتِ رنگیں بیاں میری

کیا شاد اب نادم ہیں اپنے جور کی روداد سے ‌ ‌ ‌ لائے ہیں میرٹھ جو آخر مجھ کو فیض آباد سے

سیرِ گل کو آئی تھی جس دم سواری آپ کی ‌ ‌ ‌ پھول اٹھا تھا چمن فخرِ مبارک باد سے

ہم کو تنہا کیوں ملے جورِ محبت کی سزا ‌ ‌ ‌ جب کہ یہ سب کچھ ہوا تھا آپ کی امداد سے

ہر کس و ناکس ہو کیونکر کامگارِ بے خودی ‌ ‌ ‌ یہ ہنر سیکھا ہے دل نے اک بڑے استاد سے

اک جہانِ مستِ محبت ہے کہ ہر سو بوئے انس ‌ ‌ ‌ چھائی ہے ان گیسوؤں کی نکہتِ برباد سے

اب تلک موجود ہے کچھ کچھ لگا لائے تھے ہم ‌ ‌ ‌ وہ جو اک لپکا کبھی خاکِ جہاں آباد سے

دعویٔ تقویٰ کا حسرت کس کو آتا ہے یقیں

آپ اور جاتے رہیں پیرِ مغاں کی یاد سے

محبت یوں کرے دگر ہو نہیں سکتی وفا مجھ سے ‌ ‌ ‌ یہ تم نے کیا کہا مجھ کو یہ تم نے کیا کیا مجھ سے

سمجھ رکھا ہے مجبورِ وفا کوشی جو ظالم نے ‌ ‌ ‌ ملا کرتا ہے کس کس ناز سے وہ بے وفا مجھ سے

محبت کی بھی کیا تاثیر ہے بیتاب ہیں دونوں ‌ ‌ ‌ ہوا ہے حال جو ان پر ہوئی تھی ابتدا مجھ سے

بتانِ ماہ رو کے حسن پر ایمان لایا ہوں ‌ ‌ ‌ انہیں کو دیکھ کر ہوتی ہے اب یادِ خدا مجھ سے

تصور ان کو ہر دم نزدِ جاں موجود رکھتا ہے ‌ ‌ ‌ وہ رہتے ہیں جدا پھر بھی نہیں رہتے جدا مجھ سے

کہیں دشمن سے بیٹھ کر نالے وہ دیکھ آئے ہیں ‌ ‌ ‌ جبھی بے اختیار آج ان کو آتی ہے حیا مجھ سے

سلہ آج سے ۲۲ سال پہلے (حسرت) سلہ کوڑا جہان آباد ضلع فتحپور (حسرت)

چھپاتے ہیں جسے وہ پردۂ بے اعتنائی میں — محبت کہہ رہی ہے حال اسی کا برملا مجھ سے
تمہارے منہ سے یہ تکرار بھی پر لطف ٹھہرے گی — وہی باتیں سہی جو کہہ چکے ہو بارہا مجھ سے
یہ نازِ بے رخی دیکھو کہ بزمِ غیر میں گویا — شناسا ہوں نہ میں ان کا نہ ہیں وہ آشنا مجھ سے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا انداز ہے تیرا — کبھی ہٹ بیٹھنا مجھ سے کبھی کھل کھیلنا مجھ سے

خیال اک ان کا باقی تھا سو باقی اب بھی ہے حسرت
شبِ غم اور کیا لینے کو آئی تھی قضا مجھ سے

محبت کے عوض رہنے لگے ہر دم خفا مجھ سے — کہو تو ایسی کیا سرزد ہوئی آخر خطا مجھ سے
ملیں بھی وہ تو کیونکر آرزو بر آئے گی دل کی — نہ ہوگا خود خیال ان کو نہ ہوگی التجا مجھ سے
قرار آتا نہیں دل کو کسی عنوان پہلو میں — ہوا ہے آشنا جب سے وہ کافر ماجرا مجھ سے
غنیمت ہے جہانِ عاشقی میں ذات دونوں کی — کہ نام جور قائم تم سے ہے رسمِ وفا مجھ سے
فلک سے بھی ہے بڑھکر بلندی بامِ جاناں کی — یہ پوچھا کرتی ہے اکثر مری آہِ رسا مجھ سے
مگر سیرِ چمن کو آج وہ پھر آنے والے ہیں — ابھی کچھ کہہ رہی تھی کان میں بادِ صبا مجھ سے
محبت بھی عجب شے ہے کہ باوصفِ شناسائی — نہیں ہوتی مخاطب وہ نگاہِ آشنا مجھ سے
سکونِ قلب کی امید اب کیا ہو کہ رہتی ہے — تمنا کی دوچار اک ہر گھڑی برقِ بلا مجھ سے

تقاضا ہے یہی خوئے نیازِ عشق بازی کا
نہ ہوگا اس سراپا ناز کا حسرت گلا مجھ سے

کرتے تو ہو اگرچہ نظر بے عتاب کی — ہم کو ہے اس عذاب میں راحت ثواب کی
اب کیا انہیں بلاؤں کہ یہ بھی تو ہے خیال — ان کو خبر نہ ہو مرے حالِ خراب کی
دنیا کو ہم بھی چھوڑ کے ہو جائینگے فقیر — حالت یہی رہی جو ترے اجتناب کی

مضطر ہے شوقِ دید کہ نکلے گا کب وہ چاند
چھائی ہے جس پہ دیر سے بدلی نقاب کی

واعظ تری زبان سے اللہ کی پناہ
کیا کیا بیان کی ہے خرابی شراب کی

رحمت نے ہم سے پھیر لیا منہ جو حشر میں
صورت نظر میں پھر گئی تیرے حجاب کی

ساقی نہ پوچھ کتنی جہاں تک پیوں پلا
عادت نہیں ہے مجھ کو سوال و جواب کی

ان کا بھی خوابِ ناز میں رہنا محال ہے
شدت اگر یہی ہے مرے اضطراب کی

حسرتؔ سبب ہے عشق ترے اضطراب کا
اب تک خبر نہیں تجھے اس انقلاب کی

دل اور پھر یہ ترکِ خیالِ یار کرے
کیسے یقین ہو، کون اس پہ اعتبار کرے

قفس میں ہو دل بلبل شہیدِ فرقتِ گل
خزاں نے جو نہ کیا تھا وہ اب بہار کرے

قرارِ جاں کے لیے اس نے شیوۂ تسکیں
کبھی جو اور کیا ہو تو اختیار کرے

نہ دل میں خون نہ آنکھوں میں اشک جان کے سوا
کوئی اب ان پہ کرے بھی تو کیا نثار کرے

شبِ وصال ہے کوتاہ، نازِ یار دراز
تحیرِ شوق سے کہہ دو کہ اختصار کرے

شکایت اس کے تغافل کی اس قدر نہ کرو
کہیں نہ پھر نہ مجھے مل کے شرمسار کرے

قریب ہے کہ ترے گیسوئے دراز کی بو
نسیمِ باغِ جوانی کو مشکبار کرے

گزر چکی ہے تمنا کی حد سے دشواری
کہاں تک اور کوئی ترا انتظار کرے

نہ اب یہ چھیڑ سے کہتے ہیں میرے غم نے تجھے
نہ بیقرار کیا ہے نہ بے قرار کرے

ملیں کس خوشی سے دل و دیدہ فرشِ راہ کروں
اگر وہ ترک ادھر بھی کہیں گزار کرے

خدا سے اب یہ دعا ہے کہ جلد یادِ مراد
کہیں تلافیِ مافاتِ روزگار کرے

فزوں ہے حد سے ترے جورِ بیحساب کے داغ
نہ میں شمار کراؤں نہ دل شمار کرے

ہے اک پیام ہمارا بھی اے نسیمِ دکن (اق)
خدا تجھے طرب افروز و غم شکار کرے

ملے جو اس سے تو کہنا کہ "تیرے شوق کا راز
کہاں تلک دلِ حسرت نہ آشکار کرے"

ان کو نہ شغلِ ناز سے فرصت نہ ہو سکی
ہم نے یہ کہہ دیا کہ محبت نہ ہو سکی

شکرِ جفا بھی اہلِ رضا نے کیا ادا
ان سے یہی نہیں کہ شکایت نہ ہو سکی

سب کا یہ حال ہے کہ تری یاد کے سوا
دل کو کسی خیال سے راحت نہ ہو سکی

پابوس کی بھی ہم کو اجازت نہ دے سکے
اتنی بھی تم سے قدرِ محبت نہ ہو سکی

عزمِ سرور و سوز تجھے پا کے دفعتاً
ناصح سے ترکِ مے کی نصیحت نہ ہو سکی

خاموشیوں کا رازِ محبت وہ پا گئے
گو ہم سے عرضِ حال کی جرأت نہ ہو سکی

کر دی زبانِ شوق نے سب شرحِ آرزو
الفاظ میں اگرچہ صراحت نہ ہو سکی

لطفِ مزید کی میں تمنا تو کر سکا
تم یہ تو کہہ سکے کہ قناعت نہ ہو سکی

کیوں اتنی جلد ہو گئے گھبرا کے ہم فنا
اے دردِ یار کچھ تری خدمت نہ ہو سکی

واعظ کو اپنے عیبِ ریا کا رہا خیال
رندوں کی صاف صاف مذمت نہ ہو سکی

اربابِ قال و حال پہ غالب نہ آ سکے
زاہد سے عاشقوں کی اطاعت نہ ہو سکی

ایسا بھی کیا عتاب کہ ساقی بجی کبھی
آخر میں کچھ بھی ہم کو عنایت نہ ہو سکی

اللہ سے میں اپنے دل کا تقاضہ نہ کر سکا
یہ بات تھی خلافِ مروّت نہ ہو سکی

کیوں آئے ہوش میں جو عبادت نہ کر سکے
پیرِ مغاں کی ہم سے اطاعت نہ ہو سکی

[illegible]

حسرتؔ تری نگاہِ محبت کو کیا کہوں
محفل میں رات ان سے شرارت نہ ہو سکی

ہر بات میں اک شان ہے بیساختہ پن کی — تصویر ہے تقریر تری حسنِ سخن کی
بڑھ جائے گی عزت گل و نسرین و سمن کی — لائی ہے چمن میں انہیں تقدیر چمن کی
فرقت میں یہ عالم ہے ترے خستہ [illegible] — کچھ ہوش ہے تن کا نہ خبر کچھ ہے بدن کی
ہونٹوں پہ ہنسی رہتی ہے آنکھوں میں تبسم — سب ہیں انہیں پر صفتیں خلق حسن کی

ہے آج یہ کیا بات کہ بے ساختہ حسرتؔ
یاد آئی ہے رہ رہ کے عزیزانِ وطن کی

سر حشر ان سے پھر صاحب سلامت ہونے والی ہے — ابھی اک اور بھی برپا قیامت ہونے والی ہے
تمہارے حسن کی جو کچھ بھی شہرت ہونے والی ہے — جو سچ پوچھو تو میری بدولت ہونے والی ہے
حجاب اس مست کی آنکھوں سے رخصت ہونے والا ہے — مجھے ہر بات کی حاصل اجازت ہونے والی ہے
دمِ آخر مجھے دیکھا تو نادم ہو کے فرمایا — کسے معلوم تھا تیری یہ حالت ہونے والی ہے
خدا جانے عدو سے مشورے کیا ہوتے رہتے ہیں — نئی شاید کوئی مجھ پر عنایت ہونے والی ہے
وہ از راہِ عطا مجھ پر کرم فرمانے والے ہیں — مری شامِ الم صبحِ مسرت ہونے والی ہے

تمنا کی بہت اچھی نہیں بیباکیاں حسرتؔ
سنا ہے ان سے پھر تیری شکایت ہونے والی ہے

نگاہِ اہلِ نظر میں وہ نورِ عین کے رہے — قلوبِ اہلِ ولا میں سرور بن کے رہے
عجب نہیں کہ ترے عاشقوں کو ہے جو نصیب — وہ انکسار بھی وجہِ غرور بن کے رہے
تری نوازشِ پیہم سے ڈر یہی ہے کہ دل — کچھ اور بھی نہ کہیں ناصبور بن کے رہے

کسی کے جورِ تغافل میں بھی ہمارے لیے
مزے معانیٔ بین السطور بن کے رہے

ادائے حسن میں بیجا ہے کاردانیٔ عشق
مزا تو جب ہے کہ یارب بے شعور بن کے رہے

وہ جس گناہ کو کہہ دیں ثواب ہو وہ ثواب
جسے قصور بتا دیں قصور بن کے رہے

تری طلب میں اذیت عزیز ہو کے رہے
تری تلاش میں زحمت سرور ہو کے رہے

جنوں کا روز یہی ہے تو کیا عجب حسرت
کہ رفتہ رفتہ یہ شورِ نشور بن کے رہے۔

54

دیوان حسرت

موہانی

حصہ پنجم

جس میں حسرت موہانی کی تقریباً وہ کل غزلیں درج ہیں جو "قید فرنگ ثانی" اور "قید فرنگ ثالث" کے درمیانی عہد میں بعض بحالتِ نظربندی بمقام کھمورہ میں اور بعض بحالت آزادی بمقام علیگڑھ، لکھنؤ، کانپور، بادوان مختلف لکھی گئیں۔

از اپریل ۱۹۱۸ء تا اپریل ۱۹۲۲ء

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

اب وہ ملتے بھی ہیں تو یوں۔ کہ کبھی
ہم سے کچھ واسطہ نہ تھا گویا

ہم کو منظور سب ہے سب مرغوب
تجھ سے جو کچھ ملے جزا سزا

جلوۂ یار ہے دلوں کے لیے
فی المثل اک طلسم ہوش ربا

میں بھی ہوں اک فقیر حاجتمند
کرم اے بادشاہ جود و عطا

النّاظر لکھنؤ

گلشنِ یار کی حسرت

جانفزا کس قدر ہے آب و ہوا

مائل ہوں میں دل سے بیدلی کا
شیریں ہے تلخ عاشقی کا

دیوانہ ہوں عاقلوں سے لیکن
دعویٰ ہے مجھے برابری کا

مستانہ خرامیوں کی دھن میں
کچھ پاس نہیں تمہیں کسی کا

خدام کی بندگی پہ ہم کو
لازم تھا خیال صاحبی کا

ہر آئینہ مستحق ہوں ساقی
محفل میں تری بچی کھچی کا

غصے میں ادائے ناز انکی
گرمی میں ہے لطف چاندنی کا

شاہد کو جفا کشی مبارک

حسرت کو مزا قلندری کا

اک جو بے وے کے ہمیں شیوۂ یاری آیا
وہ بھی کچھ کام نہ خدمت میں تمہاری آیا

ان کے آگے لب فریاد بھی گویا نہ ہوئے
چپ رہے ہم جو دم شکوہ گزاری آیا

آرزو حال جو اپنا انہیں لکھنے بیٹھی
قلم شوق پے نامہ نگاری آیا

واں سے ناکام پھرے ہم تو دریا س تلک
خونِ حسرت دلِ مجروح سے جاری آیا

دل پر شوق میں آئی کرم یار کی یاد
کہ چمن میں قدم بادِ بہاری آیا

تیرے انکار سے فی الفور ہوا کام تمام
زخم ایسا سرِ امید پہ کاری آیا

اور تو کچھ بھی ہمیں عشق میں حاصل نہ ہوا
ہاں مگر اک ہنرِ سینہ فگاری آیا

گھر کے آئی جو گھٹا ہم نے یہ جانا حسرت
وقت شوریدہ و بادہ گساری آیا

آئی جو ان کی یاد مرا دل ٹھہر گیا
دعوئ غمِ فراق کا باطل ٹھہر گیا

تیرِ نگاہِ یار کا مشکل ہے سامنا
یہ اور بات ہے کہ مقابل ٹھہر گیا

ہم سر جھکا چکے تھے علم ہو چکی تھی تیغ
پھر کیا کیا خیال کہ قاتل ٹھہر گیا

اے خوش نصیب جو آپ ہوئے مائلِ ستم
یعنی میں التفات کے قابل ٹھہر گیا

دل کو ادائے یار پہ حاصل ہوا قیام
پایا جو اس جہاز نے ساحل ٹھہر گیا

خواب و خیال ہو گئیں اگلی وہ صحبتیں
پھر اب بھی اس نواح کا مشکل ٹھہر گیا

فرزانگی قصور ہے دنیائے عشق میں
دیوانہ جو ہوا وہی کامل ٹھہر گیا

بیچارگی میں رٹ جو لگی ان کے نام کی
تسکینِ جانِ زار ہوئی دل ٹھہر گیا

اچھا ہوا کہ مملکتِ حسن و عشق میں
حسرت وہ پادشاہ میں سائل ٹھہر گیا

سہل ہونے کو مرا عقدۂ دشوار آیا
روزِ غم ختم ہوا شام ہوئی یار آیا

شکر للہ کہ تاریکیٔ فرقت ہوئی دور
مژدۂ وصل بعہد صلۂ انکار آیا

چمنِ جاں میں نسیمِ ہوس انگیز چلی
کشتِ امید پہ ابرِ طرب آثار آیا

بادۂ عیش سے مینائے تمنا چھلکیں
سازِ شوق ہے ذوق سے گلزار آیا

[illegible]
[illegible]

دلِ مجبور بھی کیا شے ہے کہ در سے اپنے — اس نے سو بار اٹھایا تو میں سو بار آیا

کیوں نہ برہم ہوں وہ حسرت مری رسوائی سے
نام ان کا بھی ہر کوچہ و بازار آیا

لیکے دل پہلے تو کس ڈھب سے وہ تیار گیا — اب یہ کہتا ہے کہ تو کیا مرے سرمار گیا
شکوۂ جور مری عرض کرم کو جاتا — آہ کس بات پہ وہ شوخ ستم گار گیا
آرزو پر ترے انکار نے ڈھائی آفت — سینۂ شوق سے اک ناوک غم پار گیا
اور تو کس کی رسائی تری خلوت میں ہوئی — اک فقط میں ترے جلوے کا طلبگار گیا
اب تو ہم کو بھی یہی دھن ہے ہمیں بہلکے چلیں — ابر جب جھوم کے اٹھا سوئے کہسار گیا

ہو گیا دے کے سر انکے حق خدمت سے ادا
حسرت آیا تھا سبکسار سبکسار گیا

چاندنی رات میں پھولوں کا ہو زیور کیا خوب — رنگ لائیگا ترا حسنِ معطر کیا خوب
روشنی بخشِ تمنا ہے جو اک ماہ منیر — وصل کی رات کا چمکا ہے مقدر کیا خوب
قابل دید تھی گرمی میں پسینے کی بہار — تر ہوا ہے عرقِ حسن سے بستر کیا خوب
دیکھتے ہی انہیں پہچان لیا جان لیا — ہم سے وہ چھپنے چلے تھے پسِ چادر کیا خوب
بن گئی ہے بدلِ گردشِ گردوں ساقی — ڈھونڈ لیتا ہے بہلنے دل مضطر کیا خوب

کھول کر بال جو سوتے ہیں وہ شب کو حسرت
گھیر لیتا ہے انہیں زلفِ معبر کیا خوب

دل ہے بیشک نورِ حق سے فیض یاب — "آفتاب آمد دلیل آفتاب"
ہاتھ قتل عاشقاں سے مت اٹھا — کام کر ان کا کہ ہے کار ثواب

شوقِ مے کی پرورش کیوں کر نہ ہو ۔ لطف ساقی آج کل ہے بے حساب
ہے ترے لئے بادشاہِ مہوشاں ۔ خانۂ جانِ عزیزاں ہے خراب
پی جوان آنکھوں نے تھی صہبائے حسن ۔ پھوٹ نکلا ہے وہی رنگ شراب
ترکِ جرمِ عاشقی ممکن نہیں ۔ پھر اسی کا ہم سے ہوگا ارتکاب

عصرِ جدید کلکتہ

عشق حسرتؔ ہے نشانِ حسنِ دوست
ہے گلاب آتی نہیں بوئے گلاب

شادمانِ عشق ہے جانِ خراب ۔ عیش غم سے سربسر دل کامیاب
اب نہ ہے دل باقی نہ دل کی شورشیں ۔ آہ وہ ہنگامۂ عہدِ شباب
آج تک اس نے نہ پہچانا کہ ہیں ۔ عشق میں ہم حسن میں وہ لاجواب
اب تو تھامو ہم کو یا کر دو شہید ۔ صبر کی مطلق نہیں ہے دل کو تاب
ہم نے سب کچھ کر دیا ان پر نثار ۔ پھر بھی تو باقی ہے ان کا اجتناب
دیر سے بیٹھے ہیں مشتاقِ لقا ۔ تا کجا اے نازنیں ہم سے حجاب

البرید کانپور

مرتے مرتے حسرتؔ ہم ہیں خاکِ راہِ دوست
اس کو کہتے ہیں یہ ہے حسن المآب

بتلائے نہ کیوں غم کو جانِ محبت ۔ دلِ زار ہے کاروانِ محبت
ترے غم سے گر دیدہ ہے سب سے فارغ ۔ زہے خاطرِ شادمانِ محبت
نہ کر جور اتنا بھی اے شاہِ خوباں ۔ کہ مر جائیں گے بیدلانِ محبت

وہ سنتے نہیں ہیں وہ سب سن رہے ہیں — کہے جائیں ہم داستانِ محبت
رہے محوِ خوابِ ہوس اہلِ ظاہر — گذر بھی گیا کاروانِ محبت
نہ سمجھا سوا حسن کے اور کوئی — بیانِ تمنا زبانِ محبت
سرِ عجز حسرت بھی خم کیوں نہ ہوتا — ترا ناز ہے حکمرانِ محبت

اودھ اخبار لکھنؤ — ۵ فروری

شجرِ غم ہے آشیانۂ روح — گریہ و نالہ آب و دانۂ روح
عشق نے جب بیک اشارۂ حسن — کر دیا جسم کو خزانۂ روح
مے عرفاں سے ہو گیا لبریز (ق) — خود بخود ساغرِ شبانۂ روح
خوب دنیائے آرزو میں اڑا — ناوکِ درد سے نشانۂ روح
تجھ کو بیباک دیکھنے کے لئے — عذرِ مستی ہوا بہانۂ روح
ہر طرف ہیں عیاں نقوشِ جمال — دیدنی ہے نگار خانۂ روح
نغمۂ قلب ہے ستائشِ عشق — صفتِ حسن ہے ترانۂ روح
جسمِ حسرت ہے یا کہ جان گداز — ذکرِ حسرت ہے یا فسانۂ روح

مخزن لاہور — ۱۳ مئی ۱۳ء

کرم ساقیٔ مے خانہ مبارک باشد — گرمیٔ مجلسِ رندانہ مبارک باشد
عید ہے آج کا دن بادہ پرستوں کیلئے — عشرتِ گردشِ پیمانہ مبارک باشد
جسکی دیدار کی مدت سے تمنا تھی سو آج — ہے وہی رونقِ کاشانہ مبارک باشد
دل فرد نشانِ تمنا کو بصد عیش و نشاط — دولتِ جلوۂ جانانہ مبارک باشد
تو کہ سردارِ حسیناں ہے حسینوں میں تجھے — تزک و شوکتِ شاہانہ مبارک باشد

میں کہ ہمہ خیالِ گدایانِ محبت ہوں مجھے — شانِ شایانِ فقیرانہ مبارک باشد
جانِ حسرت کے لئے مایۂ نازش ہے یہی
اضطرابِ دلِ دیوانہ مبارک باشد

حسرت کان پور — ۲۶ نومبر ۲۲ء

ان کو رسوا مجھے خراب نہ کر — اے دل اتنا بھی اضطراب نہ کر
آمدِ یار کی امید نہ چھوڑ — دیکھ اے آنکھ میلِ خواب نہ کر
مل ہی رہتی ہے مے پرست کو مے — فکرِ نایابیٔ شراب نہ کر
ناصحا ہم کریں گے شرحِ جنوں — دلِ دیوانہ سے خطاب نہ کر
شوقِ یاروں کا بے شمار نہیں — رسم اے دوست بے حساب نہ کر
دل کو مستِ خیالِ یار بنا — لب کو آلودۂ شراب نہ کر
دیکھ ہر حال شغل مے حسرت
اس میں پروائے شیخ و شاب نہ کر

(۲۲ء [illegible] منزل [illegible])

زمانہ کلکتہ — ۵ جنوری ۲۳ء

ہو گئی کثرتِ نظر — پردۂ حسن بے خبر
تجھ کو دمِ وداعِ جاں — دیکھ لیا بہ چشمِ تر
عاشقِ نامراد کی — آہ میں بھی نہیں اثر
پھرتے ہیں دم سب آپ کا — جن و بشر شجر و حجر
دھوئے گی داغِ معصیت — پاکیٔ گریۂ سحر
عشقِ تلاشِ حسن میں — خاک بسر ہے در بدر
بزمِ سرورِ یار میں — غم کا بھلا کہاں گذر
کشمکشِ فراق سے — ہے لبِ جاں پہ الحذر

(۱۹ مارچ ۲۳ء [illegible] منزل [illegible])

وصل کے بعد روح میں — کچھ بھی رہا نہ شور و شر
نورِ جمالِ یار پر — جم نہ سکی کوئی نظر
دیکھے جو ان کو بے حجاب — کب ہے یہ طاقتِ بشر
جی کا نہ ہو کہیں زیاں — راہِ جنوں ہے پر خطر
کہنے گئے تھے ان سے حال — کچھ بھی نہ کہہ سکے مگر
عشق سے درد کے سوا — دل کو نہ کچھ ملا ثمر
کثرتِ اشکِ شوق سے — دامنِ جاں ہے پُر گہر
بے ہنری ہے عشق میں
حسرتِ زار کا ہنر

زمانہ کانپور

میرے عشقِ مجاز کا ہے شعار — فی المثل "دل بیار و دست بکار"
چشمِ رنگینِ یار کو ہے پسند — سرخیِ اشکِ عاشقاں کی بہار
صاف اقرار ہے محبت کا — آپ کا التفات سے انکار
عرصۂ عاشقی میں ہیں مجبور — نہ قیام آئے گا نہ ہم سے قرار
آپ سا اور ہم سا یار کہاں — آپ کو ہم سے جاں نثار ہزار
یادگار اپنی کچھ نہ چھوڑ چلے — تم میرے پاس غیر جانِ فگار
کیوں یاد آئیں وہ اب بھلا کہ انہیں — تابِ گفتار و طاقتِ رفتار
شوق بیتاب ہے شہادت کا — وہ جو آئے ہیں کھینچ کر تلوار
دور میں حسنِ یار کے حسرت
کون ہے جو رہ سکے گا ہشیار

اماں دہلی

۲۰ اگست [illegible]

در حجرۂ حسن کا نہ کر باز — مشتاقِ جمال ہیں نظر باز
محفل میں وہ جلوہ گر ہو بیباک — بیتاب ہیں عاشقانِ سرباز
آنکھوں ہی میں کٹ گئی شب ہجر — رونے سے نہ آئی چشم تر باز
کہتے ہیں درِ قبول اکثر — ہوتا ہے یہ نوبت سحر باز

(زمانہ کانپور مئی ۲۳ء)

اک نعرۂ حق سے تو بھی حسرت
کرنا ہو تو کر درِ اثر باز

ترچھی نظر لکھنؤ — اپریل ۲۳ء

یوں ہم سے چھپے وہ یار افسوس — افسوس ہزار بار افسوس
بیگانہ ہے اک ہمیں سے ناحق — وہ یار وفا شعار افسوس
بے بادہ و نغمہ یوں گزر جائے — ہنگامۂ نو بہار افسوس
گستاخ نگاہیاں ہوس کی — کیوں آئیں شتابکار افسوس
اب خواب میں بھی خیال ان کا (ق) — آتا ہے نقاب دار افسوس
ہم سے نہ ہوا کبھی مخاطب — وہ یار کرشمہ کار افسوس

(نیرنگ خیال)

دل کس نے لیا یہ دیکھو حسرت
کیوں کرتے ہو بار بار افسوس

عصر جدید کلکتہ — ۵ جنوری ۲۴ء

ہر درد ہر مرض کی دوا ہے تمہارے پاس — کہتے ہیں سب یہی کہ شفا ہے تمہارے پاس
لایا ہے جذب دل جو انہیں کھینچ کر یہاں — وہ پوچھتے ہیں کیا یہ بلا ہے تمہارے پاس
پھیلائی ہے اسی نے سرِ کوئے دل کی بات — غماز اک جو باد صبا ہے تمہارے پاس
کس کس خوشی سے بیٹھے ہیں لوگوں کے دل اسیر — کیا چیز دام زلف دوتا ہے تمہارے پاس
سمجھاؤ لاکھ دل کو پہ آتا نہیں قرار — اس کا بھی کچھ علاج بھلا ہے تمہارے پاس

(ہمدم ۲۴/۷/۲۳ء)

سب حل ہوں مشکلیں جو ملے دولتِ یقیں
لوحِ طلسمِ بیم و رجا ہے تمہارے پاس

کیونکر پہنچ سکے گی مرے حال کی خبر
کتنا ہجوم ناز و ادا ہے تمہارے پاس

اقرار ہے کہ دل سے تمہیں چاہتے ہیں ہم
کچھ اس گناہ کی بھی سزا ہے تمہارے پاس

مانا کہ اب جلا دو ہمیں تم ہے اختیار
سر رشتۂ فنا و بقا ہے تمہارے پاس

اب کوئی کیا کرے دلِ گم گشتہ کی تلاش
سب کہتے ہیں یہی کہ رہا ہے تمہارے پاس

حسرت کرو نہ دل میں زیارت حضور کی
آئینہ رسول نما ہے تمہارے پاس

نارسائی میں بھی رہے اے کاش
دل کو حاصل ہر دمِ سعیِ تلاش

مقصدِ عشق جانِ عشق ہے درد
دردِ لذت فروش، راحت پاش

کیوں نہ آئے جو تو ہو بادہ فروش
نقد جاں لے کے حسرتِ قلاش

۱۸ مارچ ۲۳ء
یروڈا سنٹرل جیل

سرخیِ حسن ہے ملبوسِ نگارِ عارض
یا عیاں نور کے پردے میں ہے نارِ عارض

دیکھنا صبحِ شبِ وصل بہارِ عارض
لیلِ گیسو سے نمایاں ہے نہارِ عارض

خوابِ راحت سے اٹھے وہ تو بنے زینتِ صبح
رونقِ صبح ہوئی آئینہ دارِ عارض

خواہشِ اہلِ نظر فتنۂ آں چشمِ سیاہ
شوقِ اربابِ صفا عاشقِ زارِ عارض

اس شہرِ حسن کے ماتحت ہے دنیائے جمال
خلخِ لب ختنِ جبہ تتارِ عارض

زلفِ جاناں کو نیا چاہیے اک روز شکار
دل ہو اندر جبیں سدرۂ شکارِ عارض

گریۂ اہلِ تمنا کے اثر سے حسرت
ملکِ خوبی میں ہے سرسبز جوارِ عارض

[illegible]

مونس بے کساں درود شریف | راحتِ عاشقاں درود شریف
طالبانِ وصال کو ہر دم | چاہئے بر زباں درود شریف
میری جانب سے ان کے پاس ملک | لے چلے ارمغاں درود شریف
اسم اعظم ہے قیدیوں کیلئے | قید میں بے گماں درود شریف
وہ بھی یا رب ہو دن کہ ساکر پڑھیں | ہو کے ہم کامراں درود شریف
یہ بھی اک فیض عشق ہے ورنہ | ہم کہاں اور کہاں درود شریف

شوق نام حضور کا حسرتؔ
بن گیا ترجماں درود شریف

اودھ اخبار لکھنؤ ۲۷ اکتوبر ۲۳ء

کچھ یاد بھی ہے وہ عہدِ سابق | اے دشمنِ دوستاں صادق
کیا بات ہے میرے حسنِ ظن کی | ہے جور ترا کرم سے فائق
اس روئے جمیل میں ہیں یکجا | انوار مغارب و مشارق
محروم نہ ہو تو اور کیا ہو | اس دشمنِ عاشقاں کا عاشق

حسرتؔ کو دیارِ عاشقی کی
زنہار نہیں ہوا موافق

امام بر حقِ اہل رضا سلام علیک | شہید معرکۂ کربلا سلام علیک
گلِ مرادِ ولایت حسینؑ ابن علیؓ | تمۂ شرف[1] مصطفےٰ سلام علیک

سابرمتی سنٹرل جیل محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

---

[1] چونکہ شہادت کبریٰ سے عوام کی نظر میں توہین رسالت کا اندیشہ تھا اس لئے حضور کو یہ نعمت بذریعہ سید امام حسین علیہ السلام حاصل ہوئی پس تمۂ شرف مصطفےٰ ٹھہرے (حسرتؔ)

ثبوت یہ ہے کہ نورِ شہادتِ کبریٰ — تری جبیں سے نمایاں ہو السلام علیک
عبث ہے وہ کہیں راہ صبر[۱] و حق کی تلاش — تری مثال ہے جب رہنما سلام علیک

ترے طفیل میں حسرتؔ بھی ہو شہید وفا
یہی دعا ہے یہی مدعا سلام علیک

کرو کچھ تو ارشاد یا غوث الاعظم — سنو مری فریاد یا غوث الاعظم
رہِ عاشقی میں کہیں میری محنت — نہ ہو جائے برباد یا غوث الاعظم
گرفتاریٔ حسن ظاہر سے دل کو — کرو جلد آزاد یا غوث الاعظم
مبارک ہمیں دردِ دل ہو کہ اس پہ — تمہارا ابھی ہے صاد یا غوث الاعظم
اسے تم سوا کون اٹھائے گا مجھ پر — پڑی ہے جو افتاد یا غوث الاعظم
زیارت ہزاروں کو ہوتی ہے اکدن (ق) — اسے بھی کرو یاد یا غوث الاعظم

کہاں تک رہے دل میں حسرتؔ کے آخر
تمنائے بغداد یا غوث الاعظم

فیضِ محبت سے ہے قیدِ محن — میرے لئے اک بلا ہے حسن
شام غریباں کے برابر کہاں — مذہبِ عشاق میں صبح وطن
آہ وہ غارتگرِ صبر و شکیب — سلسلۂ زلفِ شکن در شکن
فتنۂ جاں وہ سخنِ دل پذیر (ق) — دشمنِ دیں وہ نگہ سحر فن

---

[۱] اشارہ بہ جانب آیۂ کریمہ وتواصوا بالحق و ...
یہیں سے عدم تشدد بہر حال کی تردید نکلتی ہے۔ ... ہیں

جلوۂ جاناں سے ہے دارُ السّرور	خانۂ جاناں اب نہیں بیت الحزن
مہر و مروت سے تمہیں واسطہ	یہ بھی حریفوں کا ہے اک حسنِ ظن

جب سے کیا عشق نے حسرتؔ مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

لطف کی ان سے التجا نہ کریں	ہم نے ایسا کبھی کیا نہ کریں
مل رہے گا جو ان سے ملنا ہے	لب کو شرمندۂ دعا نہ کریں
صبر مشکل ہے آرزو بے کار	کیا کریں عاشقی میں کیا نہ کریں
مسلکِ عشق میں ہے فکر حرام	دل کو تدبیر آشنا نہ کریں
بھول ہی جائیں ہم کو یہ تو ہو	کون کہتا ہے وہ جفا نہ کریں
مرضیٔ یار کے خلاف نہ ہو	لوگ میرے لئے دعا نہ کریں

شوق ان کا سو مٹ چکا حسرتؔ
کیا کریں ہم اگر وفا نہ کریں

[illegible]

بدلِ گردشِ ایام ملے گا کہ نہیں	گوشۂ یاس میں آرام ملے گا کہ نہیں
بے وفا چھوڑ چلا ہم کو کہیں گے کہ نہ وہ	جاں نثاری کا کچھ انعام ملیگا کہ نہیں
کام کیا شوق کی تاثیر نہ آئے گی کبھی	کھل کے بھی وہ بتِ خودکام ملیگا کہ نہیں
کرمِ پیرِ مغاں عام ہے رند نہ ڈرو	کہ ہمیں بادۂ گلفام ملے گا کہ نہیں
جلوۂ دوست کی نسبت یہی ہر دم ہے خیال	کہ وہ اب پھر بھی سرِ بام ملیگا کہ نہیں
حسرتؔ کا آرزوِ تا تمنا ہی کی جگہ	دفترِ دل میں کہیں نام ملیگا کہ نہیں

نعمت بدر لیعہ

الناظر لکھنؤ

کل تو رندوں میں ملا تھا مگر اب پھر بھی کہیں
دیکھئے حسرتؔ گمنام ملے گا کہ نہیں

جنوری ۲۳ء

کچھ میرے حالِ زار کی ان کو خبر نہیں
کیا ہو کہ میں ہی جا کہ سنا دوں مگر نہیں

اک آفتاب حسن درخشاں ہے وہ جمال
دیکھے اسے بغور یہ تابِ نظر نہیں

پہلو میں دل کو پوچھ رہی ہے نگاہِ یار
کیا جانے اب کوئی وہ کدھر ہے کدھر نہیں

کب تھے وہ میرے حال سے اس درجہ بے خبر
کیوں کر کہوں میں نالۂ دل میں اثر نہیں

ہم بیکسوں کو قتل جو کرتا ہے بے گناہ
کچھ اے عزیز تجھ کو خدا کا بھی ڈر نہیں

پرسش ہے میرے حال کی یا اب جو روز حشر
اتنا بھی اب وہ قصۂ غم مختصر نہیں

ہو یار تک رسائی حسرتؔ نہ کیوں محال
اس محفلِ سرور میں غم کا گذر نہیں

اردوئے معلی ۲۳ء

کب وہ بلاتے ہیں دوبار ہمیں
جب نہ رہا دید کا یارا ہمیں

ہوش میں کیا آئیں نہیں چھوڑتا
جلوۂ جاناں کا نظارا ہمیں

کچھ بھی نہیں ہے اگر انکے بقول
پھر نہ دیں دل وہ ہمارا ہمیں

ان کی حیا کہتی ہے معلوم ہے
حال ترے شوق کا سارا ہمیں

حکم فنا کی انہیں حاجت نہ تھی
آنکھ سے کافی تھا اشارہ ہمیں

کون ہے کیا ہے وہ بت بیوفا
کوئی بتاؤ یہ خدارا ہمیں

اس دلِ نازک پہ نہ ہو گر اثر
ہے غم فرقت بھی گوارا ہمیں

کاش وہی پھر بھی جلائے کہیں
جس نگہِ لطف نے مارا ہمیں

وہ بھی نہ حسرتؔ کہیں دیدیں جواب
اک انہیں کا ہے سہارا ہمیں

معارف اعظم گڑھ جون ۲۳ء

اردوئے معلی جون ۲۳ء

یہ کس بزم کے ہم نکالے ہوئے ہیں — کہ محرومیوں کے حوالے ہوئے ہیں
وہ اب آئیں محفل میں، سب اہلِ محفل — خبردار ہیں دل سنبھالے ہوئے ہیں
فریبِ وفا آپ دیتے ہیں کس کو — یہ جلوے مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں
وہ بے پردہ ہوتے ہیں، ظاہر میں لیکن — دوپٹے یوں ہی منہ پہ ڈالے ہوئے ہیں
مہک کی خوشبو سے بدمست یکسر — تری شال تیرے دوشالے ہوئے ہیں
یہ کیا جانے زاہد کہ ابرِ رمضان — مرے جام تیرے کھنگالے ہوئے ہیں

[illegible]

ضیا بارئ عشقِ جاناں ہے حسرت
اندھیرے دلوں کے اجالے ہوئے ہیں

نگار بھوپال — جولائی ۲۳ء

اک واقفہ ماجرا ہے درکوئے میفروشاں — سرگرم بادہ نوشی اب تو وہ خرقہ پوشاں
بے پردہ جلوہ گر ہے محفل میں وہ خود آرا — چمکی ہے آج کیا ہی تقدیر دل فروشاں
ہم عاشقِ بتاں ہیں با وصفِ حق پرستی — صورت پسند اپنا معنی شناسِ اوشاں
پردے میں شرم کے ہے روپوش جورِ خوباں — یہ بھی ہے اک فریبِ ناز بہانہ کوشاں
مصروفِ یادِ حق ہیں رندانِ لاابالی — گویا ہے بزمِ ساقی اک محفلِ خموشاں
کام آئے گی نہ کچھ بھی کیا اپنی جاں فشانی — اے شاہِ ماہ رویاں اے جانِ تیر فروشاں

[illegible]

ہم بھی بگڑ کے رہتے اس بے خبر سے حسرت
انکار میں جو ہوتا آئینِ دردنوشاں

امان دہلی — ۲۳ر اگست ۲۲ر

ہم دیر سے نظارۂ خوباں میں لگے ہیں — یہ بھول غضب گلبنِ ایماں میں لگے ہیں
مصروفِ غمِ عشق نہیں دل کے ارادے — قیدی ہیں کہ سب کام پہ زنداں میں لگے ہیں
ٹکڑے ہیں یہ کس کے دلِ محروم کے ظالم — اب تک جو ترے تیر کے پیکاں میں لگے ہیں

مجھ سے وہ کھلیں کیا کہ نظر اٹھ نہیں سکتی　　محجوب ہیں پیمائش داماں میں لگے ہیں
لگتی نہیں رونقِ رضواں میں طبیعت　　ان کی جو سرِ کوچۂ جاناں میں لگے ہیں

باقی نہیں اک تار بھی دامن میں [illegible]
اب اہلِ جنوں نخرِ گریباں میں لگے ہیں

نہ سہی گر انہیں خیال نہیں　　کہ ہمارا ابھی اب وہ حال نہیں
یاد انہیں وعدۂ وصال نہیں　　کب کیا تھا یہی خیال نہیں
ایسے بگڑے کہ وقت شوق کی بات　　آج تک ہم سے بول چال نہیں
مجھ کو اب غم یہ ہے کہ بعد مرے　　خاطرِ یار بے ملال نہیں
عفوِ حق کا ہے میکشوں پہ نزول　　ریزشِ ابر برشگال نہیں
ہم پہ کیوں عرضِ حال دل پہ عتاب　　ایلچی کو کہیں زوال نہیں
سن کے مجھ سے وہ خواہشِ پابوس　　ہنس کے کہنے لگے تجال نہیں
دل کو ہے یاد شوق کا وہ ہنر　　جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں

آپ نادم نہ ہوں کہ حسرت کے
شکوۂ غم کا احتمال نہیں

اس بت کے پجاری ہیں مسلمان ہزاروں　　بگڑے ہیں اسی کفر میں ایمان ہزاروں
دنیا ہے کہ ان کے رخِ گیسو پہ مٹی ہے　　حیران ہزاروں ہیں پریشان ہزاروں
تنہائی میں بھی تیرے تصور کی بدولت　　دل بستگیٔ غم کے ہیں سامان ہزاروں
اے شوق تری پستیٔ ہمت کا برا ہو　　مشکل ہوئے جو کام تھے آسان ہزاروں
آنکھوں نے تجھے دیکھ لیا اب نہیں کا غم　　حالانکہ ابھی دل کو ہیں ارمان ہزاروں

[illegible]

چھانے ہیں ترے عشق نے آشفتہ سری میں
دنیائے مصیبت کے بیابان ہزاروں

اک بار تھا سرگردلِ حسرت پہ رہیں گے
قاتل تری شمشیر کے احسان ہزاروں

نامرادوں کو شاد کام کرو
کرم اپنا کبھی تو عام کرو

کارِ عاشق ہے ناتمام سو تم
قتل کر کے اسے تمام کرو

سب کی خاطر کا ہے خیال تمہیں
کچھ ہمارا بھی انتظام کرو

عاشقو ہجر سے نہ ہو بیزار (ق)
غم جاناں کا احترام کرو

رات رو رو کے جس طرح کاٹی
اسی صورت سے دن کو شام کرو

گفتگو ہیچ ہے اگر چاہو
کام جاں کا حصول کام کرو

موت سے پہلے ہی زراہ وفا
مرمٹو۔ عاشقی میں نام کرو

کھل سکے جب تلک نہ راہِ مراد
منزلِ صبر میں قیام کرو

پوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو
تم بھی حسرت اٹھو سلام کرو

لاکھ اس شوخ جفا کار سے پرہیز کرو
شوق پھر بھی یہی کہتا ہے سبا انگیز کرو

صبر کی ہو نہ دلِ بیتاب سے امید کبھی
خود ہی جب تشنگی شوق کو تم تیز کرو

میکشو یونہی گزر جائے نہ تاریکی ابر
جام کو بادۂ پرنور سے لبریز کرو

عاشقو دور نہیں منزلِ مقصود وصال
پا لو ہارے طلبِ یار کو مہمیز کرو

فرق لائے نہ جگر سوزی سیا میں گلاب
مغبچو تم کو قسم ہے جو کچھ آمیز کرو

ہم سے روٹھا بھی تو لازم ہے اک تار کیسا تھ
قہر بھی ہم پہ کرو تم، تو دلآویز کرو

اب وہ ملتے بھی ہیں تو یوں۔ کہ کبھی
ہم سے کچھ واسطہ نہ تھا گویا

ہم کو منظور سب ہے سب مرغوب
تجھ سے جو کچھ ملے جفا یا سزا

جلوۂ یار ہے دلوں کے لیے
فی المثل اک طلسم ہوش ربا

میں بھی ہوں اک فقیر حاجتمند
کرم اے بادشاہ جود و عطا

الناظر لکھنؤ

گلشنِ یار۔ کی حسرت

جانفزا کس قدر ہے آب و ہوا

مائل ہوں میں دل سے بیدلی کا
شیرینیٔ تلخ عاشقی کا

دیوانہ ہوں عاقلوں سے لیکن
دعویٰ ہے مجھے برابری کا

مستانہ خرامیوں کی دھن میں
کچھ پاس نہیں تمہیں کسی کا

خدام کی بندگی پہ تم کو
لازم تھا خیال صاحبی کا

ہر آئینہ مستحق ہوں ساقی
محفل میں تری بچی کھچی کا

غصے میں ادائے ناز انکی
گرمی میں ہے لطف چاندنی کا

زاہد کو جفا کشی مبارک
حسرت کو مزا قلندری کا

اک جو بیدرد کے ہمیں شیوۂ یاری آیا
وہ کبھی کچھ کام نہ خدمت میں تمہاری آیا

ان کے آگے لبِ فریاد بھی گویا نہ ہوئے
چپ رہے ہم جو دم شکوہ گزاری آیا

آرزو حال جو اپنا انہیں لکھنے بیٹھی
قلم شوق پہ نامہ نگاری آیا

واں سے ناکام پھرے ہم تو دریا سی نلک
خونِ حرماں دلِ مجروح سے جاری آیا

دل پر شوق میں آئی کرم یار کی یاد
کہ چمن میں قدم یاد بہاری آیا

تیرے انکار سے فی الفور ہوا کام تمام — زخم ایسا سرِ امید پہ کاری آیا
اور تو کچھ بھی ہمیں عشق میں حاصل نہ ہوا — ہاں مگر اک ہنرِ سینہ فگاری آیا

گھر کے آئی جو گھٹا ہم نے یہ جانا حسرت
وقت شوریدہ و بادہ گساری آیا

آئی جو ان کی یاد مرا دل ٹھہر گیا — دعوائے غمِ فراق کا باطل ٹھہر گیا
تیرِ نگاہِ یار کا مشکل ہے سامنا — یہ ابھی بڑا جگر کہ مقابل ٹھہر گیا
ہم سر جھکا چکے تھے علم ہو چکی تھی تیغ — پھر کیا کیا خیال کہ قاتل ٹھہر گیا
ناخوش ہوا جو آپ ہوئے مائلِ ستم — یعنی میں التفات کے قابل ٹھہر گیا
دل کو وداعِ یار پہ حاصل ہوا قیام — پایا جو اس جہاز نے ساحل ٹھہر گیا
خواب و خیال ہو گئیں اگلی وہ صحبتیں — پھر ابھی اس نواح کا مشکل ٹھہر گیا
فرزانگی قصور ہے دنیائے عشق میں — دیوانہ جو ہوا وہی کامل ٹھہر گیا
بیچارگی میں رٹ جو لگی ان کے نام کی — تسکینِ جان راز ہوئی دل ٹھہر گیا

اچھا ہوا کہ مملکتِ حسن و عشق میں
حسرت وہ بادشاہ میں سائل ٹھہر گیا

سہل ہونے کو مرا عقدۂ دشوار آیا — روزِ غم ختم ہوا شام ہوئی یار آیا
للہ الحمد کہ تاریکیٔ فرقت ہوئی دور — مژدۂ وصل بصد جلوۂ انوار آیا
چمنِ جاں میں نسیم ہوس انگیز چلی — کشتِ امید پہ ابرِ طرب آثار آیا
بادۂ عیش سے مینائے تمنا رنگیں — ساغرِ شوق مے ذوق سے گلنار آیا
بند کر دے گا لبِ ناز کو بوسوں کا ہجوم — آج بھی ہم سے جو وہ برسرِ انکار آیا

دلِ مجبور بھی کیا شے ہے کہ در سے اپنے — اس نے سو بار اٹھایا تو میں سو بار آیا

کیوں نہ برہم ہوں وہ حسرت مری رسوائی سے
نام ان کا بھی ہر کوچہ و بازار آیا

لیکے دل پہلے تو کس ڈھب سے وہ عیار گیا — اب یہ کہتا ہے کہ تو کیا مرے سرمار گیا
شکوۂ جور مری عرض کرم کو جاتا — آہ کس بات پہ وہ شوخ ستم گار گیا
آرزو پر ترے انکار نے ڈھائی آفت — سینۂ شوق سے اک ناوک غم پار گیا
اور تو کس کی رسائی تری خلوت میں ہوئی — اک فقط یہ ترے جلوے کا طلبگار گیا
اب تو ہم کو بھی یہی دھن ہے پئیں پیئے وہیں — ابر جب جھوم کے اٹھا سوئے کہسار گیا

ہو گیا دے کے سر انکے حق خدمت سے ادا
حسرت آیا تھا سبکسار سبکسار گیا

چاندنی رات میں پھولوں کا ہو زیور کیا خوب — رنگ لائیگا ترا حسنِ معطر کیا خوب
روشنی بخش تمنا ہے جو اک ماہ منیر — وصل کی رات کا چمکا ہے مقدر کیا خوب
قابل دید تھی گرمی میں پسینے کی بہار — تر ہوا ہے عرق حسن سے بستر کیا خوب
دیکھتے ہی انہیں پہچان لیا جان لیا — ہم سے وہ چھپنے چلے تھے پس چادر کیا خوب
بن گئی ہے بدلِ گردشِ گردوں ساقی — ڈھونڈ لیتا ہے بہلنے دل مضطر کیا خوب

کھول کر بال جو سوتے ہیں وہ شب کو حسرت
گھیر لیتا ہے انہیں زلف معبر کیا خوب

دل ہے بیشک نورِ حق سے فیض یاب — "آفتاب آمد دلیل آفتاب"
ہاتھ قتل عاشقاں سے مت اٹھا! — کام کر ان کا کہ ہے کار ثواب

شوقِ مے کی پرورش کیوں کر نہ ہو | لطف ساقی آج کل ہے بے حساب
بے ترے لئے بادشاہِ مہوشاں | خانِ جانِ عزیزاں ہے خراب
پی جو ان آنکھوں نے تھی صہبائے حسن | چھوٹ نکلا ہے وہی رنگِ شراب
ترکِ جرمِ عاشقی ممکن نہیں | پھر اسی کا ہم سے ہوگا ارتکاب

عصرِ جدید کلکتہ
عشق حسرتؔ ہے نشانِ حسنِ دوست
بے گلاب آتی نہیں بوئے گلاب

شادمانِ عشق ہے جانِ خراب | عیشِ غم سے سربسر دل کامیاب
اب ہے دل باقی نہ دل کی شورشیں | آہ وہ ہنگامۂ عہدِ شباب
آج تک اس نے نہ پہچانا کہ ہیں | عشق میں ہم حسن میں وہ لاجواب
اب تو تھا موہم کو یا کردو شہید | صبر کی مطلق نہیں ہے دل کو تاب
ہم نے سب کچھ کر دیا ان پر نثار | پھر بھی تو باقی ہے ان کا اجتناب
دیر سے بیٹھے ہیں مشتاقِ لقا | تا کجا اے نازنین ہم سے حجاب

البرید کانپور
مٹ کے حسرتؔ ہم ہیں خاکِ راہِ دوست
اس کو کہتے ہیں یہ ہے حسن المآب

بتا رے نہ کیوں غم کو جانِ محبت | دلِ زار ہے کاروانِ محبت
ترے غم سے گردیدہ ہے سب سے فارغ | نہ ہے خاطرِ شادمانِ محبت
نہ کر جور اتنا بھی اے شاہِ خوباں | کہ مر جائیں گے بیدلانِ محبت

وہ سمجھتے نہیں ہیں وہ سب سن رہے ہیں کہے جائیں ہم داستانِ محبت
رہے محوِ خوابِ ہوس اہلِ ظاہر گذر بھی گیا کاروانِ محبت
نہ سمجھا سوا حسن کے اور کوئی بیانِ تمنا زبانِ محبت
سرِ عجز حسرتؔ بھی خم کیوں نہ ہوتا
نہ انا ناز ہے حکمرانِ محبت

اودھ اخبار لکھنؤ ۵ فروری

شجرِ غم ہے آشیانۂ روح گریہ و نالہ آب و دانۂ روح
عشق نے جب بیک اشارۂ حسن کر دیا جسم کو خزانۂ روح
مئے عرفاں سے ہو گیا لبریز (ق) خود بخود ساغرِ شبانۂ روح
خوب دنبلے آرزو میں اڑا ناوکِ درد سے نشانۂ روح
تجھ کو بیباک دیکھنے کے لئے عذرِ مستی ہوا بہانۂ روح
ہر طرف ہیں عیاں نقوشِ جمال دید لی ہے نگار خانۂ روح
نغمۂ قلب ہے ستائشِ عشق صفتِ حسن ہے ترانۂ روح
جسم حسرتؔ ہے یا کہ جان گداز
ذکرِ حسرتؔ ہے یا فسانۂ روح

مخزن لاہور مئی ۱۹۰۳

کرم ساقئ مے خانہ مبارک باشد گرمئ مجلسِ رندانہ مبارک باشد
عید ہے آج کا دن بادہ پرستوں کیلئے عشرتِ گردشِ پیمانہ مبارک باشد
جسکی دیدار کی مدت سے تمنا تھی سو آج ہے وہی رونق کاشانہ مبارک باشد
دل فردِ نشانِ تمنا کو بصد عیش و نشاط دولتِ جلوۂ جانانہ مبارک باشد
تو کہ سردارِ حسیناں ہے حسینوں میں تجھے تزک و شوکتِ شاہانہ مبارک باشد

میں کہ سر خیلِ گدایانِ محبت ہوں مجھے — شانِ شایانِ فقیرانہ مبارک باشد

جانِ حسرت کے لئے مایۂ نازش ہے یہی
اضطرابِ دلِ دیوانہ مبارک باشد

حسرت کانپور — ۲۶ نومبر ۲۲ء

مرزا درد اصغر دہلی

ان کو رسوا مجھے خراب نہ کر — اے دل اتنا بھی اضطراب نہ کر
آمدِ یار کی امید نہ چھوڑ — دیکھ اے آنکھ میلِ خواب نہ کر
مل ہی رہتی ہے مے پرست کو مے — فکر نایابیٔ شراب نہ کر
ناصحا ہم کریں گے شرحِ جنوں — دلِ دیوانہ سے خطاب نہ کر
شوقِ یاروں کا بے شمار نہیں — رسم اے درد سب بیحساب نہ کر
دل کو مستِ خیالِ یار بنا — لب کو آلودۂ شراب نہ کر

دیکھ ہر حال شغل مے حسرت
اس میں پروائے شیخ و شاب نہ کر

زمانہ کلکتہ — ۵ جنوری ۲۳ء

۱۹ مارچ ۲۳ء درد اصغر دہلی

ہو گئی کثرتِ نظر — پردۂ حسن بے خبر
تجھ کو دمِ وداعِ جاں — دیکھ لیا بچشمِ تر
عاشقِ نامراد کی — آہ میں بھی نہیں اثر
بھرتے ہیں دم سب آپ کا — جن و بشر شجر و حجر
دھوئے گی داغِ معصیت — پاکی گریۂ سحر
عشقِ تلاشِ حسن میں — خاک بسر ہے در بدر
بزمِ سرورِ یار میں — غم کا بھلا کہاں گذر
کشمکشِ فراق سے — ہے لبِ جاں پہ الحذر

وصل کے بعد روح میں — کچھ بھی رہا نہ شور و شر
نورِ جمالِ یار پر — جم نہ سکی کوئی نظر
دیکھے جو ان کو بے حجاب — کب ہے یہ طاقتِ بصر
جی کا نہ ہو کہیں زیاں — راہِ جنوں ہے پر خطر
کہنے گئے تھے ان سے حال — کچھ بھی نہ کہہ سکے مگر
عشق ہے درد کے سوا — دل کو نہ کچھ ملا ثمر
کثرتِ اشک شوق سے — دامنِ جاں ہے پُر گہر
بے ہنری ہے عشق میں — حسرتِ زار کا ہنر

زمانہ کانپور

میرے عشقِ مجاز کا ہے شعار — فی المثل "دل بیار و دست بکار"
چشمِ رنگینِ یار کو ہے پسند — سرخیِ اشکِ عاشقاں کی بہار
صاف اقرار ہے محبت کا — آپ کا التفات سے انکار
عرصۂ عاشقی میں ہیں مجبور — نہ قیام آئے گا نہ ہم سے قرار
آپ سا اور ہم یار کہاں — آپ کو ہم سے جاں نثار ہزار
یادگار اپنی کچھ نہ چھوڑ چلے — تم میرے پاس غیر جانِ فگار
کیوں پکاریں وہ اب ہمیں کہ لیتے ہیں — تابِ گفتار و طاقتِ رفتار
شوق بیتاب ہے شہادت کا — وہ جو آئے ہیں کھینچ کر تلوار

[illegible]

دور میں حسنِ یار کے حسرت
کون ہے جو رہ سکے گا ہشیار

امان دہلی

در حجرۂ حسن کا نہ کر باز — مشتاقِ جمال ہیں نظر باز
محفل میں وہ جلوہ گر ہے بیباک — بیتاب ہیں عاشقانِ سرباز
آنکھوں ہی میں کٹ گئی شبِ ہجر — رونے سے نہ آئی چشمِ تر باز
کہتے ہیں درِ قبول اکثر — ہوتا ہے یہ نوبتِ سحر باز

[illegible]

ترچھی نظر لکھنؤ — اپریل ۲۳ء

اک نعرۂ حق سے تو بھی حسرت
کرنا ہو تو کر درِ اثر باز

یوں ہم سے چھپے وہ یار افسوس — افسوس ہزار بار افسوس
بیگانہ ہے اک ہمیں سے ناحق — وہ یار وفا شعار افسوس
بے بادہ و نغمہ یوں گزر جائے — ہنگامۂ نوبہار افسوس
گستاخ نگاہیاں ہوس کی — کیوں آئیں شتاب کار افسوس
اب خواب میں بھی خیال ان کا — آتا ہے نقاب دار افسوس
ہم سے نہ ہوا کبھی مخاطب — وہ یار کرشمہ کار افسوس

[illegible]

عصر جدید کلکتہ — ۵ جنوری ۲۳ء

دل کس نے لیا یہ دیکھو حسرت
کیوں کرتے ہو بار بار افسوس

ہر دردِ مرض کی دوا ہے تمہارے پاس — آتے ہیں سب یہیں کہ شفا ہے تمہارے پاس
لایا ہے جذبِ دل جو انہیں کھینچ کر یہاں — وہ پوچھتے ہیں کیا یہ بلا ہے تمہارے پاس
پھیلائی ہے اسی نے مرے دردِ دل کی بات — غماز اک جو بادِ صبا ہے تمہارے پاس
کس کس خوشی سے ہوئے ہیں لوگوں کے دل اسیر — کیا چیز دامِ زلف دوتا ہے تمہارے پاس
سمجھاؤ لاکھ دل کو پر آتا نہیں قرار — اس کا بھی کچھ علاج بھلا ہے تمہارے پاس

[illegible]

سب حل ہوں مشکلیں جو ملے دولتِ یقیں — لوحِ طلسمِ بیم و رجا ہے تمہارے پاس

کیونکر پہنچ سکے گی مرے حال کی خبر — کتنا ہجومِ ناز و ادا ہے تمہارے پاس

اقرار ہے کہ دل سے تمہیں چاہتے ہیں ہم — کچھ اس گناہ کی بھی سزا ہے تمہارے پاس

مارو کہ اب جلاؤ ہمیں تم، ہے اختیار — سررشتۂ فنا و بقا ہے تمہارے پاس

اب کوئی کیا [illegible] دلِ گم گشتہ کی تلاش — سب کہتے ہیں یہ (دل) کہ رہا ہے تمہارے پاس

حسرت کرو نہ دل میں زیارت حضور کی
آئینۂ رسول نما ہے تمہارے پاس

نارسائی میں بھی رہے [illegible] کاشِ — دل کو حاصل ہو در دیرِ سعیِ تلاش

مقصدِ عشق جانِ عشق ہے درد — دردِ لذت فروشِ وراحت پاش

کیوں نہ آئے جو تو ہو بادہ فروش
نقدِ جاں لے کے حسرتِ [illegible]

۱۸ مارچ ۲۳ — یرودا سنٹرل جیل

سرخیِ حسن ہے ملبوسِ نگارِ عارض — یا عیاں نور کے پردے میں ہے نارِ عارض

دیکھنا صبحِ شبِ وصل بہارِ عارض — لیل گیسو سے نمایاں ہے بہارِ عارض

خوابِ راحت سے اٹھے وہ تو بنے زینتِ حسن — رونقِ صبح ہوئی آئینہ دارِ عارض

خواہشِ اہلِ نظر تشنۂ آں چشمِ سیاہ — شوقِ اربابِ صفا عاشقِ زارِ عارض

اس شہرِ حسن کے مالک ہے دنیائے جمال — خلخِ لبِ ختنِ جبہ تتارِ عارض

زلفِ جاناں کو نیا چاہیئے اک روز شکار — دل ہو اندرِ جبیں روحِ نثارِ عارض

(سابرمتی سنٹرل جیل ۱۲-۱۳ نومبر ۱۹۲۲)

گر یہ اہلِ تمنا کے اثر سے حسرت
ملکِ خوبی میں ہے سرسبز جوارِ عارض

تو بس بے کساں درود شریف
راحتِ عاشقاں درود شریف

طالبانِ وصال کو ہر دم
چاہیئے بر زباں درود شریف

میری جانب سے ان کے پاس ملک
لے چلے ارمغاں درود شریف

اسم اعظم ہے قیدیوں کیلئے
قید میں بے گماں درود شریف

وہ بھی یارب ہو دن کہ پڑھیں
ہو کے ہم کامراں درود شریف

یہ بھی اک فیضِ عشق ہے ورنہ
ہم کہاں اور کہاں درود شریف

شوقِ نامِ حضور کا حسرتؔ
بن گیا ترجماں درود شریف

[illegible]

اودھ اخبار لکھنؤ

۲۷ اکتوبر ۲۳ء

کچھ یاد بھی ہے وہ عہدِ سابق
اے دشمنِ دوستاں صادق

کیا بات ہے میرے حسنِ ظن کی
ہے جور ترا کرم سے فائق

اس روئے جمیل میں ہیں یکجا
انوارِ مغارب و مشارق

محروم نہ ہو تو اور کیا ہو
اس دشمنِ عاشقاں کا عاشق

حسرتؔ کو دیارِ عاشقی کی
زنہار نہیں ہوا موافق

[illegible]

امامِ برحقِ اہلِ رضا سلام علیک
شہیدِ معرکۂ کربلا سلام علیک

گلِ مرادِ ولایت حسینؑ ابنِ علیؑ
تمۂ شرفِ[1] مصطفےٰ سلام علیک

سابرمتی سنٹرل جیل محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

---

[1] چونکہ شہادتِ کبریٰ اسے عوام کی نظر میں توہینِ رسالت کا اندیشہ تھا اس لیے حضور کو یہ نعمت بذریعہ سید امام حسین علیہ السلام حاصل ہوئی پس تمۂ شرف مصطفےٰ ٹھہرے (حسرتؔ)

ثبوت یہ ہے کہ نورِ شہادتِ کبریٰ — تری جبیں سے نمایاں ہو اسلام علیک
غبت ہر ور نہیں راہ صبر[1] و حق کی تلاش — تری مثال ہے جیب رہنما سلام علیک

ترے طفیل میں حسرتؔ بھی ہو شہید وفا
یہی دعا ہے یہی مدعا سلام علیک

کرو کچھ تو ارشاد یا غوث الاعظم — سنو مری فریاد یا غوث الاعظم
رہِ عاشقی میں کہیں میری محنت — نہ ہو جائے برباد یا غوث الاعظم
گرفتاریٔ حسن ظاہر سے دل کو — کرو جلد آزاد یا غوث الاعظم
مبارک ہمیں دردِ دل ہو کہ اس پر — تمہارا بھی ہے صاد یا غوث الاعظم
ترے تم سوا کون اٹھائے گا مجھ پر — پڑی ہے جو افتاد یا غوث الاعظم
زیارت ہزار دل کو ہوتی ہے اک دن (ق) — اسے بھی کرو یاد یا غوث الاعظم

کہاں تک رہے دل میں حسرتؔ کے آخر
تمنائے بغداد یا غوث الاعظم

فیضِ محبت سے ہے قیدِ محن — میرے لئے اک بلائے حسن
شامِ غریباں کے برابر کہاں — مذہبِ عشاق میں صبحِ وطن
آہ وہ غارتگرِ صبر و شکیب — سلسلۂ زلفِ شکن در شکن
فتنۂ جاں وہ سخنِ دل پذیر (ق) — دشمنِ دیں وہ نگہِ سحر فن

---

[1] اشارہ بہ جانب آیۂ کریمہ و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبرہ
یہیں سے عدم تشدد بہر حال نکلتی ہے (حسرتؔ)

جلوۂ جاناں سے ہے دارُ السّرور — خانۂ جاناں اب نہیں بیت الحزن
مہر و مروت سے تمہیں واسطہ — یہ بھی حریفوں کا ہے اک حسنِ ظن

جب سے کیا عشق نے حسرتؔ مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

لطف کی ان سے التجا نہ کریں — ہم نے ایسا کبھی کیا نہ کریں
مل رہے گا جو ان سے ملنا ہے — لب کو شرمندۂ دعا نہ کریں
صبر مشکل ہے آرزو بے کار — کیا کریں عاشقی میں کیا نہ کریں
مسلکِ عشق میں ہے فکر حرام — دل کو تدبیر آشنا نہ کریں
بھول ہی جائیں ہم کو یہ تو نہ ہو — کون کہتا ہے وہ جفا نہ کریں
مرضیٔ یار کے خلاف نہ ہو — لوگ میرے لئے دعا نہ کریں

شوق ان کا سو مٹ چکا حسرتؔ
کیا کریں ہم اگر وفا نہ کریں

بدلِ گردشِ ایام ملے گا کہ نہیں — گوشۂ یاس میں آرام ملے گا کہ نہیں
بیوفا چھوڑ چلا ہم کو کہیں گے کہ نہ وہ — جاں نثاری کا کچھ انعام ملیگا کہ نہیں
کام کیا شوق کی تاثیر نہ آئے گی کبھی — کھل کے بھی وہ بتِ خودکام ملیگا کہ نہیں
کرمِ پیرِ مغاں عام ہے رند دنہ ڈرو — کہ ہمیں بادۂ گلفام ملے گا کہ نہیں
جلوۂ دوست کی نسبت یہی ہر دم ہے خیال — کہ وہ اب پھر بھی سرِ بام ملیگا کہ نہیں
صبر کا آرزوئے تا تمناہی کی جگہ — دفترِ دل میں کہیں نام ملیگا کہ نہیں

تیسری ۱۳ مارچ [illegible]

الناظر لکھنؤ — جنوری ۲۳ء

کل تو رند دل میں ملا تھا مگر اب پھر بھی کہیں
دیکھئے حسرت گمنام ملے گا کہ نہیں

اردوئے معلی ۲۳ء

کچھ میرے حالِ زار کی ان کو خبر نہیں — کیا ہو کہ میں ہی جا کہ سنا دوں مگر نہیں
اک آفتاب حسنِ درخشاں ہے وہ جمال — دیکھے اسے بغور یہ تابِ نظر نہیں
پہلو میں دل کو پوچھ رہی ہے نگاہِ یار — کیا جانئے اب کوئی وہ کدھر ہے کدھر نہیں
کب تھے وہ میرے حال سے اس درجہ بے خبر — کیوں کر کہوں میں نالۂ دل میں اثر نہیں
ہم بیکسوں کو قتل جو کرتا ہے بے گناہ — کچھ اے عزیز تجھ کو خدا کا بھی ڈر نہیں
پرسش ہے میرے حال کی یا اب جو روزِ حشر — اتنا بھی اب وہ قصۂ غم مختصر نہیں

ہو یار تک رسائی حسرت نہ کیوں محال
اس محفلِ سرور میں غم کا گزر نہیں

اردوئے معلی جنوری ۲۳ء

کب وہ بلاتے ہیں دو بارہ ہمیں — جب نہ رہا دید کا یارا ہمیں
ہوش میں کیا آئیں نہیں چھوڑتا — جلوۂ جاناں کا نظارا ہمیں
کچھ بھی نہیں ہے اگر انکے بقول — پھیر نہ دیں دل وہ ہمارا ہمیں
ان کی حیا کہتی ہے معلوم ہے — حال ترے شوق کا سارا ہمیں
حکم فنا کی انہیں حاجت نہ تھی — آنکھ سے کافی تھا اشارہ ہمیں
کون ہے کیا ہے وہ بت بیوفا — کوئی بتاؤ یہ خدارا ہمیں
اس دلِ نازک پہ نہ ہو گر اثر — ہے غم فرقت بھی گوارا ہمیں
کاش وہی پھر بھی جلائے کہیں — جس نگہِ لطف نے مارا ہمیں
وہ بھی نہ حسرت کہیں دیدیں جواب — اک انہیں کا ہے سہارا ہمیں

معارف اعظم گڑھ جون ۲۳ء

یہ کس بزم کے ہم نکالے ہوئے ہیں
کہ محرومیوں کے حوالے ہوئے ہیں

وہ اب آبیٹھے محفل میں، سب اہل محفل
خبردار ہیں دل سنبھالے ہوئے ہیں

فریب وفا آپ دیتے ہیں کس کو
یہ جلوے مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں

وہ بے پردہ ہوتے ہیں، ظاہر ہیں لیکن
ڈوپٹہ یوں ہی منہ پہ ڈالے ہوئے ہیں

محبت کی خوشبو سے بدمست یکسر
تری شال تیرے دوشالے ہوئے ہیں

یہ کیا جانے زاہد کہ آب رحمت
مرے جام تیرے کھنگالے ہوئے ہیں

ضیا یار کی عشق جاناں ہے حسرت
اندھیرے دلوں کے اجالے ہوئے ہیں

نگار بھوپال — جلائی ۳۳ء

اک واقعہ ماجرا ہے در کوئے میفروشاں
سرگرم بادہ نوشی اب تو ہ خرقہ پوشاں

بے پردہ جلوہ گر ہے محفل میں وہ خودآرا
چمکی ہے آج کیا ہی تقدیر دل فروشاں

ہم عاشق بتاں ہیں باوصف حق پرستی
صورت پسند اپنا معنی شناس اوشاں

پردے میں شرم کے ہے روپوش جور خوباں
یہ بھی ہے اک فریب ناز بہانہ کوشاں

مصروف یاد حق ہیں رندان لاابالی
گویا ہے بزم ساقی اک محفل خموشاں

کام آئے گی نہ کچھ بھی کیا اپنی جاں نثاری
اے شاہ ماہ رویاں اے جان سرفروشاں

ہم بھی بگڑ کے رہتے اس پہ خبر ہے حسرت
انکار سے جو ہوتا آئین درد نوشاں

الامان دہلی — ۲۳ اگست ۲۲ء

ہم دیر سے نظارۂ خوباں میں لگے ہیں
یہ پھول غضب گلشن ایماں میں لگے ہیں

مصروف غم عشق نہیں دل کے ارادے
قیدی ہیں کہ سب کام پہ زنداں میں لگے ہیں

ٹکڑے ہیں یہ کس کے دل محروم کے ظالم
اب تک جو ترے تیر کے پیکاں میں لگے ہیں

مجھ سے وہ کھلیں کیا کہ نظر اٹھ نہیں سکتی محجوب ہیں یہ الکش داماں میں لگے ہیں
لگتی نہیں روضۂ رضواں میں طبیعت ان کی جو سر کوچۂ جاناں میں لگے ہیں
باقی نہیں اک تار بھی دامن میں جو حسرت
اب اہل جنوں فکر گریباں میں لگے ہیں

نہ سہی گر انہیں خیال نہیں کہ ہمارا ابھی اب وہ حال نہیں
یاد انہیں وعدۂ وصال نہیں کب کیا تھا یہی خیال نہیں
ایسے بگڑے وہ سن کے شوق کی بات آج تک ہم سے بول چال نہیں
مجھ کو اب غم یہ ہے کہ بعد مرے خاطر یار بے ملال نہیں
عفوِ حق کا ہے میکشوں پہ نزول ریزش ابر برشگال نہیں
ہم پہ کیوں عرض حال دل پہ عتاب ایلچی کو کہیں زوال نہیں
سن کے مجھ سے وہ خواہشِ پابوس ہنس کے کہنے لگے مجال نہیں
دل کو ہے یاد شوق کا وہ ہنر جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں
آپ نادم نہ ہوں کہ حسرت سے
شکوۂ غم کا احتمال نہیں

[illegible]

اس بت کے پجاری ہیں مسلمان ہزار دل بگڑے ہیں اسی کفر میں ایمان ہزار دل
دنیا ہے کہ ان کے رخِ گیسو پہ مٹی ہے حیران ہزار دل ہیں پریشان ہزار دل
تنہائی میں بھی تیرے تصور کی بدولت دل بستگی غم کے ہیں سامان ہزار دل
اے شوق تری پستیٔ ہمت کا برا ہو مشکل ہوئے جو کام تجھے آسان ہزار دل
آنکھوں نے تجھے دیکھ لیا اب نہیں کیا غم حالانکہ ابھی دل کو ہیں ارمان ہزار دل

چھانے ہیں ترے عشق نے آشفتہ سری میں
دنیائے مصیبت کے بیابان ہزاروں

اک بار تھا سر گردنِ حسرت پہ رہیں گے
قاتل تری شمشیر کے افسان ہزاروں

نامرادوں کو شاد کام کرو
کرم اپنا کبھی تو عام کرو

کارِ عاشق ہے ناتمام سو تم
قتل کر کے اسے تمام کرو

سب کی خاطر کا ہے خیال تمہیں
کچھ ہمارا بھی انتظام کرو

عاشقو ہجر سے نہ ہو بیزار (ق)
غمِ جاناں کا احترام کرو

رات رو رو کے جس طرح کاٹی
اسی صورت سے دن کو شام کرو

گفتگو ہیچ ہے اگر چاہو
کامِ جاں کا حصول کام کرو

موت سے پہلے ہی زراہِ وفا
مر رہو۔ عاشقی میں نام کرو

کھل گئے جب تلک نہ راہِ مراد
منزلِ صبر میں قیام کرو

پوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو
تم بھی حسرت انھیں سلام کرو

لاکھ اس شوخ جفا کار سے پرہیز کرو
شوق پھر بھی یہی کہتا ہے سبا انگیز کرو

صبر کی ہو دلِ بیتاب سے امید کیسے
خود ہی جب تشنگیِ شوق کو تم تیز کرو

میکشو۔ یونہی گزر جائے نہ تاریکیِ ابر
جام کو بادۂ پرنور سے لبریز کرو

عاشقو دور نہیں منزلِ مقصودِ وصال
بالو ہارے طلبِ یار کو مہمیز کرو

فرق لائے نہ جگر سوزئ مے میں گلاب
مغبچو تم کو قسم ہے جو کچھ آمیز کرو

ہم سے روٹھا بھی تو لازم ہے اک انداز کے ساتھ
قہر بھی ہم پہ کرو تم، تو دلآویز کرو

اثر اس خاطرِ بے غم پہ نہ ہوگا حسرتؔ
نالۂ شبگیر کہ تم آہِ سحر خیز کرو

[illegible]

بیباک ہو پناہِ حجاب ہے تمہارے ساتھ
بیچارگی کے زور ہیں دورِ فراق میں
عشاقِ پاکباز کے حلقے ہیں یا کوئی
تم سے ملا جو کوئی وہ اپنا نہ رہ گیا
دل گیر کیوں ہو غلبۂ اعدا سے دوستو
رنگینیاں ہیں جلوۂ زیبائے حسن کی

ہر وقت عاشقوں کی دعا ہے تمہارے ساتھ
درد اپنے پاس ہے تو دوا ہے تمہارے ساتھ
انبوہ اہلِ صدق و صفا ہے تمہارے ساتھ
دل بھی جدا جگر بھی جدا ہے تمہارے ساتھ
کیا ڈر تمہیں کہ فضلِ خدا ہے تمہارے ساتھ
یا اک طلسم ہوش ربا ہے تمہارے ساتھ

تمدن دہلی

حسرتؔ نہیں جو خوف تمہیں کچھ بھی موت کا
یہ عشق ہے کہ آبِ بقا ہے تمہارے ساتھ

دسمبر ۱۳۲۲ء

[illegible]

ہجر میں یادِ یار آتی ہے
بالش آرزو سے آج تلک
کوئے جاناں سے روحِ اہلِ نظر
چمن جاں میں پھر بقیدِ فرنگ

راحتِ غم شکار آتی ہے
شوق کو بوئے بہار آتی ہے
بن کے طاعت گزار آتی ہے
عاشقی کی بہار آتی ہے

ان کی محفل سے آرزو حسرتؔ
ہو کے یکسر فگار آتی ہے

[illegible]

کیا کام انہیں پرسشِ اربابِ وفا سے
مجھ سے بھی خفا ہو مری آہوں سے بھی برہم
دامن کو بچاتا ہے وہ کافر کہ مبادا

مرتا ہے تو مر جائے کوئی ان کی بلا سے
تم بھی ہو عجب چیز کہ لڑتے ہو ہوا سے
چھو جائے کہیں پائے محو د[illegible]

دیوانہ کیا ساقیِ محفل نے سبھی کو — کوئی نہ بچا اس نظرِ ہوش ربا سے
اک یہ بھی حقیقت میں ہے شانِ کرم انکی — ظاہر میں وہ رہتے ہیں ہر وقت خفا سے
آگاہِ غمِ عشق نہیں وہ شہ خوباں — اور یہ بھی جو ہو جائے فقیر دلکی دعا سے

قائل ہوئے رندانِ خرابات کے حسرتؔ
جب کچھ نہ ملا ہم کو گروہ عرفا سے

نگار بھوپال — جولائی ۲۲ء

جنونِ دل نے وہ حس بھی مٹا دی — کرے جو امتیازِ رنج شادی
نیا جب اس نے کوئی شر اٹھایا — مری ایذا پسندی نے دعا دی
شبِ معراج مردانِ خدا ہے — بقول شیخ، روزِ نامرادی
مجازی عشق بھی اک شے ہے لیکن — ہم اس نعمت کے منکر ہیں نہ عادی

کبھی تھی جاں نثاری کی جو حسرتؔ
وہ بارے کر کے بھی ہم نے دکھا دی

چلی سایہ متی ہیں آج کہاں ہی — نسیمِ رحمت و فضلِ الٰہی
جمالِ التفاتِ شاہ جیلاں — ہوا پیدا ایشانِ کج کلاہی
بیکدم دے دیا دینا تھا جو کچھ — دکھا دی شانِ حسن کم نگاہی
شہ عبد الصمد کا واسطہ تھا — نہ کیوں تکمیر حق کھاتا الٰہی

دلِ حسرتؔ ہوا معمورِ انوار — بعدم لکھنؤ
شہر رزاقؔ دیتے ہیں گواہی

ہوتی ہے روز بارشِ عرفاں مرے لئے — گویا بہشتِ عشق ہے زنداں مرے لئے
ناکامئ طلب یہ کہ ہے جانِ عاشقی — گنجینۂ مراد ہے پنہاں مرے لئے

لے حضرت شاہ عبد اللہ۔ نہ نما احمد آبادی لے حضرت شاہ عبد الرزاق لکھنوی فرنگی محلی

علم در رضائے یار ہے جور و جفائے یار — مشکل ہے سب کے واسطے آساں مرے لیے

رہتی ہے روز اک ستم تازہ کی تلاش — بے چین ہے وہ فتنۂ دوراں مرے لیے

میرا یہ حسن ظن کہ تغافل ہے التفات — دل کی یہ ضد کہ درد ہے درماں مرے لیے

فرمان قتل ہو جو نہیں اذن پائے بوس — آخر ہو کچھ تو اے شہ خوباں مرے لیے

نزدیک ہے کہ شوق سنے وعدۂ وصال — کہسائے نازِ یار ہیں لرزاں مرے لیے

عشق بتاں تو شوق سماع و ہوائے مے — زاہد کے حق میں کفر ہے ایماں مرے لیے

حسرت کوئی مدد نہ کرے کیا مضائقہ
کافی ہیں غوث اعظم جیلاں مرے لیے

گلشن ۱۳۳ — بابت سنٹرل جیل مقام اعظم گڑھ حسرت ۱۹۰۸

بلیا وہ باوصف شانِ خودکامی — جانِ محبوبی و دلآرامی

کامیاب کمال عشق ہے دل — باوجودِ حصول ناکامی

عاشقی میں ہے زیب فرق جنوں — طرۂ افتخار بدنامی

ہم نے بیباک ان کو کر دیا — پختہ کاری سے رہ گئی خامی

بن گیا ہے فراق یار میں شوق — خلش انتظار کا حامی

پڑ کے اک بار چھوٹتی ہے کہاں — عادتِ مستیٔ مے آشامی

(غزل ۱۹۰۲)

حسرت اردو میں ہے غزل تیری
پرتوِ نقش سعدی و جامی

معارف اعظم گڑھ — جنوری ۲۳ء

مرا ایماں عجب کیا ہے جو ایمان تصوف ہے — تصوف جان مذہب عاشقی ایمان تصوف ہے

گناہ اپنا نہیں ثابت خطا کے پھر بھی ہیں قائل — ادب کا ہے ہمی شیوہ یہی شان تصوف ہے

ادب ایک دوسرا نام عشق روح پرور کا — جو رام عشق ہے جو زیر فرمان تصوف ہے

تعلق حسن و حق[۱] کا میں بھی ہے العشق ہو یار کا ۔ یہی تو اصلِ دیں در مذہبِ عرفانِ تصوف ہے

گزر کر راہِ پیچا پیچ قال و قیل سے حسرت

معلی علی گڑھ — جنوری ۲۳ء

یقیں اپنا مقیمِ شہرِ عرفانِ تصوف ہے

[illegible]

اگر شوق کی رہنمائی نہ ہو گی — تو ان تک ہماری رسائی نہ ہو گی

شبِ ہجر کیوں کر کٹے گی جو یارب — تصور کی راحت فزائی نہ ہو گی

بغیر ان کے دم بھر نہیں چین دل کو — کبھی ان سے گویا جدائی نہ ہو گی

پڑے گی نظر تیری کاہے کو ہم پر — اگر بے سبب دلربائی نہ ہو گی

خرد کے لیے مایۂ فخر ہو گا — دیارِ جنوں کی گدائی نہ ہو گی

رہے عشق سے روح مانوس ہو کر — اب اس دامِ غم سے رہائی نہ ہو گی

ترا ہم ہو گا سرِ بزم ہم سے — کبھی آنکھ تجھ سے لڑائی نہ ہو گی

ستم کر کے ناحق وہ نادم ہیں حسرت

ہمایوں لاہور — ۱۷ اپریل ۲۴ء

کہ ہم سے کبھی بے وفائی نہ ہو گی

[illegible]

ہے عشق میں حال کی خرابی — عاشق کو نوید کامیابی

صبحِ شبِ وصل ہم کو — اے مائلِ نازِ نیم خوابی

حیرانِ جمالِ یار ہے — سرمستِ شراب ہے شرابی

آئینۂ دل میں شکل تیری — ہے طرفہ جواب لاجوابی

۱۔ یعنی العشق ہو اللہ کی طرح و الحسن ہو الحق بھی رموزِ تصوف میں سے ہے (حسرت)

رنگینِ سرورِ شوق ہے دل — ظرفِ مئے ناب ہے گلابی
پنہاں ہے عیانیوں میں اپنی — وہ زیرِ حجاب بے حجابی
حسرت یہ رباعیاتِ موزوں — خیام[۱] سے کم نہیں سحابی[۲]

۱ خیام = عمر خیام
۲ سحابی = سحابی بلخی

ادیب اردو لکھنؤ
مئی ۱۹۲۳

ترے درد سے جس کو نسبت نہیں ہے — وہ راحت مصیبت ہے راحت نہیں ہے
جنونِ محبت کا دیوانہ ہوں میں — مرے سر میں سودائے حکمت نہیں ہے
ترے غم کو دنیا میں اے جانِ عالم — کوئی روح محرومِ راحت نہیں ہے
مجھے گرمِ نظارہ دیکھا تو ہنس کر — وہ بولے کہ اسکی اجازت نہیں ہے
جھکی ہے ترے بارِ عرفاں سے گردن — ہمیں سر اٹھانے کی فرصت نہیں ہے
یہ ہے ان کے اک روئے رنگیں کا پرتو — بہارِ طلسمِ لطافت نہیں ہے
ترے سرفروشوں میں ہے کون ایسا — جسے دل سے شوقِ شہادت نہیں ہے
تغافل[۱] کا شکوہ کروں ان سے کیونکر — وہ کہہ دیں گے تو بے مروت نہیں ہے
وہ کہتے ہیں شوخی سے ہم دلربا ہیں — نہیں دلنوازی کی عادت نہیں ہے
شہیدانِ غم ہیں سبک روح کیا کیا — کہ اس دل میں بارِ ندامت نہیں ہے
معارف اعظم گڑھ — نمونہ ہے تکمیلِ حسنِ سخن کا
مگر بازیٔ طبع حسرت نہیں ہے

[illegible]

آساں حقیقی ہے نہ کچھ سہل مجازی — معلوم ہوئی راہِ محبت کی درازی

---

۱ (کہ ہمارے تغافل کی شکایت کرتا ہے) (حسرت)

کچھ لطف و نظر لازم و ملزوم نہیں ہیں — اک یہ بھی تمنا کی نہ ہو شعبدہ بازی
دل خوب سمجھتا ہے ترے حرف و کرم کو — ہر چند وہ اردو ہے نہ ترکی ہے نہ تازی
قائم ہے نہ وہ حسنِ رخِ یار کا عالم — باقی ہے نہ وہ شوق کی ہنگامہ نوازی
اے عشق تری فتح بہر حال ہے ثابت — مر کر بھی ہا شہیدانِ محبت ہوئے غازی
کر ہمیں جلد ختم کہیں اے غمِ جاناں — کام آئے گی کس روز تری سینہ گدازی

۷/۱۰ مئی ۲۳ء دورانِ اسیری زندان

معلوم ہے دنیا کو یہ حسرتؔ کی حقیقت
خلوت میں وہ مے خوار ہے جلوت میں نمازی

"نگار، بھوپال" — اپریل ۲۳ء

روشن جمالِ یار سے دنیائے عشق ہے — گویا شرابِ حسن سے مینائے عشق ہے
اب تک تلاشِ منزلِ مقصد میں دل مرا — آوارۂ مراحلِ صحرائے عشق ہے
اے ترکِ حسن ادھر بھی کہیں جلد کر گزر — غارت کے انتظار میں کالائے عشق ہے
کہتی ہے عقل دین بھی دنیا بھی کر طلب — ان سب سے منہ کو موڑ یہ ایمائے عشق ہے
کیا کیا فراقِ حسن میں ہے نغمہ زیرِ غم — جانِ حزیں کہ بلبلِ گویائے عشق ہے
کیا کام اسے طریقۂ اربابِ زہد سے — جو پیروِ شریعتِ غرائے عشق ہے

۲/مارچ ۲۳ء دورانِ اسیری زندان

حسرتؔ کا ہو بلند بھلا کیوں نہ مرتبہ
خدمت گزارِ حضرتِ والائے عشق ہے

زمیندار، لاہور — ۱۷/اپریل ۲۳ء

اہلِ ہوس کو بھی سرِ سودائے عشق ہے — یہ کفر ہے یہ دعوئ بیجائے عشق ہے
جب سے سنا ہے آپ کا آوازۂ جمال — جس دل کو دیکھئے وہ تہیائے عشق ہے
پہنچا ہے جذبِ دل کا کہاں سے کہاں اثر — اربابِ حسن کو بھی تمنائے عشق ہے
اللہ ری میری درد پسندی کی عیش جاں — دل بستۂ ہجومِ بلاہائے عشق ہے

۲۶/مارچ ۱۹۲۳ء دورانِ اسیری زندان

سب گم ہیں شورِ حرص و ہوا کینہ در ریا
برپا جہانِ دل میں یہ غوغائے عشق ہے

عالم ہو فیلسوف ہو زاہد ہو کوئی ہو
بیگانہ سب سے ہے جو شناسائے عشق ہے

زمیندار لاہور
۲۷ اپریل

حسرتؔ فروغِ جلوۂ یکتائے حسن ہے
ہمدوشِ نورِ چہرۂ زیبائے عشق ہے

محمل نشیں درد جو لیلائے عشق ہے
سوز و گداز مذہبِ دنیائے عشق ہے

مستی ہے اصطلاحِ محبت میں آگہی
بیگانۂ خرد ہے جو دانائے عشق ہے

کونین سے ہے خاطرِ عشاق بے خبر
کس درجہ تیز نشۂ صہبائے عشق ہے

کیوں ایک بار ہو نہیں جاتے تمام حسن
ہر دم یہی دلوں سے تقاضائے عشق ہے

ہو بندگانِ حرص و ہوا کو تلاشِ عشق
جو طالبِ کمال ہے شیدائے عشق ہے

مانا ہے نورِ حسن رخِ حق ہے اس کا نور
روشن جو دل میں شمعِ تجلائے عشق ہے

زمیندار لاہور
۲۷ اپریل ۲۳ء

حسرتؔ کو پائے بندگیِ ایماں سے کیا غرض
وہ کافرِ جمال ہے ترسائے عشق ہے

تاباں جو نورِ حسن بہ سیمائے عشق ہے
کس درجہ دل پذیر تماشائے عشق ہے

اربابِ ہوش جتنے ہیں بیمارِ عقل ہیں
ان کے لئے ضرور مداوائے عشق ہے

میں کیا ہوں ایک ذرۂ صحرائے اشتیاق
دل کیا ہے ایک قطرۂ دریائے عشق ہے

شاہ و گدا کا فرق نہیں عہدِ حسن میں
اب جس کو دیکھئے اسے دعوائے عشق ہے

ظاہر ہے بیقراریِ پیہم سے حالِ دل
بیکار ہم کو دعوئے اخفائے عشق ہے

پنہاں حجابِ ناز میں ہے صورتِ جمال
پیدا ہے حرفِ شوق سے معنائے عشق ہے

اے اہلِ عقل کیوں ہو لئے فکرِ نام و ننگ
حسرتؔ خرابِ عشق ہے رسوائے عشق ہے

از بسکہ یادِ یار مسیحائے عشق ہے — راحت فزائے دل ہے جو ایذائے عشق ہے
نورِ سمائے حسن سے روشن ہے سربسر — اک دن جو دل میں نقشِ سویدائے عشق ہے
تیرا خیال منزلِ مقصودِ آرزو — تیرا جمال شاہدِ رعنائے عشق ہے
اے حسنِ بے مثال تری دید کیلئے — درکار دیدۂ دل بینائے عشق ہے
نکلے جو تیری یاد میں اے نوبہارِ حسن — وہ اشک ہے کہ لولوئے لالائے عشق ہے
مدت کے بعد پھر وہ ہوئے مائلِ کرم — یہ بھی تو اک طریقہ ادائے عشق ہے

حسرت کہاں وہ شاہ کہاں تو گدائے حسن
زنہار اگر تجھے سرِ سودائے عشق ہے

زمیندار لاہور — ۱۷ اپریل ۲۳ء

(غزل ستمبر ۱۹۲۳ء تاریخ ۲ مارچ)

بجا ہے دلِ زار کی ناصبوری — کہاں تک اٹھائے کوئی رنجِ دوری
رعایت جو اس شوخ کی تھی ضروری — خطا بن گئی خود مری بے قصوری
وہ تمہید ہی سے اڑا لیں گے مطلب — کہیں شوق نے کی نہ ہو بات پوری
محبت نے کی دل میں وہ آگ روشن — کہ ہم ہو گئے جسمِ خاکی سے نوری
بہرحال گر دیدۂ حسن ہیں ہم — جمالِ بشر معنوی ہو کہ صوری
تمنا نے کی نظارہ بازی — مزا دے گئی حسن کی بے شعوری

نہ چھوٹا درِ یار حسرت نہ چھوٹے
بہت ہم نے چاہا یہیں کا نہ ہو رہی

(غزل ستمبر ۱۹۲۳ء تاریخ ۴ مارچ)

غزلِ قلندرانہ ہندی بحر میں

ترے کوچے میں جس دن سے آ بیٹھے — غمِ دنیا کو جس جس سے بھلا بیٹھے

جسے قدرِ محبت ذرا بھی نہیں — ہم یہ کس سے اپنا دل لگا بیٹھے
ہمیں اب بالاسے دیکھیں اٹھاتا ہے کون — درِ جاناں پہ دھونی رما بیٹھے
مجھے پاس دنیا دب کسی کا نہ ہو — کوئی کیا ترے پاس آ کے کیا بیٹھے

مرزا نجم

جب سے اس بت نے حسرت سے بھلایا ہمیں
کیا کرتے ہیں یادِ خدا بیٹھے

درویش دہلی
۱۸ر جولائی ۳۴ء

وہ چپ ہو گئے مجھ سے کیا کہتے کہتے — کہ دل رہ گیا مدعا کہتے کہتے
مرا عشق بھی خود غرض ہو چلا ہے — ترے حسن کو بے وفا کہتے کہتے
شبِ غم کس آرام سے سو گئے ہم — فسانہ تری یاد کا کہتے کہتے
یہ کیا پڑ گئی خوئے دشنام تم کو — مجھے ناسزا برملا کہتے کہتے
عجب کیا جو ہے بدگماں سب سے واعظ — برا سنتے سنتے برا کہتے کہتے

وہ آئے مگر آئے کس وقت حسرت
کہ ہم چل بسے مرحبا کہتے کہتے

معارف اعظم گڑھ
جولائی ۳۲ء

آہِ دلِ عشاق تو اسانہ نہیں ہے — اس نغمہ جاں سوز سے نا آشنا نہیں ہے
زہاد اگر لطف ملے سیر چمن کا — سازِ اپنے وہ جو سرِ دسر افروز نہیں ہے
مجموعہ خوبی ہوئی عشاق کی سیر — یہ کیا ہے اگر حسن کا اعجاز نہیں ہے
عاشق ہوئے تھے ابل تو اب نہیں کھلتا — گویا کہ اس انجام کا آغاز نہیں ہے
گر دیدگی شوق ہوئی اپنی مسلم — ابرار ہیں نہ اب ان کو بھی سرِ ناز نہیں ہے
منظور غم ہجر ترقی ہے طلب کی — تقدیر یہ تقریر پرواز نہیں ہے
محسود ہے کون آج گدو وہ شہد اکا — حسرت کو وہ کہتے تھے کہ جا بیٹھا نہیں ہے

ہمایوں لاہور
جولائی ۳۲ء

پہلے کہیں خدا اسے شوقِ شکار دے | پھر یہ کہ وہ ہمیں کو نشانہ قرار دے
کاسہ کو گھٹنے پائیں تمنا کی شورشیں | ہم کو جو بخشش وکرم پہ خدا اختیار دے
ساقی کو شوق ہے کرم بے حساب کا | ساغر عجب نہیں جو ہمیں بے شمار دے
کیا کیا انسان کی یاد سے ہوں شرمسار ہم | فرصت کبھی جو کشمکشِ روزگار دے
سب ایک آگے ہیچ ہیں دنیا کی راحتیں | پروردگار دے تو غمِ عشقِ یار دے
عاشق کے رنگِ زرد پہ خوں بہاتی فراق | دیکھیں کبھی آکے تو کیا کیا بہار دے

۱۸/جولائی ۲۲ء دولت پور

حسرت سے کہئے ارادہ بتاں اپنی آرزو
اب کیا انہیں یہ اب یہ نا کردہ کار دے

دسمبر ۲۲ء
میخانہ آگرہ

مرید آپ کے اہلِ صفا کے پیر ہوئے | جو تھے فقیر امیروں کے وہ امیر ہوئے
ضیائے روح کا ان روشنی کیا کہنا | سراج نورِ رخ سے جو منیر ہوئے
جبھی میں ہو نہ سکا فتنہ جفائے تمد | وہ کہہ چکے تھے کہ ہم تیرے دستگیر ہوئے
غرض انہوں نے ہر حال کی خبر گیری | کبھی معین رہے وہ کبھی نصیر ہوئے
تمام جھگڑوں جھمیلوں سے ہوگئے آزاد | حضور آپ کے جس دن سے ہم اسیر ہوئے
ہماری دھوم بھی دنیائے عاشقی میں ہے | وہ حبیبِ عالمِ خوبی میں بے نظیر ہوئے

۱۵/جولائی ۲۳ء فرنگی محل

غلام حضرت رزاق کیا ہوئے حسرت
کہ آپ نام خدا عاشقوں کے میر ہوئے

۱۵/اگست ۲۳ء
برائے سلام لکھنؤ

ہم پہ جنوں کی تہمتِ بیجا ابھی سے ہے | ہنگامۂ بہار کا غوغا ابھی سے ہے

لے پیشوائے عشاق حضرت ملا شاہ عبدالرزاق قدس اللہ سرہ العزیز لکھنوی فرنگی محل

وعدے کی شب ہجوم تمنا ابھی سے ہے
سرگرم کار خاطرِ شیدا ابھی سے ہے

حالانکہ ابتدا بھی نہیں ہے شباب کی
ان کو کمالِ حسن کا دعویٰ ابھی سے ہے

آنے میں ان کی دیر ہے لیکن شبِ وصال
پیشِ نظر وہ چہرۂ زیبا ابھی سے ہے

ملے عشقِ تازہ کار تری ابتدا کو ہم
جب سوچتے ہیں لگتے ہیں گویا ابھی سے ہے

ہر لحظہ دردِ ہجر کی افزونیاں ہیں کا ہشیں
ظاہر ہجومِ غم کا نتیجہ ابھی سے ہے

برسے گا من بہار میں اے پیرِ مے فروش
تیری دکانِ بادہ کا شہرا ابھی سے ہے

دیکھیں ہوس پہ دوری منزل سے کیا بنے
جس کا خیال حوصلہ فرسا ابھی سے ہے

تم سے وہ عہدِ وصل کی امید کیا کرے
جو بدگمانِ وعدۂ فردا ابھی سے ہے

اہلِ نظر کا قول یہی ہے کہ بے مثال
تیرا جمال اے گلِ رعنا ابھی سے ہے

جس راہ سے وہ آنے کو ہیں آج اس طرف
شوقِ نگاہ محوِ تماشا ابھی سے ہے

حسرتؔ کو شامِ وصل ہے پاسِ حیائے یار
گو شوقِ پائے بوس کا ایما ابھی سے ہے

نگار بھوپال

۲۵، ۲۶ جون ۱۹۱۲ء [illegible] غزل

عاشق کو ہوئی فنائے فانی
پیغامِ حیاتِ جاودانی

ہے کثرتِ شوق کا نتیجا
آنکھوں کی یہ ارزو فشانی

تھی ان کی نگاہ بے نگاہی
اک طرفہ ادائے دلستانی

پھر آج وہ بر سرِ کرم ہیں
از راہِ کمالِ مہربانی

پھر گلشنِ آرزو میں گویا (ق)
آئی ہے بہارِ کامرانی

بیٹھے ہیں وہ روٹھ کر جو مجھ سے
چمکا ہے جمالِ سرگرانی

کچھ ایسے جدا ہوئے کہ ہم سے
پھر مل نہ سکا وہ یارِ جانی

۳ جون ۱۹۱۲ء [illegible] غزل

کچھ داغِ فراق کے علاوہ | تم اور نہ دے چلے نشانی
دونی ہوئی آرزو کی شورش | اللہ رے زورِ ناتوانی
ہنگامہ تو اتنا یاں ہوس کی | نہیں لازم عہدِ نوجوانی

اردو میں کہا ہے اور حسرت
معارف اعظم گڑھ — دسمبر ۳۳ء
بہ طرزِ نظیری و فغانی

۳ ستمبر ۳۲ [illegible]

علیؓ کے لال زہرہؓ کے دلارے | رسول اللہ کی آنکھوں کے تارے
نمونے تیرے خلقِ حسنؓ کے | نمایاں ہیں تری سیرت میں سارے
حسینؓ ابنِ علیؓ کی شانِ تسلیم | نظر ہم پر بھی اک ہو جائے پیارے
کبھی اے بادشاہِ اہلِ عرفاں | نظر ہم پر بھی اک ہو جائے پیارے
ہوئے ابدال کامل دزدِ رہزن | یکدم تیری نگہِ حق کے مارے
بچا لے میری کشتی کو بھی آخر | ہزاروں تو نے بیڑے پار اتارے
کسی کی اور کیا پرواہ ہو ان کو | جنہیں کافی ہوئے تیرے سہارے
بھلا ساقی کوئی دن فصلِ گل کے | جدائی میں تری کیونکر گزارے

کہو حسرت حضورِ پیرِ بغداد
جمالِ نورِ مطلق کے نظارے

ستمبر ۳۳ء

گمراہوں کی رہنمائی کیجیے | یا علیؓ مشکل کشائی کیجیے
کچھ نہیں بھی اے امیر اولیا | دیکھیے پاسِ گدائی کیجیے
خواہشِ ظاہر سے باطن کی طرف | اہلِ دل کی دلربائی کیجیے
کر کے ہم کو واقفِ اسرارِ عشق | فارغِ زہدِ ریائی کیجیے

باعطائے دولتِ قربِ حضور — چارۂ دردِ جدائی کیجیے
اللہ تو سنتا ہے میری عرض کون — آپ ہی حاجت روائی کیجیے

جانِ حسرت ہے گرفتارِ مجاز
حکم انعامِ رہائی کیجیے

۱۱ دسمبر ۲۳ء — بیرون کلکتہ

(۱۲ دسمبر ۲۳ء روز جمعہ)

ترکِ شانِ کج ادائی کیجیے — آئیے ہم سے صفائی کیجیے
سرفرو کر دے ہمیں عشاق ہیں — شہرۂ گلگوں قبائی کیجیے
ان سے کر کے شکوۂ جور و جفا — مرتے دم کیا بیوفائی کیجیے
چھوڑ کر سر تیرے در سے جا رہے ہیں — آج تقدیر آزمائی کیجیے
بے نیازی حیدرِ عشاق کا — کچھ تو پاسِ بے نوائی کیجیے
بدمزاج اے پاسبان کوئے دوست — تجھ سے کیوں کر آشنائی کیجیے

ہم کو حسرت ہے یقینِ قربِ دوست
آپ خوفِ نارسائی کیجیے

مطلعہائے متفرق

(۱۱ جنوری ۲۴ء روز جمعہ)

یاس با ہوس بہ رنجش ناز دیکھتا — حسنِ فریب کار کا انداز دیکھتا
بیمار مرا چارہ گر و کام نہ ہو گا — کچھ بھی اثرِ طعنہ و دشنام نہ ہو گا
ہر حال میں اپنا لبِ فریاد ہے خاموش — کیوں کر کہ جفا و ستم ایجاد ہے خاموش
زنجیر سے بیزار ہیں شمشیر کے مشتاق — سب تیرے گرفتار ہیں تعزیر کے مشتاق
طالبِ حق اگر تجھے ہے تو سن — عاشقی ورزو ہر چہ خواہی کن

اک ان کے سوا جب نہ تھے ہم کسی کے　　الٰہی وہ دن کیا ہوئے عاشقی کے

زمیندار لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　　　۱۰۔ جولائی ۱۹۲۳ء

قطعات تاریخ

لائڈ جارج کی آئی شامت　　نکلا ٹھیک شعیب کا کہنا

ہجری سنہ میں لکھ دو حسرت　　مرد نام کا اترا شمنہ

قطعہ تاریخ پیدائش سید رضوان الحسن پسر عبد السمیع موہانی و نعیمہ بیگم بنت حسرت موہانی

حق نے بیٹا جو نعیمہ کو دیا　　میرا فرزند وہ روحانی ہے

سال پیدائش رضوان حسرت　　ثانی حسرت موہانی ہے

۱۳۵۲ھ

زمیندار لاہور

رُباعی

ملکی ہوئی جائداد شخصی　　جائز نہ رہا مفاد شخصی

قومی کے مقابلے میں حسرت　　تھا ہیچ بھی اتحاد شخصی

(۷ جولائی ۱۹۲۳ء سابرمتی سنٹرل جیل)

بے باک رہیں فکر اسیری نہ کریں　　یوں فاقہ و قہر میں امیری نہ کریں

ہم کیا ہیں بساط کیا ہماری حسرت　　غوث الاعظمؒ جو دستگیری نہ کریں

دیوان حسرت

موہانی

حصہ ہفتم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو بہ
زمانہ "قید فرنگ" ثالث ۲۲ ستمبر سے ۳۰ ستمبر ۲۳ء
تک کل گیارہ روز میں لکھی گئی ہیں۔

۱۹۲۳ء

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبعِ اوّل

یہ مجموعہ غزلیات جو دیوانِ حسرت کا ساتواں حصہ ہے اس کی بعض خصوصیتیں قابلِ لحاظ ہیں مثلاً

(۱) اس کی تصنیف میں ۱۰ ستمبر [illegible] سے ۲۰ ستمبر [illegible] تک کل گیارہ دن صرف ہوئے ہیں۔

(۲) حروف ابجد میں سے ہر حرف کی ردیف میں کم سے کم ایک غزل اس میں ضرور موجود ہے۔ ناظرین بلحاظِ نظر ملاحظہ فرمائیں گے کہ ث۔ ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ غ۔ ف۔ ق۔ ک وغیرہ کی ردیفوں میں جو غزلیں ہیں وہ بھی یکسر بے لطف و بے رنگ نہیں ہیں۔

(۳) جن جن بزرگوں سے فقیر کو فیض پہنچا ہے ان میں سے اکثر کی جانب اس مجموعہ میں کہیں نہ کہیں اشارہ موجود ہے۔ بزرگانِ دینِ اسلام کے علاوہ ایک موقع پر سری کرشن کا بھی نام آیا ہے۔ حضرت سری کرشن علیہ الرحمۃ کے باب میں فقیر اپنے پیر اور پیروں کے پیر حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہٗ کے مسلکِ عاشقی کا پیرو ہے ؎

مسلکِ عشق ہے پرستشِ حسن — ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب

(۴) یہ کل غزلیں اس زمانہ میں لکھی گئیں جب کہ فقیر پر حکومت کی جانب سے ایک دوسرا مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ مگر اس کے سبب سے انشاء اللہ تعالیٰ کہیں پریشانیِ خیال کے نمونے نظر نہ آئیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ فقط

فقیر حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر چند ہو کے جان سے بیزار جائے گا — پر واں ضرور طالبِ دیدار جائے گا
گھسنے نہ پائے گا تری محفل میں وہ کبھی — ساقی یہاں سے آج جو ہشیار جائے گا
زنہار بزمِ یار سے عاشق رہے جو دور — جب شوقِ دید اٹھائیگا ناچار جائے گا
صبر و قرار ہوش و خرد جان و مال و دیں — ہو گا جو کچھ حضور میں درکار جائے گا
پروا نہ ہو گی اس کے دلِ بے ملال کو — صدمہ فراقِ یار کا بیکار جائے گا
تیری گلی میں بیٹھ کے اٹھتے ہیں ہم کہاں — اور ہم اٹھیں بھی دل تو نہ زنہار جائے گا

دربان کی دور باش کا حسرت کو غم کہاں
اک بار وہ بلائیں تو سو بار جائے گا

جو اب ان سے ملنا دوبارا نہ ہو گا — تو جینا بھی شاید ہمارا نہ ہو گا
وہ ملتے رہیں گے تصور میں ہم سے — غمِ ہجر بھی ناگوارا نہ ہو گا
ہمیں پھر بھی لے جائیگا اس گلی میں — کہ اس کے سوا دل کو چارا نہ ہو گا
اجڑ جائے گی بزمِ رنداں تو ساقی — مروت نہ ہو گی مدارا نہ ہو گا
ہمیں گھر میں لائے تو وحشت یہ بولی — یہاں پر ہمارا گزارا نہ ہو گا
سنائیں انہیں حالِ دل یاد ہم کو — بھلا کچھ تو ہو گا جو سارا نہ ہو گا

مشرقِ گورکھپور — ۲۶ اکتوبر ۲۳ء

کوئی شکوہ سنجِ ستم اور رہوں گے
وہ کہتے ہیں حسرتؔ ہمارا نہ ہوگا

ساکتِ یاس ہیں جان و دلِ ناکام شباب — کیا ہوا آہ وہ ہنگامۂ ایامِ شباب
منتظرِ مرگ مناجات کی ہر دم ہے دعا — اب نہ آسائشِ پیری ہے نہ آرامِ شباب
قابلِ دید ہوئی حسنِ درخشاں کی بہار — کیا سے کیا ہو گئے ہو کر دمِ اتمامِ شباب
مے تو دیر سے مخمور ہوئی روحِ جمال — بادۂ عیش سے لبریز ہوا جامِ شباب
دلِ زیبائی ہے خود اس جانِ جوانی کی غلام — مالکِ نازِ ادا ہے وہ دل آرامِ شباب
بوسۂ وصلِ بتاں کی نہ مٹی ہیں نہ مٹیں — ہم سے چھوٹی ہے نہ چھوٹے گی گلفامِ شباب

درپئے دین و دل و جاں ہیں بتانِ کافر

خلافت بمبئی — ۲۶ اکتوبر ۲۳ء

حسرتؔ اچھا نظر آتا نہیں انجامِ شباب

ہم شکوۂ فلک ہی کریں گے حضورِ دوست — ظاہر نہ ہونے دیں گے وہاں کبھی قصورِ دوست
آنے میں دیر تجھ کو ہوئی ہے تو کس قدر — مضطر ہے قتل گہ میں دلِ ناصبورِ دوست
محفل میں دورِ ساقی ہے سب ہیں بھی آج — کاہے کو بچنے دیگی نگاہِ سرورِ دوست
میری تسلیوں کے نہیں ہیں جو منشور ہے — پھر کیوں جوابِ خط نہیں ہم ہیں سطورِ دوست
پیدا نہیں ترانۂ مطرب سے وجدِ روح — کانوں میں آ رہی ہے یہ آوازِ دورِ دوست
ہوگی ضرور قدرِ وفا، دل ابھی سے کیوں — کرتا ہے شکوۂ ستم بے شعورِ دوست
اظہارِ شوق کی متحمل نہ ہو سکی — برہم غضب ہے رات سے طبعِ غیورِ دوست

تہ جھی نظر لکھنؤ — اکتوبر ۲۳ء

اہلِ ہوس کی ہیچ ہیں ساری شکایتیں
دیکھے ہے کمالِ حسن پہ حسرتؔ غرورِ دوست

اپنی ذات کا وہ مغرور تو کیا ہے باعث — خود ہمارا دلِ مجبور ہوا ہے باعث

اس جفاکار کی آنکھیں جو تم ہیں اس کا — یا دلِ محرومیٔ اربابِ وفا ہے باعث

آپ کی ایک نظر کے یہ کرشمے ہیں تمام — صحتِ دل کی دوا ہے نہ دعا ہے باعث

بد کو بھی نیک سمجھتے نہیں کیوں عاشقِ حق — فرض کیا ہے جو کہیں بد کا خدا ہے باعث

رحمتِ حق ہے مگر میرے معاصی کی جزا — کہ ہے باعث اگر اس کا تو عطا ہے باعث

یہی لائی ہے اثر اگر ترے ملبوس کی بو — بیخودی ہائے تمنا کی صبا ہے باعث

ذکرِ حسرت پہ وہ لب سے مری رسوائی کا — یہی دیوانہ یہی بے سر و پا ہے باعث

زمیندار لاہور — ۲۶ اکتوبر ۲۳ء

تجھ سے جو دردِ دل کا کبھی ہوتا نہیں علاج — ہے کس مرض کا اور تو اے نازنیں علاج

اہلِ ہوس کے دردِ تمنا کا بر محل — کرتی ہے خوب وہ نگہِ خشمگیں علاج

بیمارِ غم ہوئے ہیں جو تیرے فراق میں — ایسوں کا تو ضرور ہے اے مہ جبیں علاج

پایا نہیں کسی نے کبھی ہے دردِ عشق کا — کوئی بھی اے طبیب ترا دلنشیں علاج

اس دل کو اب گزار کر سے تکرارِ عاشقی — جس کا نہ کر سکے غمِ دنیا و دیں علاج

پھر کیوں دوا لئے دردکے دیتا ہے چارہ گر — جب خود ہی چاہتا نہیں جانِ حزیں علاج

حسرت مزاجِ وصل سے صحت جو ہو تو ہو — دل کا نہیں ہے ورنہ کوئی دلنشیں علاج

ہمایوں لاہور — اکتوبر ۲۳ء

وہ دیکھنے جو بام پہ آئے بہارِ صبح — نازاں ہے اپنے بخت پہ کیا کیا نگارِ صبح

بیٹھا فلک پہ ہے یہ بانداز کا غرور — ظلماتِ شب ہیں یا ہے رواں جو بیازِ صبح

نکلا ہے کس غرور سے ہمراہِ آفتاب — پردہ ... شب کے شاہدِ رنگیں نگارِ صبح

روزِ فراق یار مری چشمِ یاس میں — پھر فلک ہو گیا ہے دلِ داغ دار صبح
خورشید روئے یار ہے ہو کر ضمیرِ حسن — شام شبِ وصال بھی کرتی ہے کار صبح
ملتے ہوئے اٹھے ہیں وہ آنکھیں جو خواب کی — پھیلا ہوا ہے نورِ جمالِ خمار صبح

تمکینِ حسنِ یار کے صدقے میں روزِ وصل
کچھ بڑھ گیا ہے اور بھی حسرت وقار صبح

الاماں دہلی — ۲۶ اکتوبر ۲۳ء

دخترِ رز ترے پہلو میں نہاں ہے گستاخ — دیکھ تو کتنی اے پیرِ مغاں ہے گستاخ
ہمتِ عاشقِ بیدل پہ خدا کی رحمت — کوچۂ یار کی جانب جو رواں ہے گستاخ
کس قدر ہے نگہِ شوق بھی اپنی بیباک — چہرۂ یار میں کیا کیا نگراں ہے گستاخ
عرضِ حالِ دلِ مضطر پہ وہ بولے ہنس کر — ہم نہیں کیا کہ ترا طرزِ بیاں ہے گستاخ
خوش کہ ناخوش ہو کوئی جا ہی پہنچتا ہے وہاں — ان کی خدمت میں مرا شور و فغاں ہے گستاخ
سن کے آئے ہیں کس سے جو مرے شوق کا حال — پوچھتے پھرتے ہیں سب سے وہ کہاں ہے گستاخ

کچھ غضب سے بھی ترے خوف نہیں ہے اس کا
کس قدر حسرت بے تاب و تواں ہے گستاخ

نگار بھوپال — اکتوبر ۲۳ء

وہ ہوں جیلاں سے آ کر میرِ بغداد — نہ ہے قسمت خوشا تقدیرِ بغداد
حقیقت میں ہے خاکِ روضۂ پاک — جسے کہتے ہیں سب اکسیرِ بغداد
ہمیں فردوس میں لائے تو کیا کیا — نظر میں پھر گئی تصویرِ بغداد
سوادِ ہند میں لگتا نہیں جی — دل دیوانہ ہے دلگیرِ بغداد

ہوائے شوق اڑا لے جائے حسرت
یہ اچھا ہو نہیں تدبیرِ بغداد

نظام المشائخ دہلی — اکتوبر ۲۳ء

حاصل جو ہوئے دردِ محبت کے لذائذ
میں بھول گیا عیش و فراغت کے لذائذ

جب تک نہ کھلے یہ کہ محبت ہے عبادت
محسوس ہوں کیا تیری اطاعت کے لذائذ

مجموعۂ اضداد ہے دردِ دلِ عاشق
سب جانتے ہیں جس کی اذیت کے لذائذ

ہر حرف میں اس نامۂ رنگیں کے ہیں پنہاں
جدت کے عبارت کے اشارت کے لذائذ

مرضی پہ تری چھوڑ کے ہر امرِ اہم کو
جانے کوئی کیا فسخِ عزیمت کے لذائذ

ارواح پہ اعمال کے آثار ہیں طاری
دوزخ کے شدائد ہیں نہ جنت کے لذائذ

پوچھے کوئی اربابِ تمنا کے دلوں سے
حسنِ رخِ جاناں کی حکایت کے لذائذ

دل کو جو ہوئی کثرتِ عصیاں پہ ندامت
حاصل ہوئے کیا کیا تری رحمت کے لذائذ

ڈرتے ہیں جو میدانِ دغا سے انہیں حسرت
معلوم نہیں شوقِ شہادت کے لذائذ

۲۶ اکتوبر ۲۳ء

دل ہے ترے وصل کا طلب گار
"دیوانہ بکارِ خویش ہشیار"

قیدِ ہوس و خرد سے چھوٹ کر
آزاد ہیں عاشقانِ احرار

سردارِ بلاکشانِ غم ہیں
اس جانِ جہانیاں کے بیمار

ہے شوق تری طلب کا بے حد
معلوم نہ ہو سکے کی مقدار

مایوسِ وصال ہیں، زباں پر
پھر بھی ترے نام کی ہے تکرار

آمادۂ قتلِ عاشقاں ہیں
وہ یار وہ شاہدِ ستم گار

جو کچھ اپنا ہے سب ہے ان کا
وہ دل کے ہیں جان کے بھی مختار

ہم جب سے ہوئے ہیں کافرِ عشق
تسبیح بکار ہے نہ زنار

حسرتؔ نے بھی مثل شمس تبریز

معارف اعظم گڑھ ۲۷ر اکتوبر ۴۴

اشعار میں کہہ دیئے سب اسرار

ابر و مے و نغمہ صحن گلزار
تم پاس نہیں تو سب ہے بیکار

مخموریٔ عشق سے تو اے دل
زنہار جو ہو کبھی خبردار

لبریزِ نشاط ہے دل شوق
آثار بہار ہیں نمودار

ہم رنگِ شفق ہے آتش گل
سبزی ہے چمن کی رشک زنگار

وعدے پہ وہ آئیں تو پھر ان سے
اقرار بن آئے گا نہ انکار

پابوس کی التجا پر اس نے
کس ناز سے کہہ دیا خبردار

انکار سے تیرے شہرِ دل میں
آبادیٔ آرزو ہے مسمار

دل سرد ہے حسن مہوشاں سے
ہے عشق بتاں سے دل بیزار

دنیا سے نہ دیں سے ہے مطلب

حسرتؔ ہے غریق جلوۂ یار

جنت کو چلے جو ہم گنہ گار
استادہ ہوئے صفوفِ ابرار

رہنے دیں ہمیں وہ زیر دیوار
اس بات کے بھی نہیں روادار

البیوں سے کیا ہو کرم کی امید
ہے جن کی طرف نظر بھی دشوار

بلبل نے قفس سے چھوٹ کر بھی
کھولی نہ چمن میں پھر سے منقار

بازارِ جمال میں لگے ہیں
دیکھو جدھر آرزو کے انبار

لٹ جائے نہ رختِ صبر اے دل
اس خالِ سیاہ سے خبردار

اے حسن غیورِ دوست کر شرم
یہ مستیٔ مے بہ بزم اغیار

تو شاد ہیں ہے ترا مقابل کوئی نہ بہ گلزار خانِ فرخار
کب مائلِ غیر ہیں وہ حسرت
بایں ہمہ التفاتِ بسیار

البرید کانپور ۱۸ نومبر ۲۳ء

ہوئے ابر تشنگانی ہے ہوس خیز کرے کوئی کہاں تک مے سے پرہیز
تبسم ہے ترا اے شاہِ خوباں سراسر اک تماشائے دلاویز
یہاں دل خاکسار آرزو ہے وہاں ہے نازِ حسنِ یار نوخیز
فسونِ طرفہ ہے حرفِ لبِ یار کہیں شکر شکن گاہے نمک ریز
سب اسکو دردِ ہم کہتے ہیں درماں اذیت بھی ہے جس کی راحت آمیز
نہیں اب تک حواس عقل برجا شراب عاشقی تھی کس قدر تیز
مجھے فیضِ سخن پہنچا ہے حسرت
ز روحِ پاک شمس الدین تبریز

تمدن دہلی ۷ ۲ اکتوبر ۲۳ء

بیخود ہیں وہ کہتے ہیں کیا ہے تمہارے پاس لے دے کے ایک تیرِ دعا ہے تمہارے پاس
بیمارِ غم ہیں دور سے آئے ہیں سن کے نام کہتے ہیں دردِ دل کی دوا ہے تمہارے پاس
کس کو نہیں قبول کہ ہے تشنگی سے حرام پر فصلِ گل ہیں ہو تو روا ہے تمہارے پاس
خاموش تم ہو سب ہیں ہلاک فریبِ لطف اچھی یہ تیغِ نیم رضا ہے تمہارے پاس
روشن ہمارے دل میں بھی ہے اک سراجِ درد برقِ جمال کی جو ضیا ہے تمہارے پاس
شمشیرِ عشق تیرِ ادا و تفنگ ناز! سب چیز اب تو نام خدا ہے تمہارے پاس
اب کیا رہے گا پہلوئے حسرت میں دل بھلا
اک عمر یہ گزار چکا ہے تمہارے پاس

جلوۂ حق کو ہے نظر کی تلاش | دلِ عاشق کسے بصر کی تلاش
گمرہانِ وصالِ یار کریں | جا کے ہانسیے[1] میں راہبر کی تلاش
شمس و رومی سے پوچھ لیں ہو جنہیں | سخنِ عشق معتبر کی تلاش
اس جفا جو سے ہے وفا کی امید | ثمرِ عشق بے ثمر کی تلاش
حسن اس کا اثر پذیر نہیں | جذبِ دل کو ہے کیوں اثر کی تلاش
ہمتِ اہلِ دل سے دور نہیں | شوق کی راہ پر خطر کی تلاش
حالِ دل کی انہیں خبر ہے تو نہیں | ہم کو ناحق ہے نامہ بر کی تلاش
ان کو رہتی ہے عاشقوں کیلئے | سخنِ تلخ مختصر کی تلاش

ہو جنہیں ہو، ہمیں تو ہے حسرتؔ
خواہشِ زر بھی دردِ سر کی تلاش

ہمدم لکھنؤ — ۱۸ نومبر ۲۳ء

آنکھوں میں نورِ جلوۂ بے کیف و کم ہے خاص | جب سے نظر پہ ان کی نگاہِ کرم ہے خاص
کچھ ہم کو بھی عطا ہو کہ اے حضرتِ کرشن | اقلیمِ عشق آپ کے زیرِ قدم ہے خاص

حسرتؔ کی بھی قبول ہو متھرا میں حاضری
سنتے ہیں عاشقوں پہ تمہارا کرم ہے خاص

زمانہ کانپور — اکتوبر ۲۳ء

کیوں کر کہیں کہ ہم پہ اطاعت نہیں ہے فرض | فطرت پہ کیا تمہاری محبت نہیں ہے فرض
بیخود نہیں جائیں گے تری محفل میں بیٹھ کر | کچھ ہم پہ التماسِ اجازت نہیں ہے فرض
پھر کیوں جفائے یار سے نالاں ہوا ہے دل | کیا عاشقوں پہ شوقِ شہادت نہیں ہے فرض

---

[1] اشارہ بجانب سید حضرت عبد الرزاق ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

بے ضرب و ذکر و فکر ملے گی ہمیں مراد — اہلِ ولا پہ زہد و ریاضت نہیں ہی فرض

حسرتؔ کرو دعا کہ رہے دل فگارِ عشق
تدبیر اندمالِ جراحت نہیں ہے فرض

عصر جدید کلکتہ — ۱۸ر نومبر ۲۳ء

لکھتے ہیں پھر کہ لکھتے نہیں ہم ہزار خط — دیکھیں تو بھیج کر وہ ہمیں ایک بار خط

آیا ہے جبیں کش مکشِ انتظار میں — کیوں کر نہ ہو عزیز تر از غم گسار خط

لکھا تھا اپنے ہاتھ سے تم نے جو ایکبار — اب تک ہمارے پاس ہے وہ یادگار خط

اس نے کہیں یہ حرفِ تسلی بھی ہو لکھا — پڑھتے ہیں اس امید پہ ہم بار بار خط

مجھ کو عجب یہی ہے کہ اے نازنیں ترا — لیتا ہے دشتِ شوق میں کیونکر قرار خط

سرتاسر اک لطیفۂ خوشبو ہے وہ نگار — زلف اس کی عنبریں ہے تو مشکبار خط

مجھ سے گدائے شوق کو لکھے تو کیا لکھے
حسرتؔ دیارِ حسن کا وہ شہر یار خط

ہزار داستان لاہور — نومبر ۲۳ء

حور کا ذکر ہے کیا کیا بہ زبانِ واعظ — وصفِ جنت میں سنے کوئی بیانِ واعظ

بن پڑا کچھ بھی نہ رندوں کے دلائل کا جواب — سخت چکر میں ہے عقلِ ہمہ دانِ واعظ

گرم دنیائے ریا میں ہے جو بازارِ فریب — آج کل خوب ہی چلتی ہے دکانِ واعظ

گرد ہیں رند کہ چھوڑیں گے نہ دامن تیرا — کس مصیبت میں پڑی آن کے جانِ واعظ

لے گیا ہے کوئی پگڑی جو اڑا کر واعظ
مجھ گنہگار پہ ہے شب سے گمانِ واعظ

اودھ اخبار لکھنؤ — ۱۸ر نومبر ۲۳ء

عشق ہے جان و مالِ اہلِ سماع — دولتِ لازوالِ اہلِ سماع

عرش پر ہے خیالِ اہلِ سماع — اے خوشا وجد و حالِ اہلِ سماع

عاشقانِ ترا نہ ہائے جمیل — ہیں جلال و کمال اہلِ سماع
اہلِ دل کا ہے ایک ہی مسلک — مسلکِ بے مثال اہلِ سماع
کشتۂ عشق ہے ہر اک ان میں — رحمتِ حق بحالِ اہلِ سماع
ان سے جو کچھ ہے سب محبت ہے — حال ہو کہ قال اہلِ سماع

زاہدو لے کے پڑھے گا سرِ حسرت
اک نہ اک دل وبالِ اہلِ سماع

نظام المشائخ دہلی — نومبر ۲۳ء

غم و فکرِ شوقِ تمنا سے فارغ — ہیں عاشق ترے ساری دنیا سے فارغ
نہ تم ہو مرے جذبِ الفت سے بے غم — نہ یوسف تھے عشقِ زلیخا سے فارغ
انہیں جلوہ گر دل میں ہر لحظہ پا کر — تمنائے فکرِ تماشا سے فارغ
وہ مطلق ہیں خود انکی نسبت ہے لیکن — نہ اعلیٰ سے فارغ نہ ادنیٰ سے فارغ

پناہِ محبت میں ہم آ کے حسرت
ہوئے حد و احکامِ بیجا سے فارغ

جامعہ علیگڑھ — اکتوبر ۲۳ء

نظر اس رخ پہ ہے ادب کے خلاف — دل ہے اس فیصلے میں سب کے خلاف
کبھی ہم ان سے کہہ سکے نہ کہیں — نا خوشی ہائے بے سبب کے خلاف
حکمِ غم تابعِ خمار نہیں — مستیٔ بادۂ عنب کے خلاف
آج پر کیا وہ رونہ کرتے ہیں — بے رخی عذر ہائے شب کے خلاف

حسنِ جاناں کے عہد میں حسرت
شوق ٹھہرا ہے ماہِ رجب کے خلاف

اتنی کیا ہاں ہے اور جو ہو یہی مجالِ شوق — وہ ٹال دینگے آئے بلے میں سوالِ شوق

ہم کو ہے دید یار کی خواہش کہ فی المثال / نکلا ہے آسمان دعا پہ ہلال شوق
مشہور اگرچہ دور تھی راہ دیار دوست / مستانہ چل کھڑے ہی ہوئے ہم بحال شوق
اونچا ہوا ہے اور بھی کچھ آشیان حسن / کچھ ... مرغ تمنا نے بال شوق

ترچھی نظر لکھنؤ — نومبر ۲۳ء

دل طالب وصال سے بےشک بھرا نہیں
حسرت یہی عروج نہ تھا بے زوال شوق

چھپے گی تری دوستداری کہاں تک / کرے گا دل انکار یاری کہاں تک
کہیں رک بھی اے چشم خونابہ افشاں / کہاں تک تری اشکباری کہاں تک
خدا جانے آخر ترے غم زدوں کو / ستائے گی یاد بہاری کہاں تک
نظر باز اڑا لیں گے سب حال شب کا / چھپے گی وہ چشم خماری کہاں تک
سر راہ بیٹھے ہیں بے خواب و خور ہم / نہ نکلے گی ان کی سواری کہاں تک
کرے گی فقیروں سے اے شاہ خوباں / تغافل تری شہریاری کہاں تک
ہمیں حال دل عرض کرنے نہ دے گی / بھلا ان سے بے اختیاری کہاں تک
غرور آپ کا کم نہ ہوگا نہ ہوگا / جتائیں گے ہم خاکساری کہاں تک
بیاں ہو چکی ہم سے اس گل کی خوبی / سو دیر تک رنگیں نگاری کہاں تک
وہ کہتے ہیں دیکھیں تو رہتی ہے باقی / تری شان پر جاں نثاری کہاں تک
پھر آتے کی ناکام اس در پہ جا کر / بتا ہے کوئی وضعداری کہاں تک
تمنا کو اس حد پہ رہنے نہ دے گی / ترے حسن کی بے قراری کہاں تک

الناظر لکھنؤ — ۱۱ نومبر ۲۳ء

کرو سیر دنیائے حیرت بھی حسرت
خرد مندی و ہوشیاری کہاں تک

نہ کیا بارِ غم کسی نے قبول — غیرِ انساں کہ تھا ظلوم و جہول
بھیجیے تحفۂ درود و سلام — بجنابِ رسولؐ و آلِ رسولؐ
خاصہ بر روحِ پر فتوحِ حسین — نورِ چشمِ علیؑ و جانِ بتول
نوجوانانِ خلد کے سردار — گلبنِ دوحۂ رسول کے پھول
جملہ اہلِ بیت و عترت و فتا — جن سے سیکھے ہیں عاشقی کے اصول
جن کے روضے پہ رحمتِ حق کا — روز ہوتا ہے کہ بلا میں نزول

بارگاہِ حضور میں حسرت

(نظام کالج میگزین حیدرآباد دکن) — اکتوبر ۱۹۳۰

کاش ہو جائے یہ غزل بھی قبول

بارہا کھائی ہے جس نے لبِ جاناں کی قسم — خضر کھاتے ہیں یہ کیا چشمۂ حیواں کی قسم
آرزو ہے لبِ ساغر پہ ترا اور ہے میرا — ساقیا تجھ کو مری تشنگیِ پیماں کی قسم
زعفراں زارِ مسرت ہے مری کشتِ امید — تیری تقریر سے اے تیرے لبِ خنداں کی قسم
عالمِ حسن میں یکتا ہے ترا جلوۂ نور — ماہِ تاباں کی قسم مہرِ درخشاں کی قسم
آج تک یاد ہیں صدمے جو دیے تھے تو نے — اے ستم گار تری کثرتِ احساں کی قسم
نزہتِ خلد نے اے تاہرِ جاناں تیری — بارہا کھائی ہے دلچسپیِ عنواں کی قسم

سن کے افسانۂ ہجر میں کیا کیا حسرت
ساغرِ مے نے دلائی لبِ جاناں کی قسم

اب تم ہی کہو زیست کے آثار کہاں ہیں — تم پھر بھی کہے جاؤ یہ بیمار کہاں ہیں
مقتل میں یہ کہتے ہوئے آئے وہ بصد ناز — آئیں مرے جاں باز گرفتار کہاں ہیں
ہم کو یہی کیا کم ہے کہ بندے ہیں تمہارے — رسوائے محبت کے سزاوار کہاں ہیں

سجدے کئے اس در پہ اسی عذر سے لاکھوں — ہم عاشقِ بے خود ہیں گنہگار کہاں ہیں

اک بار چلے جاؤ دکھا کر جھلک اپنی — ہم تشنۂ پیہم کے طلب گار کہاں ہیں

پوشیدہ ہم اس گوشۂ محفل میں ہیں خاموش — جس میں یہ نہ جانے نگہ یار کہاں ہیں

ہر لحظ تصور کی ہے مصروفی بے حد — عاشق ترے ناکارہ ہیں بیکار کہاں ہیں

کہتا ہے قریبِ نظر یار بھلا ہم — بے مہر جفا کار دل آزار کہاں ہیں

شوق ان سے یہ کہتا ہے توجہ نہیں تم کو — عقدے مرے سب سہل ہیں دشوار کہاں ہیں

اس حسن نظر سوز کا ہے اب تو یہ عالم — کہتا ہے مرے طالبِ دیدار کہاں ہیں

کافر جنھیں سب کہتے ہیں مسلم ہوں نہ حسرتؔ
آزاد ہیں وابستۂ زنار کہاں ہیں

حامد علی گڑھ — ۱۸ نومبر ۲۳ء

اپنے آپے میں نہیں شوق کے مارے گیسو — کھلے جاتے ہیں رخِ یار پہ سارے گیسو

نورِ ایماں کے معاون ہیں تمہارے عارض — کفرِ عشاق کے حامی ہیں تمہارے گیسو

کام آئے گی وہ کیا ان کی پریشانی میں — چشم بیمار کے ڈھونڈے ہمیں ہمارے گیسو

مائل شوق مجھے پا کے وہ بولے ہنس کر — دیکھیو تم نے جو چھوڑے ہیں آج ہمارے گیسو

ظلمتِ زلف سے نورِ رخِ خوباں نہ دبا — جیت عارض کی ہوئی شرطیں ہارے گیسو

فلکِ حسن پہ ہے ناز کے تاروں کی نمود — یا یہ زینت افشاں ہیں تمہارے گیسو

فاتحہ پڑھنے چلے مرقدِ حسرتؔ پہ جو وہ
پہلے کسی ناز سے رو رو کے سنوارے گیسو

خلشِ یار سے خدا کی پناہ — نگہ یار سے خدا کی پناہ

بڑھ گئے اثر سے موتی غرور — ایسے اصرار سے خدا کی پناہ

پھر ہوا دل کو شوق شاہد مے — ابر بسیار سے خدا کی پناہ
رہنما اُس کے دل بھی ہیں گمراہ — حسن بازار سے خدا کی پناہ
آچکی اب کسی کو شوق میں نیند — تیرے اقرار سے خدا کی پناہ
مشورے دے جو ترک مے کے ہیں — ایسے غم خوار سے خدا کی پناہ

سامنا کون کر سکے حسرتؔ
ان کی تلوار سے خدا کی پناہ

زمیندار لاہور — ۲۶ نومبر ۲۳ء

کیا کیا نہ ہجر میں ترے ناشاد کر چکے — اب یہ سمجھ کے چپ ہیں کہ وہ یاد کر چکے
نادم وہی تو آج ہیں کل بر بنائے ناز — خاکِ شہید عشق جو برباد کر چکے
پابند پیش ہو نہ سکے بند گانِ عشق — گو ختم قید کی وہ میعاد کر چکے
کہتے ہیں اب وہ تیری گزارش ہی ناقبول — اک بار کر چکے جو ہم ارشاد کر چکے
رنگیں طرازیاں غضب اشک سرخ کی — جو دامنِ جنوں پہ ہم ایجاد کر چکے
نادم ہیں اب کمال حجب اس سے بیان ہم — سارے غم فراق کی روداد کر چکے

حسرتؔ وہ اب ہوئے نہ بھی تو کیا مائل کرم
جب ختم ساری سختی بیداد کر چکے

عذر کلکتہ — نومبر ۲۳ء

تیری جفا بجز ہے وفا اے کمالِ دلبری
تیرے ستم ستے دیتے ہیں نوں مثالِ دلبری

بات ہے تیری حیلہ جو صرف بہ ناز گفتگو
چال ہے تیری فتنہ خو مستِ بحالِ دلبری

اہل کمال کی نظر محوِ نشارہے دیکھ کر
چہرۂ حسن یار پہ ندرتِ خالِ دلبری

مہرِ سپہر حسن ہو با خط و خال گل رخی
ماہِ تمام ناز ہو یا سن و سالِ دلبری

اس کے سوا کہ ہے یہ خود دشمنِ بتانِ ماہرو
کچھ بھی جو جانتا ہو کیا ہے مآلِ دلبری

ذات پہ جن کی ختم تھا شیوۂ جورِ بے مثال
آ گئے ہیں بر سرِ وفا چھوڑ خیالِ دلبری

میں جو ہوا ہوں چہرے سے مائلِ حسنِ دیگرے
طرفہ تری نظر میں ہے شانِ ملالِ دلبری

عشق مرے حالِ دل پہ تھا شورِ جنونِ شوق کا
تیری ادا پہ ہے فدا نازِ جمالِ دلبری

حسرتِ پاک باز کیے گریۂ شوق سے رہے
تازہ یونہیں خدا کرے تیرا نہالِ دلبری

"ہمایوں" لاہور ۱۸ نومبر ۱۹۲۲ء

متفرق مطلع

حالِ دل کہیے ان سے پا کے الگ ڈانٹ دیں گر تو وہ سلا کے لگا

دل کو جس دن سے ہوئی تیری محبت کی ہوس　　ہمکو دوزخ کا ہے کچھ خوف نہ جنت کی ہوس

حسینوں میں آج ایک تم سا نہیں ہے　　خوشامد فقیروں کا شیوہ نہیں ہے

حق ہے اک ذاتِ خدا غیر خدا ہے باطل　　لوگ سمجھے ہیں کسے اصل میں کیا ہے باطل

زمیندار لاہور ۸ نومبر ۲۳ء

31

دیوان حسرت

موہانی

حصہ ہشتم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل اردو، ہندی اور فارسی غزلیں
درج ہیں جو زمانہ قید فرنگ ثالث بمقام یرودا اسنٹرل جیل پونا
یکم اکتوبر سنہ ۲۳ء سے ۹؍ نومبر سنہ ۲۳ء تک لکھی گئیں۔

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

عہدِ یک عمرِ فراغت سے جو خوشتر گزرا
وہ جو یک لحظہ تری یاد میں ہم پہ گزرا

تیرے انکار سے اربابِ تمنا کے لئے
وصل کا دن بھی شبِ غم کے برابر گزرا

تجھ سے اب مل کے تعجب ہے کہ عرصہ اتنا
آج تک تیری جدائی کا یہ کیوں کر گزرا

صبر کی دل میں سلامت نہ رہی ایک بھی کشت
جس طرح سے کہ ترے ناز کا لشکر گزرا

یہ بھی اک بات ہے غیرِ دل کے ستانے کو فقط
التفاتِ نگہِ یار سے میں در گزرا

لوگ سب جان گئے چھپ نہ سکی شوق کی بات
میں گلی سے جو تری ہو کے مکرر گزرا

اب وہ آئیں بھی تو کیا، رو لیں بھی تو کیا حسرت
ہجر میں تجھ کو جو کرنا تھا سو تو کر گزرا

معطر پا کے بوئے حسن سے سارا بدن اپنا
وہ سونگھا کرتے ہیں خود بھی اکثر پیرہن اپنا

رقیبوں کی ہمارے بعد اب اتنی بھی کثرت
کبھی تم غور سے دیکھو تو رنگِ انجمن اپنا

ارادہ آج بخوف و خطر ہے ان کی محفل کا
محبت میں کوئی دیکھے تو یہ دیوانہ پن اپنا

کچھ اس عالم میں دمِ بہ دم وہ نشتے پیر کشتی کو
کہ نسرین اپنی خوشبو رنگ بھولی نسترن اپنا

وہ رحم آیا تجھے مجبوری شوقِ شہادت پر
خود لے ہاتھ کی خنجر سنبھال اے تیغ زن اپنا

نہیں معلوم ہے سب حال [illegible] اپنا
بتا کے اتنا نہ دکھلائے وہ زلفِ پرشکن اپنا

ترچھی نظر لکھنؤ — ۱۸ فروری ۱۹۴۲

سبھی کچھ ہو گیا ان کا ہمارا کیا رہا حسرت
نہ دیں اپنا نہ دل اپنا نہ جاں اپنی نہ تن اپنا

بغدادی دیالو کھویا — ہم ہوں غریب ہیں یار جویا
برہا کی ماری نپٹ دکھیاری
تاگن کب لگ دور سے نیا (تھا)
پار اتار پیا سے ملا دے — رزاق[1] پیا بانسے[2] نگر بسیا
بانسہ نگر کے فرنگی محل[3] کے
انکی نام کے دوئی دوئی کنھیا
رزاق[4] وہاب[5] پیا بن حسرت — ہری تھا کاہے کو نسنیا

دل کو امید وصل ہے تمہید اضطراب — تسکین اضطراب ہے تائید اضطراب
جوش ہوس کا حال یہی ہے تو ہو چکی — ارباب اشتیاق سے تجدید اضطراب
میرے لئے ہجوم تمنا سے فی المثل — شام شب وصال ہوئی عید اضطراب
مطلب نہ تھا کچھ اور ترے التفات کا — کی تھی نگاہ یاس کو تاکید اضطراب
حیرانیٔ فراق میں کچھ رہا نہ یاد! — توصیف انتظار نہ تمجید اضطراب
آنے میں انکے دیر ہوئی کچھ تو زور وصل — کی بڑھ کے آرزو نے بھی تقلید اضطراب

---

۱ حضرت سید عبد الرزاق بانسوی ۲ بانسہ ضلع بارہ بنکی
۳ فرنگی محل لکھنؤ ۴ حضرت شاہ عبد الرزاق لکھنوی فرنگی محل
۵ مرشدی حضرت شاہ عبد الوہاب لکھنوی فرنگی محل

ان کو بھلا تسلی حسرتؔ سے کیا غرض
مشرق گورکھپوری — ۱۱ دسمبر ۲۳ء
مدِ نظر ہے کوششِ تجدید اضطراب

پن ہوے نہ شام کی پریتا پاپ — کوڑ دکھا ہے کرت ہے پنچھا کا تاپ
نیر کی آگ ماں تن مارے
کب تک جلت رہی چپ چاپ

دین دیال کبھی دکھ دائک — سب حسرتؔ بھول کے میل ملاپ

اس شوخ کے آنے کی تمنا ہے قیامت — کیا کیا دلِ مشتاق میں یہ بلا ہے قیامت
گھنگھور گھٹا رات کے اندھیروں میں جلتی — نگنیں نہیں کا اجالا ہے قیامت
رعنائی میں آفت ہیں ترے لب تبسم — خوبی میں تری نرگس شہلا ہے قیامت
دل دے کے ابھی جان بھی دیتے ہی بنے گی — اس شوخ ستمگر کا تقاضا ہے قیامت
یاروں سے ترا محفلِ اغیار میں ظالم — ظاہر کا یہ اظہار مدارا ہے قیامت
کیا آگ ہوا ہے دلِ مہجور یہ سن کر — گلشن میں بہارِ گلِ حمرا ہے قیامت
دوران سے بھلا نیند کسے آئے گی حسرتؔ
پدریکا کانپور — دسمبر ۲۳ء
تنہائی میں رنج شبِ یلدا ہے قیامت

دل کی یہ کیا مجال کہ لائے خیالِ دوست — مجھ میں کہاں یہ حال کہ دیکھوں جمالِ دوست
بیجا ہے غور سے مری نسبت سوالِ دوست — سنتے ہیں دوست بھی کہیں دشمن ہے حالِ دوست
عاشق نے تھے پھر بھی کیا شکوۂ جفا — سچ پوچھئے تو ہم سے بجا ہے ملالِ دوست
پردے نظر پہ کثرتِ خوبی کے پڑ گئے — چاہا مگر نہ دیکھ سکے ہم جمالِ دوست
نعم البدل ہے عیش دو عالم کا رنجِ عشق — خالی ہے سب سے دل بہ وفورِ خیالِ دوست

مائل ہیں جس کی شانِ جفا کے بھی اہلِ شوق — یکتا ہے دلبری کے ہنر میں کمالِ دوست

کافی ہے اہلِ درد کو حسرتؔ دوائے غم
اور کیوں نہ ہو کہ غم ہے غمِ لادوالِ دوست

گلزارِ سخن پٹنہ — یکم دسمبر ۲۳ء

من لاگی پر یمک جوگ چاٹ — رنگ بھبھوت بسے برج گھاٹ

شام نگر کی بھیک بھلی ہے
کالر بے راج پاٹ
پھولن سیج بسار کے حسرتؔ
کری اوڑھ بچھاوت ٹاٹ

بربھا کانپور — ۲ نومبر ۲۳ء

ترکِ جفا کی ان سے تمنا نہ کر عبث — اے دل وفا کے نام کو رسوا نہ کر عبث

مے نوشیوں سے کار ہے بزمِ غیر میں — میرا لحاظ اے گلِ رعنا نہ کر عبث

یکتا ہے سادگی میں ترا حسنِ دلفریب — آرائشِ جبیں کا ارادہ نہ کر عبث

اے چشمِ شوق تجھ کو مذاقِ نظر کہاں — دیدارِ حسنِ یار کا دعوا نہ کر عبث

مرنے کو ہم خود آئے ہیں ہو جائیں گے نثار — دل لیکے جان کا بھی تقاضہ نہ کر عبث

زاہد کسے ہے عاقبتِ کار کی خبر — حسنِ عمل پہ دیکھ بھروسا نہ کر عبث

جوشِ جنونِ عشق دوائے سے دب چکا
حسرتؔ علاجِ خاطرِ شیدا نہ کر عبث

تمدن دہلی — ۱۱ فروری ۲۴ء

تم بن کون سنے مہراج — راکھو بانہہ گہے کی لاج

برج موہن جب سے من بسے
ہم بھولن سب کام کاج

نگار بھوپال — اکتوبر ۲۳ء

'کو راج' "سوراج" سب بھول کے حسرت — اب مانگت "پریم" راج

اہل دل ہیں فدائے نغمۂ روح — کہ بقائے فنائے نغمۂ روح
دل ہے مضطر برائے نغمۂ روح — چھیڑ مطرب نوائے نغمۂ روح
عرش پر ہے دمامۂ چنگ و سرود — اے زہے کبریائے نغمۂ روح
دل میں اپنے اتر گئی آخر — درد بن کر دوائے نغمۂ روح
غم کا آغاز تھا ترانۂ دل — موت ہے انتہائے نغمۂ روح
وہ تسکین عشق ہو نہ سکا! — شغل کوئی سوائے نغمۂ روح
کر مرے دل کی غنچگی کو بھی دور — اے گل جانفزائے نغمۂ روح
پردۂ ساز میں نہاں ہے ہنوز — شاہد دلربائے نغمۂ روح

کس قدر دل پذیر ہے حسرت
اثرِ دیرپائے نغمۂ روح

اسے شوق جنت نہ پروائے دوزخ — عجب حال ہے تیرے عاشق آدرخ
درازی سو سو برس کی ہے منزل — رہِ وصلِ جاناں کا ایک ایک فرسخ

پے قتل حسرت وہ آئے ہیں لیکن
نہ خنجر نہ ہے دست نازک میں تا بخ

"اودھ" اخبار لکھنؤ — ۶ فروری ۲۴ء

اے درد تو بہ پایۂ درماں رسیدہ باد — خار غمت بجانِ محباں خلیدہ باد
زنہار گر تو قطع کنم رشتۂ امید — گوید گرش بریدہ کسے گو بریدہ باد
باشد کے دل فریب شود دلفریب تر — رنگ رخش بہ عشقِ رقیباں پریدہ باد

تاچند پاسداری داماں و جیب و صبر | شادم کہ پارہ کردم و خواہم و خواہم
شوقِ بہ رخِ تو خوبتر از روے خوب تست | حسنِ رخت ندیدم و یارب ندیدہ باد
اے مایۂ حیات بہ بازار حسن و عشق | جنسِ غمت بجانِ عزیزاں خریدہ باد

رنج فراقِ یار کہ از یار می رسد
خوش میرسد، بہ حسرتِ حیراں رسیدہ باد

نگار بھوپال — اکتوبر ۲۳ء

نامۂ یار کو سمجھو تو ہے کیسا کاغذ | اور نہ سمجھو تو پھر اک وہ بھی ہے پرزہ کاغذ
لیکے اس شوخ کی رنگینیٔ تحریر سے حسن | بن گیا تختۂ جنت کا نمونہ کاغذ
دل اڑا لے گا ہزاروں کا ہوا میں اڑ کر | ہاتھ میں ہے جو ترے اے گل رعنا کاغذ
دم تحریر مری چشم تمنا بن کر | دیکھتا ہے تری صورت کا تماشا کاغذ
نامہ کیا آئے ترے بے سر و ساماں کا | نہ قلم جس کو میسر نہ مہیا کاغذ
روشنی بخش نظر پھر بھی ہے حالانکہ نہیں | انکے نامے کا مذہب نہ مطلا کاغذ

جس میں دو حرف کبھی اس نے لکھے تھے حسرتؔ
ہم نے سو بار وہ آنکھوں سے لگایا کاغذ

زمیندار لاہور — ۲۴ فروری ۲۳ء

کہہ دیا خوب! ہمکو پیار نہ کر | جبر اتنا بھی اختیار نہ کر
محفلِ غیر میں خدا کے لئے | تو مجھے یاد بار بار نہ کر
دیکھ اے احتیاط پائے جنوں | خاک سے ڈرا کے ہم کو خوار نہ کر
دشمنِ اہل اشتیاق نہ بن | حسنِ رخ کو نقاب دار نہ کر
وعدہ ہائے دروغ تسکین سے | اور بھی دل کو بے قرار نہ کر
باش اے خونفشانیٔ غمِ عشق | دامن جاں کو لالہ زار نہ کر

دیکھے اہلِ ہوس کو قولِ وصال — عشق باز دل کو شرمسار نہ کر
ہو غریبوں پہ بھی نگاہِ کرم — دیکھ اے چشمِ یار عار نہ کر
کم ہے اے دل وہ داغ دیں جتنے — شوق سے کھائے جا شمار نہ کر
سوزِ غم کو بھی سازِ عیش سمجھ — عشق سے فرقِ نور و نار نہ کر
دل اہلِ ہوس نشانہ نہ ہو — کون کہتا ہے تو شکار نہ کر
بیخودی شوق کی ہے خوب اے دل — رنج افزائشِ خمار نہ کر

شرم دعوائے عشق رکھ حسرتؔ
فکرِ غمہائے روزگار نہ کر

ہزار داستان لاہور — جون ۳۳ء

برہ کی رین کٹے نہ پہاڑ — سونی نگریا پڑی ہے اجاڑ
نندلال شیام پردیس سدھارے
ہم دکھیارن چھوڑ چھپاڑ
کاہے نہ حسرتؔ سب سکھ تجت — تج بیٹھیں گھر بار کواڑ

پربھا کانپور — ۴ نومبر ۳۳ء

امید انتظار سے ہرگز نہ آئے باز — ہم شوقِ لطفِ یار سے ہرگز نہ آئے باز
جورِ غرورِ حسن پہ بھی اہلِ آرزو — اظہارِ انکسار سے ہرگز نہ آئے باز
ہم تھے وہ بے اصول کہ یادِ صفِ ہجرِ یار — گلچینیٔ بہار سے ہرگز نہ آئے باز
میخواریاں نہ چھوٹ سکیں رند بادہ نوش — اندیشۂ خمار سے ہرگز نہ آئے باز
کیوں کر نہ سر گراں ہو ترا لطف بے حساب — داغوں کے ہم شمار سے ہرگز نہ آئے باز
ہمکو بھی اس سے کام نہیں کچھ یونہی سہی — دل خواہشِ قرار سے ہرگز نہ آئے باز
ہم باز آئے عشقِ بتاں سے مگر کہاں — خواہش کے اعتبار سے ہرگز نہ آئے باز

ہم نے گناہِ شوق میں مطلق کمی نہ کی! / وہ جورِ لطف کاری سے ہرگز نہ آئے باز

مجبورِ آرزو تھے جو حسرت ہوئے کبھی

دیدار لاہور — ۲۵ دسمبر ۲۳ء

شوقِ لقائے یار سے ہرگز نہ آئے باز

عشق اب ہے نہ عاشقی کی ہوس / ہم ہیں اور دل سے بیدلی کی ہوس

غنچۂ شوق ہے فسردہ ہوس / مٹ چکی سب شگفتگی کی ہوس

رہ نہ جائے ترے تغافل سے / کہیں جی ہی میں اپنے جی کی ہوس

عشق ہر چند رامِ حسن رہا / پر نہ چھوٹی برابری کی ہوس

ہم بھی حاضر ہیں بندگی کے لئے / آپ کو ہو جو صاحبی کی ہوس

مائلِ شکوۂ جفا ہے وفا / یا یہ نیکی کو ہے بدی کی ہوس

لے گئی دل سے خوفِ رنجِ خمار / زندگی بادہ نوشی کی ہوس

ہم کو ان کو درشت خوئی سے / ہے عبث لطف و آشتی کی ہوس

کیوں نہ ہو دلبروں کو شوقِ ستم / اہلِ دل کو ہے بے کسی کی ہوس

بیخودی ہائے عاشقاں کو نہیں / عاقلیہائے آگہی کی ہوس

عشقِ حسرت کو ہے غزل کے سوا

خلافت بمبئی — ۱۵ دسمبر ۲۳ء

نہ قصیدے نہ مثنوی کی ہوس

جان ہے اپنی آب و گل کی خلش / مٹ چکی دل سے درد دل کی خلش

مدتیں ترکِ عاشقی کو ہوئیں / اُف، کہ یادِ دل نہ زخمِ دل کی خلش

گاہ گاہ اب بھی ہوتی ہے محسوس / مگر اک شوقِ مشتعل کی خلش

دل سے محروم ہو کے بھی نہ مٹی / آرزو ہائے منفعل کی خلش

نہ رہا دل میں تھا جو کچھ حسرت
مگر اک درد مضمحل کی خلش

مسلم دہلی — ۱۱ دسمبر ۴۳ء

نہ ہوئے آپ آشنائے خلوص — نہ سنی میری التجائے خلوص
ہم ہیں بیمار کبر و عجب و ریا — کیوں نہ درکار ہو دوائے خلوص
طے کر لئے دل بزور علم و عمل — راہِ بیم و رجا بپائے خلوص
زہے حیران کارِ عشق ہوا — ہمیں پاکر نہ کچھ سوائے خلوص
بڑھ چلی ان کی بے رخی گویا — تھی سزائے ہوس جزائے خلوص
تم دعا کو بھی التجا سمجھے — تھی وہ حالانکہ اک صدائے خلوص
زہد و تقویٰ ریاضت و ذلت — بن گئے جبکہ دست و پائے خلوص
نفس و شیطاں و خلقت و دنیا (ق) — سب پہ غالب ہوئی دعائے خلوص
دل کا تقویٰ ہے خیر خواہیِ خلق — ہو بشرطیکہ یہ بنائے خلوص
فکر رزق و مصائب تقدیر — عارضِ حال تھے بجائے خلوص
سو بہ صبر و توکل و تفویض (ق) — بن گئے شیوۂ رضائے خلوص
توبہ و علم و حمد و شکر ہیں باب — شہر ہے شہر پر قضائے خلوص
ذکر و فکر و ریاض و صوم و صلوٰۃ — سارے جھگڑے ہیں اک برائے خلوص
اور حقیقت میں ان سب کے سوا — عشق ہے اصل مدعائے خلوص

ان کو اب یہ ضد ہے کہ حسرت بھی
شوق ظاہر کرے بجائے خلوص

دلربائی تھی آشتی سے غرض — اب انہیں کیا بھلا کسی سے غرض

ہم سے رندوں کی ہو چکی پوری ساقیا لطف یک شبی سے غرض
بیٹھے ہیں ان پہ سب نثار کیے دل سے کچھ کام ہے نہ جی سے غرض
ہم کو ان سے نہ دل کا ہے دعوےٰ نہ گواہی نہ شاہدی سے غرض
کچھ نہیں اور عاجزی کے سوا ہم کو اظہار عاجزی سے غرض
ان کی تحریرِ خام بھی ہے عزیز کہ نہیں ہم کو خوشخطی سے غرض
کچھ نہیں جانتے جفا و وفا جن کو ہے آپ کی خوشی سے غرض
حنفی ہیں، نہ مالکی، نہ ہمیں حنبلی سے نہ شافعی سے غرض
ہم کہ خالص ہیں پیروِ اسلام اور رکھتے نہیں کسی سے غرض
نسبتِ حسنِ یار کا ہے لحاظ ورنہ کیا ہم کو عاشقی سے غرض
کچھ نہیں میرے حالِ زار کا پاس آپ کو اپنی دلگی سے غرض
جن کی ہے حسن دائمی پہ نظر کیا انہیں عشق عارضی سے غرض
دل کو اک ترک عشق پر بھی رہی حسن کی خواہش نفی سے غرض
ہو کے حیرانِ کارِ عشق ہمیں دل سے ہے اب نہ بیدلی سے غرض
حال ابتر ہے عاشقوں کا تو ہو زلف جاناں کو برہمی سے غرض
اب ہے اس بندۂ تغافل کو دوستی سے نہ دشمنی سے غرض
ہجو دانِ خدا انہیں رکھتے سرو سامانِ آگہی سے غرض
رکھتے ہیں عاشقانِ حسنِ سخن لکھنوی سے نہ دہلوی سے غرض

پاس خاطر ہے حسنِ خوباں کا
ورنہ حسرت کو شاعری سے غرض

"زمانہ" کانپور

فروری ۲۴ء

الفت نہ مودت نہ مروت کے شرائط | پورے ہوئے کون ان سے محبت کے شرائط
اب دیر نہیں کچھ تری تشہیر میں کہ واعظ | موجود ہیں سب کشف و کرامت کے شرائط
تہذیب نظر سے، ترے دیدار کے طالب | پورے تو کریں پہلے زیارت کے شرائط
محفل میں تری جذب محبت سے بھی دل نے | طے کر لئے پہلے سے وکالت کے شرائط

رکھتے ہیں عبث چشم ولا ہم سے وہ حسرت
درویش دہلی — ۲ فروری ۴۴ء
نابود ہوئے جن سے خلافت کے شرائط

کیا ہے اگر مراعات کرے تو حسین لحاظ | کرتا ہے عاشقوں کا کوئی بھی کہیں لحاظ
رکھنی تھی اپنے چاہنے والوں کی بھی خبر | اس کا مگر تمہیں تو ذرا بھی نہیں لحاظ
ہر حال میں ترے جو رہے ہوں نیاز مند | ایسوں کا تو ضرور ہے اے نازنیں لحاظ
ان سے جفائے یار کا شکوہ نہ ہو سکا | عہد وفا کا تھا جو دم واپسیں لحاظ

حسرت مرے سرشک محبت کی قدر کا
حور کلکتہ — فروری ۴۴ء
رکھنے لگی ہے خوب مری آستیں لحاظ

ظلمتیں دل کی نہ ہوں کیوں مرفوع | کہ ہوا بدر عشق یار طلوع
مذہب عشق ماہرویاں کے | دل کو سب یاد ہیں اصول فروع
تو جو ساقی ہے تو شغل شراب | محتسب بھی کہے کہ ہے مشروع
عیش جاں بھی ہے حسن پر دل سے نثار | کس قدر درد عشق ہے مطبوع

خاکساران عاشقی حسرت
معیار الحق ۵ مارچ ۴۴ء — فروری ۴۴ء
کچھ نہیں جانتے بجز درکوع

آئینہ دیکھئے کہ سب آئے نظر دکوع | "بمثل ہم ہیں" قول ہے یہ سربسر دروغ

ہم ان پہ مر کے زندۂ جاوید نہ ہو جائیں | ٹھہرے کہیں نہ حکمِ قضا و قدر دروغ

دلداریوں کے واسطے کب ہے یہ دلبری | اتنا تو ہم سے بول نہ اے فتنہ گر دروغ

تسکین غم کی اور تو کیا دل کو ہو امید | ٹھہرا جفائے یار کا ٹھہرے مگر دروغ

حسرت یہ ہجرِ یار نے کیا حال کر لیا

دعوائے صبر آپ کا تھا کس قدر دروغ

گلزارِ سخن پوتا — فروری ۲۴ء

اللہ رے نازِ احباب کاشف | دیوانہ ہے جس پہ روحِ عارف

عاشق وہ کہاں جو غیبِ حق سے | ہم نے سنے تو ہیں یا ہاتف

منظورِ الٰہی جو ہو تو غم بھی | ہے دل کو سرور کا مرادف

معلوم ہیں شکایاتِ غم کو | سب دل کے مداخل و مصارف

درکار ہے جائے نسبتِ شوق | زاہد کو وسیلۂ وظائف

برہم ہیں وہ آج دیکھنا ہے | گرتی ہے کدھر یہ برقِ خاطف

طالب ہے وصال کا تو حسرت

رکھ وردِ عوارف المعارف

نظام المشائخ دہلی — فروری ۲۴ء

پڑھیے اس کے سوا نہ کوئی سبق | خدمتِ خلق و عشقِ حضرتِ حق

گفتگو سب ہے جز حکایتِ شوق | محض بیکار زق زق و بق بق

ترکِ غم پر بھی دردِ دل کا رہا | سالہا سال آرزو کو قلق

ہو گئے نورِ عشق سے روشن | دل پہ ارض و سما کے جملہ طبق

نگہِ شوق میں سما نہ سکا | جلوۂ حسن بسکہ تھا مطلق

مٹ گئے دل سے عاشقی کے نقوش — رہ گیا سادہ زندگی کا ورق

کیا ہوئے اب وہ مشغلے غم کے — دل مضطر کی تھی جن سے رونق

شعر حسرت نے سارے کھولدیے

"شوکت" علیگ ۔ ۲۷ جنوری ۴۴ء

عشق بازی کے عقدہائے ادق

احباب نہ آئے کوئی پیغام اجل تک — مجبور تھے کیا کیا ترے مہجور بھی کل تک

پایا نہ کسی نے ترے وحشی کا ٹھکانا — سب ڈھونڈ پھرے بحر و بر و دشت و جبل تک

عاشق ہوں تو زاہد کے جھگڑوں سے رہائی — سب ہیں یہ بکھیڑے ہوس علم و عمل تک

خالی نہ ہمیں غم سے ملا ایک بھی لحظہ — ہے شام ابد دیکھ چکے صبح اجل تک

داعی ہے محبت کا تری زاہد بھی جسکو — معلوم نہیں شکر و شکایت کا محل تک

اب کچھ نہیں مطلوب قناعت کی بدولت — ہے حاصلی حرص رہی طول دمل تک

ہم جامی و حافظ کے بھی قائل ہیں پہ حسرت

"شوکت" علیگ ۔ ۱۰ جنوری ۴۴ء

خوبی میں نہ پہنچا کوئی سعدی کی غزل تک

منموہن شیام سے نین لاگ — نسدن سلگ رہی تن آگ

برہا کی رین تپت اندھیاری

"پربھا" کانپور ۔ نومبر ۲۳ء

رووت دھووت کٹت جاگ جاگ

پریم کا روگ لگائے کے حسرت — راگ رنگ سب دین تیاگ

مدت سے چھپ کرت نندلال — سنے کھارے ابیر گلال

مراسی کرشن

ڈھینڈھ بھی جنت کی برجوری

"ورتمان" کانپور ۲۷ر اکتوبر ۱۹۲۳ء

اور ان پہ رنگ ڈال ڈال

ہم ہوں جو دیئے لپٹا کے حسرتؔ
ساری یہ چھل بل نکال

رنج راحت ہے سکونِ غمِ ہجراں کی قسم
یادِ جاناں کی قسم جلوۂ جاناں کی قسم

تجھ کو مخمور جو دیکھا ہے تو اے پیکرِ ناز
مست ہم بھی ہیں تری مستیٔ لرزاں کی قسم

شوق سے جور کئے جائیں وہ، اربابِ وفا
خوش بہر حال ہیں عیشِ غمِ پنہاں کی قسم

کافرِ عشق ہیں، نظارۂ خوباں میں ہمیں
سیرِ جنت ہے، ہوس کاریٔ ایماں کی قسم

کیا تھے ہم، ہو گئے اک ساغرِ مے سے کیا ہم
جادوِ گردشِ پیمانۂ گرداں کی قسم

پیکرِ خاکیٔ عشاق بھی ہے سوزِ حال
سر بسر نور، ترے حسنِ درخشاں کی قسم

حسرتؔ اب کیوں ہیں وہ پردے میں کہ مانند وفا[1]
ہم نہ دیکھیں گے، ہمیں دیدۂ حیراں کی قسم

مانوس ہو چکے تھے ازل میں فنا سے ہم
اس انتہا کو جانتے ہیں ابتدا سے ہم

گویا وہ سب سنا ہی تو دیگی وہاں کا حال
کیا کیا سوال کرتے ہیں بادِ صبا سے ہم

دنیا کی نامرادی پہ ہم کے عذر پر
محشر میں تم کو مانگ نہ لینگے خدا سے ہم

بن کر گدائے عشق گدا گئے تیرے
سلطان ہو گئے یار کی دولت سرا سے ہم

غرضِ کرم سے پہلے ہی تا بوے نہ روز پہلے
شرمندہ ہوں کہیں نہ تری التجا سے ہم

اس انجمن کے شوق میں جی کا زیاں سہی
اک بار ان کو دیکھ تو لیں، گئے بلا سے ہم

---

[1] مرحوم حکیم عبدالہادی خاں رامپوری وفا تخلص

کیا کیا ہوس کو آتی ہے خوشبوئے آرزو　　آنکھیں جب اپنی ملتے ہیں انکی روائے ہم

حسرت میاں بھی جن کی ہیں عنوان التجا　　کہتے ہیں وہ کہ ڈرتے ہیں اب اُن وفا سے ہم

حسرت خیال غیرت بیگانہ ہو گئے

اننا کارنگ عشور　　اکتوبر ۱۳ء

مانوس ہو گئے اس نگہ آشنا سے ہم

نغمہ و مے کا حکم عام نہیں　　عاشقوں پر یہ کچھ حرام نہیں

ظرف رنداں کی آزمائش ہے　　بزم ساقی میں دور جام نہیں

فتنۂ عشوہ گفتگو سے تری　　خشر ناز ہے خرام نہیں

جلوہ فرما وہ اب ہوئے بھی تو کیا　　کوئی مشتاق زیر بام نہیں

کبھی اقرار ہے کبھی انکار　　کچھ تری بات کا قیام نہیں

ہم بھی رکھتے ہیں کس سے چشم کرم　　رحم کا اسکے دل میں نام نہیں

کاٹ دی اس نے سب کی قید حیات　　ایک نخچیر زیر دام نہیں

کر دیا تم نے پختہ کار ستم　　اب کوئی شوق دل میں خام نہیں

سخت عاصی ہے شاد خاطر زہد　　کہ ترے کشتۂ غم کی رام نہیں

دل کے جام زہر دیں کیسے　　کیا نئے شوق الار فام نہیں

عید میں بھی شراب سے انکار

"زمانہ"　　دسمبر ۱۳ء

کچھ یہ حسرت مہ صیام نہیں

خیال غیر کو دل سے مٹا دو یا رسول اللہ　　خرد کو اپنا دیوانہ بنا دو یا رسول اللہ

تجلی طور پر جس نور کی دیکھی تھی موسیٰ نے　　ہمیں بھی اک جھلک اسکی دکھا دو یا رسول اللہ

علیؓ آگاہ جس سے ہو گئے باب علم کہلائے　　وہ راز عشق ہم کو بھی بتا دو یا رسول اللہ

حسینؓ ابنِ علیؓ کے صبر نے جسکے گڑ توڑے | اس میں بھی اس کا حوصلا دو یا رسول اللہ
تمنا ہے محبت کو لقائے غوث الاعظم کی | اسے بغداد کا رستہ دکھا دو یا رسول اللہ
گرفتارانِ باطل ہیں طلب ہے حق نمائی کی | ہمیں عبدالصمدؒ سا رہنما دو یا رسول اللہ

غرض حسرتؔ کو نہ بابِ عبدالرزاقؒ آئین دوائی ہے
لا کر مرتبہ انوار کا دو یا رسول اللہ

"ہمارہ" لکھنؤ ۲۴ر دسمبر ۳۴ء

دشمن شیوۂ وفا شدہ | ایں چہا کردہ تیرا شدہ
کشتم سہل گیر و عذر مخواہ | کہ سزا وار مرحبا شدہ
شوق مخمور خواب دت کہ چنیں | شدہ بے حجاب تا شدہ
عشق اے شاہدِ عزیزِ مراد | کہ بظاہر بے جفا شدہ
بہر بیماری ہوس بہ نہاں (ق) | چارہ دردِ لا دوا شدہ
زہدِ ما ز راہِ دور و دراز | بہ در قریب رہنما شدہ

عاشقی پیشہ کردہ حسرتؔ
شاہ در کسوتِ گدا شدہ

عاشقوں سے ناروا ہے بیوفائی آپ کی | حد سے بڑھ جائے نہ شانِ کج ادائی آپکی

لہ حضرت سید عبدالصمد خدانما احمدی کے مرشدی حضرت شاہ عبدالوہاب لکھنوی فرنگی محل سے حضرت شاہ عبدالرزاق لکھنوی فرنگی محل ۔ حضرت سید عبدالرزاق بانسویؒ سے حضرت شاہ عبدالوالی لکھنوی فرنگی محل ۔ حضرت مولانا انوار لکھنوی فرنگی محلی جن کا باغ مولانا انوار لکھنؤ محلہ دکاب گنج میں مشہور ہے ۔

آرزو سے دل پہ آئیں گی نہ کیا کیا آفتیں
در پے انکار ہے نا آشنائی آپ کی

خوب رو ہیں آپ، مانا ہم نے، پھر بھی اسقدر
دیکھئے اچھی نہیں یہ خود ستائی آپ کی

رہ گئی اہل ہوس میں یادگارِ حسن و عشق
ناز برداری ہماری دلربائی آپ کی

مجھ سے اکثر یہ کہا کرتا ہے وہ مخمورِ ناز
دیکھئے منتہی ہے کب تک پارسائی آپ کی

اک ہمی تو کچھ نہیں ہیں آپکے طاعت گزار
تابع فرماں ہوئی ساری خدائی آپ کی

کیسے دیکھئے کون دیکھے آپ کا نورِ جمال
جان جب کھینچی ہوئی ہو رونمائی آپ کی

آپ کو آتا رہا میرے ستانے کا خیال
صلح سے اچھی رہی مجھ کو لڑائی آپ کی

برق کا اکثر یہ کہنا یاد آتا ہے مجھے
تنگ آ کے فرمانے لگی ہم سے جدائی آپ کی

عرض کرکے حالِ دل کس درجہ ہیں محجوب ہم
دیکھ کر غصے میں صورت تمتمائی آپ کی

شاہ جیلاںؒ کے سوا مشکل کشا کے واسطے
کون کرتا اور حسرت رہنمائی آپ کی

ہمایوں لاہور ۲ فروری ۱۹۴۴ء

کس قدر دشوار تھی ہم پہ جدائی آپ کی
بارے پھر اللہ نے صورت دکھائی آپ کی

بدگماں کا ہے کو ہوتا ہے آپ کا حسنِ غیور
ہم نے کیوں تصویر آنکھوں سے لگائی آپ کی

تے لوازِ عاشقی نے نغمہائے حسن میں
بارہا آنے نہ پاتو کو ستائی آپ کی

شکوۂ غم کر کے نادم ہے بہت پاس وفا
یعنی ہم نے کس لئے غلطی بتائی آپ کی

فرق اور فرقِ زمین و آسماں آیا نظر
شکل جب تصویرِ یوسف سے ملائی آپ کی

بھول بیٹھے تھے الٰہی کیا کریں اس دکھ کو ہم
ہجر میں پھر یاد جس دل نے دلائی آپ کی

مجھکو جو آئی ہے وہ لائی ہے خوشبو ئے حسن
ورنہ پوشش عطر میں کس نے بسائی آپ کی

ربط جب دیکھا کہ غیروں سے بڑھایا آپنے
رفتہ رفتہ ہم نے بھی چاہت گھٹائی آپ کی

آپ بھولے آپکی صورت بھی بھولی اک مگر
دل سے کب تصویرِ غم ہم نے ہٹائی آپکی

دل کہ مالا مالِ غم تھا، کتنی بیدردی کیساتھ
ہم نے رو رو کر وہ دولت لٹائی آپ کی

جس سے حسرت ہو گئی زیر و زبر بزمِ سماع
کس قیامت کی غزل مطرب نے گائی آپکی

شوق پر اب تک نہیں ثابت رکھائی آپکی
کس قدر ہشیار ہے بے اعتنائی آپکی

آپکے عاشق تھے ہم حوروں پہ کیا کرتے نظر
اہل جنت سے قسم آنکھوں نے کھائی آپکی

شوق کو مجبور ہو کر چھیڑ دینا ہی پڑا
جب کلائی ناز کی سے تھرتھرائی آپکی

آپکو اس کی خبر کیا، آپ تھے مصروفِ خواب
رات بھر زنجیرِ در کس نے ہلائی آپ کی

آپ کے وعدے کی شب کھا کر فریبِ آرزو
سیج کس کس شوق سے ہم نے سجائی آپکی

رشک سے مٹ مٹ گئے ہم دیکھ کر گرمِ نظر
غیر نے محفل میں جب انگلی دبائی آپکی

کشتیِ امید میں چلنے لگی بادِ مراد
یا سواری میرے دروازے پہ آئی آپ کی

سادگی ظاہر کی تھی یا باطن ہی تھی ہوشیار
بھید کی بات آج تک ہم نے نہ پائی آپکی

قتل کر کے ہمکو کہتے ہیں وہ کس کس سے ناز
یہ تو ہم نے صرف چاہت آزمائی آپ کی

کس قدر ہمدردِ غم ہے لوٹ کر بادِ شمال
جب دکن سے آئی بوئے حسن لائی آپکی

حسرتِ اس کوچے کا پھیرا روز روز اچھا نہیں
رنگ لائے گی کسی دن یہ گدائی آپ کی

نگار، جولائی — فروری ۴۲ء

نمائش کرتی ہیں رنگینیاں کب اپنے مضموں سے
عبارت ہے یہ اس جانِ جہاں کے عشق موزوں سے

اثر دیکھے تو کوئی حسن لیلائے تصور کا
قیافہ شوق کا ملنے لگا تصویرِ مجنوں سے

کہاں اس دل کو یارا جو آتش درماں کیا ہے
بنایا جسکو دیوانہ محبت کے وہ افسوں سے

بلا رے کثرتِ عشاق سے ناحق ہے بیزاری — شکایت کیجیے اپنے جمالِ روز افزوں سے
غرور اپنا نہیں بیجا کہ نسبت ہے برابر کی — تمہاری زلفِ ابتر کو ہمارے بختِ واژوں سے
نمایاں ہیں تمامی سرِ خیالِ حسن و محبت کی — ہماری چشمِ پر خوں سے ترے لبہائے میگوں سے

چمن میں جوشِ گُل کی کھینچ گئی تصویر جب حسرت
ملی ساغر کی سبزی سرخیِ صہبائے گلگوں سے

عقدہ وصالِ یار کا حل ہو تو جانیے — خوف و خلوص علم و عمل ہو تو جانیے
گھبرا کے روح کہتی ہے روزِ فراقِ یار — اس نامراد آج کی کل ہو تو جانیے
تمکین و قہرِ یار میں مشکل ہے امتیاز — غصے سے ابروؤں پہ جو بل ہو تو جانیے
رہتی یوں تو غیر سے روز ان کی چھیڑ چھاڑ — کچھ واقعی بھی ردّ و بدل ہو تو جانیے
تاریکیِ فراق بہ تدبیرِ خیالِ یار — شامِ ابد سے صبحِ ازل ہو تو جانیے
کیونکر کھلے ہوئے ہیں وہ کس بات پر خفا — کچھ بھی جو بے رخی کا محل ہو تو جانیے

حسرت یہ رنجِ ہجر یہ قید اور یہ جورِ غیر
اس کشمکش میں آج غزل ہو تو جانیے

مشاعرہ بدایوں — نومبر ۲۳ء

من تو سے پریت لگائی کنھائی — کاہو اور کی سرت اب کاہے کو آئی
گوکل ڈھونڈھ بندرابن ڈھونڈھو — برسانے لگ گھوم کے آئی
تن من دھن سب وار کے حسرت — متھرا نگر چل دھونی رمائی

زمانہ کانپور — اکتوبر ۲۳ء

مخمس ہندی اردو فارسی عربی

کا سانجھ سکار کی بات کہی — کچھ فکر نہ شام و سحر کی رہی

دل گفت مرا زیں جملہ تہی ! الصبحُ بدا من طلعتہٖ
واللیل دجیٰ من وفرتہٖ

اور ان سے ہوئی نہ یہ ہوئے کبھو کچھ فرق نہیں اس میں سرمو
نزا جانتِ اویہ ارادت او سعت الشجر و نطق الحجرُ
شقّ القمر و باشارتہٖ

کہاں کہہ کے بلائے کون گوا کچھ بھی نہ کھلا حسرت بخدا
در پردہ چہ شد بہ شبِ اسرا فاق الرسلا فضلاً و علا
فالعز لنا باجابتہٖ

شوکت بمبئی ۱۳/ اپریل ۱۹۴۲ء

دیوان حسرت

موہانی

حصہ نہم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو بمقام یرودا جیل تکمیل حصہ ہشتم کے بعد آخر سنہ ۱۹۲۳ء تک لکھی گئیں۔

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ان میں دیکھا جو ماجرا دیکھا — کیا بتائیں کسی سے کیا دیکھا
ہم نے غیرت کو بھی کرم سے ترے — بارہا محوِ التجا دیکھا
حال میرا خراب ہے کہ نہیں ! — آج تو آپ نے بھی آ دیکھا
سا کوئی دنیائے حسن میں اے شوق — تو نے ان سا بھی دلربا دیکھا
اہلِ علم آئے سب غیر نظر — اک تمھیں صورتِ آشنا دیکھا
نہ بچا اس نگاہِ ناز سے دل — ہم نے سو سو طرح چھپا دیکھا
بزمِ ساقی میں جوشِ مے کا مزا — آج رندوں نے خوب اٹھا دیکھا
تو کسی کا نہیں تجھے ہم نے — خوب اے شوخ بے وفا دیکھا

تم جانا انہیں سو کیوں حسرت
عشق کو حسن سے جدا دیکھا

عالمگیر لاہور — اپریل ۱۲۳

ہر گھڑی ورد لب شوق ہے افسانہ ترا
بیخبر تیرے، سوا سب سے ہے دیوانہ ترا

مستیٔ حسن کو درکار ہے، دیدۂ عشق
دل کہ بر سینے شوق ہے چیانہ ترا

کتنے دل ہیں ترے قابو میں نہ ہے شانِ جمال
جا ہے کلمہ جو پڑھے شوکت شاہانہ ترا

حسنِ جاناں سے یہ کہتا ہے مرا شہرۂ عشق
دور پہنچا ہے مرے نام سے افسانہ ترا

بے خرد ہو کے محبت کی بدولت اے عقل
نام بھی اب نہیں لینا دلِ فرزانہ ترا

پایۂ عرش کو از خود نہیں جنبش اے دل
دیکھ پہنچا ہے کہاں نعرۂ مستانہ ترا

فکر کونین سے بیگانہ ہوا تو حسرت
خوب ٹھہرا غم جانانہ سے یارانہ ترا

ترے حسن کا دور دورہ رہے گا
نہ میرا یہ جوشِ تمنا رہے گا

مگر سالہا سال بعدِ فنا بھی
زمانے میں دو دلوں کا چرچا رہے گا

نہ سرمایہ داروں کی نخوت رہیگی
نہ حکام کا جور بے جا رہے گا

زمانہ وہ جلد آنیوالا ہے جس میں (ق)
کسی کا نہ محنت پہ دعویٰ رہے گا

یہ سب لیکے مال و دل و جان و ایماں
ترا پھر بھی ہم پہ تقاضا رہے گا

مرے شوق کا ہے جو مضطر ابھی سے
بھلا وصل میں کیا ٹھکانا رہے گا

دل زار اب اپنے پہلو میں ہرگز
نہ ٹھہرا رہے گا نہ دابا رہے گا

جو مٹ جائے گا ہو کے خاک اس گلی میں
وہ اچھا رہا ہے وہ اچھا رہیگا

اسے کیا ہو پروائے محشر جو تیرا
بدستور محوِ تماشا رہے گا

وہ حسن و محبت میں یکساں ہے کامل
وہ دونوں کی آنکھوں کا تارا رہے گا

ترے عشق میں دعویٔ صبر حسرت
ابھی تک بھلا کیا رہا کیا رہے گا

"صوفی" پنجاب
فروری ۲۳ء

کوچہ اس فتنۂ دوراں کا دکھا کر چھوڑا — دل نے آخر ہمیں دیوانہ بنا کر چھوڑا

پردہ ہم سے وہ جو کرتے تھے نہ کرنے پائے — شوق بیباک نے اس کو بھی اٹھا کر چھوڑا

بزم اغیار میں با ہر چند وہ بیگانہ رہے — ہاتھ آہستہ مرا پھر بھی دبا کر چھوڑا

تجھ سے ملنے پہ کسی کی ہمیں پروا نہ رہی — سب کو دنیا میں تری یاد بھلا کر چھوڑا

ان کے آنے کی خبر سن کے تمنا نے مری — دل میں شوق کا طوفان بپا کر چھوڑا

لطف ماضی کی جو کچھ یاد تھی باقی دل میں — اس کو بھی تیرے تغافل نے مٹا کر چھوڑا

تجھ کو معلوم ہے پیمانہ مے میں ساقی — تو نے جو کچھ کہ مری آنکھ بچا کر چھوڑا

دامنِ حسن ترا خونِ شہادت سے مرے — عطر خوشبوئے محبت میں بسا کر چھوڑا

مرگ حسرت کا بہت رنج کیا آخر کار
اثرِ عشق نے ان کو بھی رلا کر چھوڑا

"ہزار داستان" لاہور — مارچ ۲۴ء

مستزاد ہندی دو قافیتین

کاہے کبھی نہیں چین بتواری بنا — روئے کٹے ساری رین مراری بنا

کوؤ جتن جیا دھیرک نہ دھارے

نیند نہ آوے نین گردھاری بنا

دیکھ سکھی کوؤ چاہت ناہیں — اس حسرت ہی گئیں بہاری بنا

انکی محفل میں پا کے جام شراب — کام اپنا ہوا بنام شراب

ہو رہے ہیں مرے لئے کیا کیا — بزم ساقی میں اہتمام شراب

میکدے سے گیا نہ کوئی بیہوش — اے خوشا حسنِ انتظامِ شراب
محتسب سے بھی فصلِ گل میں لیا — ہم نے لڑ بھڑ کے اذنِ عامِ شراب
بڑھ گئی سبزیِ چمن میں کچھ اور — رونقِ حسنِ لالہ فامِ شراب
روک دیں گے عبادتِ شبِ شیخ — رندیوں لیں گے انتقامِ شراب
خوب غفلت میں ہو رہے ہیں بسر — دن صبحِ طعام و شامِ شراب
دین و دنیا کو بھول بھال کے ہم — ہو گئے فائز المرامِ شراب

میکدوں سے پہنچ گئے حسرت
خانقاہوں میں بھی پیامِ شراب

"اودھ اخبار" لکھنؤ — ۲۴؍ فروری ۲۴ء

خودبینیِ تو بسکہ بہ تمکیں برابر است — فریادِ من بہ شکوۂ رنگیں برابر است
آئندہ وعدہ ہائے وصالِ تو شوق را — در تازگی بہ لطفِ تحسیں برابر است
کفر گرت خوش آید از ایمان شدم نفور — پیشِ من ارمغانِ دل و دیں برابر است
اظہارِ امتنانِ تو بر ترکِ عشقِ من — در پردہ با نہایتِ تفریں برابر است
پائینِ بزمِ عیشِ تو ام، گوشۂ بہ خاک — با صد ہزار بستر و بالیں برابر است
تاریکِ بختِ من کہ مرا ناز با بر دوست — با گیسوئے سیاہ خودت ہیں برابر است

حسرت برائے بلبلِ ناکام در چمن
شکرِ بہار و شکوۂ گلچیں برابر است

مشرق گورکھپور — ۲۳؍ فروری ۲۴ء

دل از صدمۂ ہجر پرخوں نماید — سرشکِ غم از طرفہ گلگوں نماید
بچشمِ تمنا ایم آں شوخ رعنا — نماید بہ حسنِ دگر چوں نماید
بہ بزمِ تو ہر دو ساغر بہ رنداں — بہ تاثیرِ یک دو دگرگوں نماید

عجب چیست گر مثل خود حسنِ زرت — مرا شوق ہم روز افزوں نماید
کلامت کہ سرتا سر اعجاز باشد — بہ اہلِ ہوس نیز افسوں نماید
جمالے کہ از عشقِ تو دام گیرد — سخن صرفِ تزیینِ مضموں نماید
زہے حسن و تصویرِ خویش کہ حسرت
ہمایوں لاہور — مارچ ۲۴ء
زلیلیٰ رباید بہ مجنوں نماید

بیانِ لطف و عہدِ وفا را نگاہدار — جاں ہا کہ رامِ تست خدا را نگاہدار
پنہاں بگوے حدِّ محبت باطل شوق — غمازی نسیم و صبا را نگاہدار
اظہارِ لطف تو بہ ہوس پیشگاں خوش است — حسرت پسندی دلِ ما را نگاہدار
از آہِ بیقرارِ دلِ آرزوگاں بترس — تاثیرِ اضطرابِ دعا را نگاہدار
در خوردِ سرزنش بتو جرمِ عاشقی — عذرِ وفا پذیر و سزا را نگاہدار
در پیش تست مرحلۂ خونِ عاشقاں — شمشیرِ ناز و تیغِ ادا را نگاہدار
چوں بندۂ غمِ تو بہر حال خوش دل است — از دردِ او مپرس دوا را نگاہدار
دشنامِ نازِ خویش با غیار صرف ساز — تکریمِ اہلِ صدق و صفا را نگاہدار
زنہار اگر ز حسن بخواہی مرادِ عشق
سلطان الاخبار — ۱۹ مئی ۲۴ء
حسرت اصولِ فقر و فنا را نگاہدار

میہمان اور میہمان عزیز — کون رکھے گا تم سے جان عزیز
دل ہے مانوسِ درد، ہے گویا — قیدیوں کو نگاہباں عزیز
عاشقوں کی خبر اب حالی کو — رکھ نہ ظالم خدا کو مان عزیز
ہم بھی گردیدۂ شہادت ہیں — آپ کو ہے جو امتحان عزیز

نہ کے انسے درد لطافت نہیت کہاں　　جان کے ساتھ ہے جان عزیز

اک میں اپنے سے ہیں بیزار　　ورنہ کس کو نہ ہو گی جان عزیز

کس قدر گوش یار کو حسرت

ہے تسے غم کی داستان عزیز

مشرق گورکھپور

اار مارچ ۴۴ء

دشمن ہر عاقل و فرزانہ باش　　اے دل اندر عاشقی دیوانہ باش

ہم نشیں، یا زم حدیث لطفِ یار　　گو مے و بر تجہ از آں افسانہ باش

دردِ عشق اے مہمانِ جانِ من　　باغ و وجہ رونق ایں خانہ باش

التفات از من مجو در بزم غیر　　بیرخی ورزو تو ہم بیگانہ باش

ساقیا جامے بہ حسرت نیز ہم

کامرانِ شیشہ و پیمانہ باش

الاسلام لاہور

مارچ ۴۴ء

جیتے ہیں درد محبت کے سہارے عاشق　　عاشق عشق بھی ہیں حسن کے مارے عاشق

آ گئی کس کے جمالِ عرق آلود کی یاد　　رات بھر گنتے رہے ہجر میں تارے عاشق

تمہیں انصاف کرو تم سے جدا رہ کے بھلا　　عمر آرام سے کس طرح گزارے عاشق

آزمایا ہے کہو تم نے کسے میرے سوا　　نام ہی نام کے ہیں اور یہ سارے عاشق

اس نے دیکھا بھی نہ محفل میں بلانا تو کجا　　رہ گئے دور کر کے اشارے عاشق

اب اٹھاؤ بھی کہیں پردہ بہت آج تلک　　کر چکے چشم تصور سے نظارے عاشق

قدرِ حسرت انہیں کب جا کے ہوئی ہے کہ ہوئے

وہ بھی اک شوخ جفا کار پہ بارے عاشق

انقلاب لکھنؤ

۱۹ر مئی ۴۲ء

رنج بیجا یہ کیا ہم نے جو اظہار ملال　　ان کے چتون سے عیاں پھر ہوئے آثار ملال

حال اس خوف سے ہم کہہ نہیں سکتے اپنا — کہ مبادا ہو ترا دل بھی اگر بارِ ملال
وہ جو بگڑے تو بنی حسن کی تصویرِ غضب — گلِ ناز ان کے ہوئے طرۂ دستارِ ملال
اپنی محفل میں علی الرغمِ عدو کر کے طلب — مجھ کو ناحق وہ بناتے ہیں گنہگارِ ملال
تارکِ عشق ہوئے پھر بھی نہ چھوٹا غمِ عشق — عمر بھر دل میں کھٹکتا ہی رہا خارِ ملال
چھپ سکے گا نہ چھپائے سے کبھی دل کا غبار — کب تلک آپ کیے جائیں گے انکارِ ملال

روٹھ کر من بھی کہیں یاد وہ جائیں حسرت
کہ سنائیں انہیں ہم جا کے یہ اشعارِ ملال

شوکت بمبئی — ۱۲ر فروری ۴۲ء

پیشِ او سجدہ عاشقانہ کنیم — کثرتِ شوق را بہانہ کنیم
شرحِ جور و جفائے یار بہم — پردۂ شکوۂ زمانہ کنیم
دست بردار از دعا شدہ ایم — کہ تمنا را نہ زاں نشانہ کنیم
گلہ شکوہ ہائے ما چہ کنی — لطف را شیوۂ گیر تا نہ کنیم

حسرت از گمرہاں شویم اگر
فرقِ بیگانہ و یگانہ کنیم

دین دنیا کلکتہ — ۲۲ مئی ۴۲ء

لطف و کرم کی راہ سے اے جانِ عاشقاں — رہ جا کبھی تو آن کے مہمانِ عاشقاں
ہر ہر قدم پہ راہِ وفا میں ہے خوفِ جاں — گر ہو نہ لطفِ یار نگہبانِ عاشقاں
سچ پوچھیے تو حسن سے کچھ کم نہیں ہے عشق — یہ جانِ عاشقاں ہے وہ جانانِ عاشقاں
رنگینیٔ سرشکِ محبت کے حسن سے — داماںِ عاشقاں ہے گلستانِ عاشقاں
خلقِ خدا ہے گوش بر آوازۂ جمال — مانیں گے اب بھی آپ نہ احسانِ عاشقاں
ہم کو گدا نہ جان کہ اے سرفرازِ ناز — افتادگی ہے شیوۂ شایانِ عاشقاں

نورِ خیالِ یار سے روشن ہی سر بسر — یا وصف ظلم ہجر شبستانِ عاشقاں
لیتے ہیں آرزو کا یہیں آ کے سب سبق — گویا ہے بزم یار دبستانِ عاشقاں

لکھتا ہوں مرثیہ نہ قصیدہ نہ مثنوی

زمانہ کانپور — مئی ۴۴ء

حسرت غزل ہے صرف مری یانِ عاشقاں

یک رہ بہ دیارِ غم گذر کن — بر خانۂ خرابیم نظر کن
از فتنۂ آہ دردمنداں — ایمن چہ نشستہ خطر کن
گاہے بہ مزارِ من گر آئی — پوشیدہ ز خلق چشم تر کن
فریاد مکن ز دست جورش — یا اے دلِ زار بے اثر کن
گاہے شبِ غم بہ یادِ لطفش — گاہے با میداں سحر کن
خاکِ درش از رہِ عقیدت — بر داشتہ سرمۂ نظر کن

حسرت نہ لباس عقل بہ گذر

"نظارہ" لاہور — مئی ۴۴ء

رہ کسوتِ عاشقی بہ بر کن

آرزو لازم ہے وجہ آرزو ہو یا نہ ہو — التفات اس کافر بیدیں کی خو ہو یا نہ ہو
دیکھنا ہے حضرتِ دل ہم سے انکے روبرو — آپ کے بارے میں بھی کچھ گفتگو ہو یا نہ ہو
چاہتے ہیں وہ چمن میں کثرتِ حسنِ گلاب — موتیا، بیلا، چنبیلی تازہ بو ہو یا نہ ہو
ہم سے کہتے ہیں، کریں گے آج اظہار کرم — اس سے کچھ مطلب نہیں تو تجھکو ہو یا نہ ہو
اب کہ اور چاہیں گے نہ ہم تیرے سوا — حسن کی دنیا میں تجھ سا خوبرو ہو یا نہ ہو
کوئے جاناں میں صلوٰۃ عشق پڑھنے کیلئے — دیکھئے اب شہادت سے وضو ہو یا نہ ہو
ان سے نوبت لڑکے پھر ملنے کی آنہ آئے — چاک دامانِ تمنا اب رفو ہو یا نہ ہو

پیشِ حسنِ یار بے پروا زبانِ شوق ہو — شرحِ احوالِ محبت مو بہ مو ہو یا نہ ہو

ترچھی نظر، لکھنؤ

شغلِ مے حسرتؔ ہے روزِ ابر و باراں میں ضرور
صحنِ گلزار و کنارِ آبِ جو ہو یا نہ ہو

اپریل ۴۴ء

جس فتنۂ دوراں کو ابھی آئے تھے کل دیکھ — چلتے ہیں لیے پھر تجھے اے دل وہیں چل دیکھ
یہ بھی ہے کوئی بات کہ وعدے ہی کیے جاؤ — اور حال مرا آن کے دیکھ آج نہ کل دیکھ
برگشتہ مرے بخت پہ کر طعن ہزار دل — اور زلف کا اپنی نہ تو خم دیکھ نہ بل دیکھ
کیا کیا شبِ غم دل ہمیں دیتا ہے تسلی — اب جلد ہی آنے کو ہے پیغامِ اجل دیکھ
بیٹھے ہیں کب اے شوخ ترے ناز کے انداز — تیور نہ یہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے بدل دیکھ
دل کو مرے قابو میں نہ پا کر وہ بصد ناز — بولے کہ نہ دیوانہ بن اتنا بھی سنبھل دیکھ
کاکل ہی میں بھی اب سیر کریں شامِ ابد کی — عارض میں ترے خوبیِ رخ صبحِ ازل دیکھ

اے وہ کہ تجھے شوق ہے تحسینِ سخن کا
میرا جو کہا مان تو حسرتؔ کی غزل دیکھ

معیارِ سخن مالیگاؤں

مئی ۴۴ء

خبر کیا تھی ترے عزمِ سفر کی — روانی رک سی گئی اب چشمِ تر کی
وہ عاشق تجھ سے پہلے تھے کہ ان کو — خبر تھی میرے شوقِ بے خبر کی
مری محرومیوں کا حال سن کر — انہیں اب فکر ہے ردِ اثر کی
رہے وہ محفل افروزِ رقیباں — شبِ غم ہم نے رو رو کر بسر کی
نظیر اس کوئے دلکش کا نہ پایا — بہت کچھ سیر دیکھی بحر و بر کی
ہوس ہیں بہت نازانِ اکسیر — کہاں ہے خاک ان کے رہگزر کی
بھلا حوروں کی زینت میں یہ مستی — کہاں سے آئے گی حسنِ بشر کی

وہ ہیں مجبورِ نازِ دل ربائی — کہے دیتی ہے بے باکی نظر کی
دلِ آگاہ کو اے حسنِ رسوا — تری خواہش نہ کرنی تھی مگر کی
سکونِ یادِ جاناں میں شبِ ہجر — عجب آرام سے ہم نے بسر کی

چلو مرے عدم تک تم بھی کہ حسرت
وہیں کچھ قدر ہے اہلِ ہنر کی

"نور" کلکتہ — ۲۲ مئی ۴۲ء

گلشن میں نہ دل بلبلِ ناکام لگائے — پنہاں یہیں صیاد بھی ہے دام لگائے
یہ بات عجب عادتِ انساں میں ہے داخل — تقدیر کا خود کرکے خطا نام لگائے
اک سمت کہیں بزمِ طرب میں کوئی مسرور — ہونٹوں سے ہے جامِ مئے گلفام لگائے
اور ایک طرف بسترِ غم پر کوئی مہجور (ق) — چھاتی سے پڑا ہے دلِ ناکام لگائے
مسجد میں کہیں محوِ عبادت ہیں زاہد — جنت کی دلوں کو طمعِ خام لگائے
بیٹھا ہے کہیں راہِ خراباتِ مغاں میں (ق) — دکانِ ہوس کوئی مئے آشام لگائے

ہر حال میں راضی بہ رضا ہم ہیں کہ حسرت
کیا دخل جو ان پر کوئی الزام لگائے

سیاست لاہور — ۱۹ مئی ۴۴ء

کوششِ وصالِ یار کی معذور ہو چکی — اب ہم سے خدمتِ دلِ رنجور ہو چکی
عرضی جنابِ حسن میں بھجوا کے شوق کو — ہر دم ہے اب یہ سوچ کہ منظور ہو چکی
لے کر چلی ہے مغفرتِ حق یہاں کہاں — جنت میں ہم سے عاشقیٔ حور ہو چکی
تاریکیٔ لحد میں ہے درکار نورِ عشق — کافی فقط سپیدیٔ کافور ہو چکی
دستور کے اصول مسلّم ٹھہر چکے — شاہی بھی رامِ غلبۂ جمہور ہو چکی
سرمایہ دار خوف سے لرزاں ہیں کیوں نہ ہو — معلوم سب کو قوتِ مزدور ہو چکی

رباعی در وصف توفیق الٰہی

ہو کر بھی رہا ہمیشہ میرا چاہا
جب، جو مرے دل نے اس سے چاہا چاہا
توفیق اسے کہتے ہیں کہ چاہا بھی وہی
میں نے جو کچھ اس نے مجھ کو دینا چاہا

"زمیندار" لاہور ۲۵ر مئی ۲۴ء

اور آپ اس سے چاہتے کیا ہیں سو لے سوز

(صوفی، پنجاب) فروری ۲۴ء

حسرت یہ تاز عشق ہے، یہ نور ہو چکی

مختصر وقتِ مقرر پہ ملاقات ہوئی — آج یہ آپ کی جانب سے نئی بات ہوئی

ان کا دیدار ہے مشکل سی بھی کچھ بڑھ کے محال — آرزو مفت میں کیوں مورد آفات ہوئی

دلِ مشتاق میں اک شوق کا طوفان اٹھا — وعدۂ وصل کا دن ختم ہوا رات ہوئی

مذہب عشق میں ناکامیٔ جاوید کی ہو — فرض منجملہ احکام عبادات ہوئی

آج تک مثل عدد حق میں ہمارے بھی کبھی — نہ محبت ہوئی ان سے نہ مراعات ہوئی

حسن کی زگاہی بھی تمنا کے لئے — موجبِ ناز ہوئی وجہ مباہات ہوئی

دم آخر وہ ملے بھی تو ملے کیا حسرت

شوکت بمبئی ۱۸ مارچ ۲۴ء

کھیت جب سوکھ چلے اپنے تو برسات ہوئی

شوق کہاں آرزوئے شوق ہے — جس سے جہاں مست مے ذوق ہے

وجہ ترے عشق فسوں کار کا — حسن کے رتبے سے بھی مافوق ہے

گردنِ حسرت میں پئے امتیاز

خوب غلامی کا ترے طوق ہے

کہاں گئے مو ہے باوری بنائے کے — باوری بنائے کے جھلکیا دکھائے کے

انسوون بھیج بھئی ہے سگری

رت رنگ بھیمور کا چدری

حسرت کون بتھا سب ہری — آئے منے کہے سے جائے کے

دیوان حسرت

موہانی

حصہ دہم

جس میں حسرت موہانی کی کل غزلیں درج ہیں جو بمقام یرودا جیل
تکمیل حصہ نہم کے بعد آخر مارچ ۱۹۲۴ء تک لکھی گئیں۔

مرتبہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

دعا میں ذکر کیوں ہو مدعا کا
کہ یہ شیوہ نہیں اہل رضا کا

طلب میری بہت کچھ ہے، مگر کیا
کرم تیرا ہے اک دریا عطا کا

کہاں تک ناز اٹھائے آخر اے حسن
ہوس تیرے مزاجِ خود ستا کا

نہیں معلوم کیا اے شاہِ خوباں
تجھے کچھ حال اپنے مبتلا کا

بجائے اسم اعظم آپ کا نام
وظیفہ ہے مرا صبح و مسا کا

غضب کا سامنا ہے عاشقوں کو
دیارِ حق میں افواجِ بلا کا

نثار ان پہ ہوئے اچھے رہے ہم
تقاضہ تھا یہی خوئے وفا کا

گنہ گارو چلو عفو الٰہی
بہت مشتاق ہے عرضِ خطا کا

تری محفل میں اہل دل کو جلوہ
نظر آ جائے گا شانِ خدا کا

اٹھایا ہے مزا دل نے بہت کچھ
محبت کے غم راحت فزا کا

شوکت بمبئی

۱۵ جنوری ۴۴ء

جفا کو بھی وفا سمجھو کہ حسرت
تمہیں حق ان سے کیا چون و چرا کا

۲۰ - ۲۷ جنوری ۴۴ء

کچھ خوف خدا کا ہے نہ ڈر خلقِ خدا کا / کیا آئے خیال ان کو شہیدانِ وفا کا
خوشبو ترے ملبوس کی لائی ہے کہاں سے / مجھ تک نہ ہوا تھا جو گزر بادِ صبا کا
طولِ شبِ ہجراں میں، پریشانئ دل پر / طرہ ہے خیال اور بھی اس زلفِ دوتا کا
خطرہ بھی تری خو سے ہے امیدِ کرم کو / عالم ہے شبِ وصل عجب بیم و رجا کا
آکر ترے دربار میں سب ہو گئے یکساں / جھگڑا نہ رہا مرتبۂ شاہ و گدا کا
کھلا نہ کہ وہ خوئے تعزیر کہ لپکا / پڑ جائے گا عصیانِ محبت کو سزا کا
ہیں ان کے رضا کار بری ہوتے طلب سے / کوئی بھی ہو جو ان میں گنہگار دعا کا
آسان ہے، مشکل بھی ترے شوق کی منزل / اس راہ میں کچھ کام نہیں راہنما کا

سر ہے انہیں مطلوب تو دو شوق سے حسرت
اس امر میں کچھ دخل نہیں چون و چرا کا

معارف ۱۵ اعظم گڈھ

جولائی ۴۴ء

جرم کو دید کا سبب نہ کیا / تم نے یوں بھی ہمیں طلب نہ کیا
پابوسی کی دھن میں وصل کے دن / شوق سے انتظارِ شب نہ کیا
شکرِ غم نے کبھی ہمیں صد شکر / گردِ بادۂ عنب نہ کیا
ہم نے کیا جانے اسکو سجدۂ شوق / کب کیا بیخودی میں کب نہ کیا
رحم آیا انہیں بھی آخر کار / سن کے ہم نے بھی کچھ عجب نہ کیا
تو نے خم سے ہمیں کبھی ساقی / سینہ بر سینہ لب بہ لب نہ کیا
شکوہ سنجِ الم ہوئے حسرت / ستمِ یار کا ادب نہ کیا

قدموں پہ انکے رکھ کے سر رفعِ ملال کر دیا ہمتِ عذر خواہ نے آج کمال کر دیا
دور ہم ان کی بزم سے جیتے رہے تو کیا رہے آہ وہ زندگی جسے غم نے وبال کر دیا
جمع اہلِ شوق کا عذر بھی تم نے کچھ سنا یا یونہیں از رہِ جفا حکمِ قتال کر دیا
چاہو اگر تو دیکھ تو حق کو انہیں میں دیکھ جس نے کہ عشق و حسن کو اپنی مثال کر دیا
دل سے کبھی جو سر ہوئی آہ وہ پر اثر ہوئی شوق سے جب خبر ہوئی سوال کو حال کر دیا
گنجفہ کھیلتے ہوئے آپ سے ہار ہم گئے اور انہیں کیا خیال ہے! ہم نے ملال دیا

کرنے لگے نہ پا کے خوار حسرتؔ انہیں بھی ہم سے عار
جن پہ کہ ہم نے شب نثار مال و منال کر دیا

شکوہ اس دلستاں سے کچھ نہ ہوا ہمتِ عاشقاں سے کچھ نہ ہوا
یارشِ لطف و رحم حق کے بغیر کوششِ مرزباں سے کچھ نہ ہوا
مارد الاشکستہ حالوں کو یہ تو اس جانِ جاں سے کچھ نہ ہوا
عاشقی میں پئے حصولِ مراد دانشِ کارداں سے کچھ نہ ہوا
نہ کرم ہی پر نہ ہم پہ ستم اس تغافل نشاں سے کچھ نہ ہوا
لو وہ دامن چھڑا کے چل بھی دیئے عاشقِ ناتواں سے کچھ نہ ہوا
عشق نے کی گداۓ دل کی سبیل جب غمِ دو جہاں سے کچھ نہ ہوا
تم جو اپنے شریکِ حال رہے گردشِ آسماں سے کچھ نہ ہوا

ان کو جی بھر کے دیکھ بھی نہ سکا
حسرتِ بدگماں سے کچھ نہ ہوا

وسلطان ملا جیل بمبئی ۲۵ جون ۴۲ء

بنہاں شدنت دوگونہ شد خوب اے روئے تو بے نقاب محبوب

پیشت چہ سود، گرم شمارند — در زمرۂ بندگانِ معتوب
ما گام زنِ صراطِ مستقیم — دور از رہِ ضالّین و مغضوب
یا بے خبرانِ ہوشیاریم (ق) — منجملہ سالکانِ مجذوب
منت کشِ دیگراں نخواہش — آں را کہ بتو شدہ است منسوب
بوسیدہ کفِ تو گشتِ لرزاں — از من بہوائے شوقِ مکتوب

حسرتؔ یہ غزل جو شمس تبریز
یا شد سخن تو نغز و مرغوب

معارف اعظم گڑھ — فروری ۲۴ء

کیا کیا ہوئی اُن کے غمِ رسوا سے ندامت — رکھنے جو لگے سر پہ مرے تاجِ کرامت
جلوہ ہے نظر سوز ترا اس کو خبر ہے — دیکھوں تری جانب کو مری آئی جو شامت
ہر شے کی ہے دنیائے تمنا میں گرانی — ہاں ایک جو ارزاں ہے تو کالائے ملامت
کوشش تو بہت کی مگر اس شاہِ ادب سے — دل کو نہ ملی صوبۂ تمکیں کی نظامت
ہے کفرِ محبت کا یہی حال تو شاید — بڑھ جائے گی سب سے مرے نامے کی ضخامت
تجھ کو بھی خبر کچھ ہے کہ اے فتنۂ دوراں — کیا کیا ترے قامت نے بپا کی ہے قیامت

حسرتؔ ہی پہ موقوف نہیں کوئے بتاں سے
لے جا نہ سکا کوئی بھی ایماں سلامت

لطفِ تو گر اختیارِ ما نیست — سرمایۂ اعتبارِ ما نیست
نازم چہ بہ عشقِ حسن گوید — آں کیست کہ جاں نثارِ ما نیست
از درد و الم کجاست چیزے — کاندر دل و جاں رازِ ما نیست
اے بادۂ نابِ عشق بوئے — جز بوئے تو خوش گوارِ ما نیست

پیوستہ بپیام سوز جاں را — از کیست اگر ز یار ما نیست
نوعے ز کمال عشق بیروں — از حیطۂ اقتدار ما نیست

حسرتؔ بدرِ علی رسیدہ تازہ !
کایں شانِ خدا ست کار ما نیست

السلام اے شہ بشیر و نذیر — داعی و شاہد و سراج منیر
آرزو ہے کہ نام پاک حضور — کاشِ وردِ زباں ہو وقتِ اخیر
بہ طفیل صغیر ذرّہ عشق — محو سارے ہوگئے گناہ کبیر
تم نے کیوں کر کیا دلوں کو شکار — ہے بہ ظاہر کمان پاس نہ تیر
اب نہیں حسن کو لگاوٹ سے لاگ — کر گئی کام شوق کی تاثیر
کوچۂ یار میں ہیں سب یکساں — بادشاہ و گدا امیر و فقیر
نالۂ دل میں تھا غضب کا اثر — مل گئی جس سے عرش کی زنجیر
دلِ عاشق ہے سوزِ جاں کا ہلاک — جانِ عاشق ہے دردِ دل کی اسیر

روٹھ کر اب وہ من چکے حسرتؔ
بن چکی تم سے وصل کی تدبیر

ہم کہیں تا کجا حدیث نیاز — جب سنیں بھی کہیں وہ دلبر ناز
عشق طاقت گذار ہو کہ نہ ہو — حسن ہر حال میں ہے بندہ نواز
رہ گئے ذات حق میں ہو کے فنا — اب نہ ہم ہیں نہ دل نہ سوز نہ ساز
دولتِ آرزو سے مالا مال — دلِ عاشق ہے اک دفینۂ راز
خونِ دل سے وضو کریں تو کہیں — یہ پڑھے عاشقوں کی جا کے نماز

ہند وایہ اں ہیں خاص مسکن عشق ۔۔۔ ماورائے عراق وشام وحجاز

دیکھئے دل پہ کیا بنے حسرتؔ

عشوہ گر حسن عشق ہے جانباز

بے سکر گل نہ ہے دل بلبل کہاں تلک ۔۔۔ اے ساقی بہار تغافل کہاں تلک

ہم سے گناہ گار بھی جنت میں جائینگے ۔۔۔ کام آئے گا نہ ان کا توسل کہاں تلک

تدبیر نغمہ سنج ترقی ہے۔ عنا قلوبا ۔۔۔ تقدیر توجہ خواں تنزل کہاں تلک

اے دل کر اختصار کہیں داستانِ عشق ۔۔۔ ان کو رہے گی یاد بھلا کل کتا تلک

آخر مزید رنج شمیمؔ و عزیزؔ پر

حسرتؔ خیال برقؔ و تجملؔ کہاں تلک

حسن کے ہم ہلاک دید بھی ہیں ۔۔۔ یعنی شاہد بھی ہیں شہید بھی ہیں

خانہ زادِ جفائے مختص دوست ۔۔۔ طالبِ شدتِ مزید بھی ہیں

باوجودِ علائق کثرت ۔۔۔ عصر توحید کے وحید بھی ہیں

ہوش گم گردہ سبیل رشاد ۔۔۔ عقل کے پیر ومرشید بھی ہیں

کامیاب مرادِ غم حسرتؔ

شادی شوق کے مرید بھی ہیں

حال کیا ان سے بار بار کہیں ۔۔۔ نہ سنیں گے وہ ہم ہزار کہیں

ل عبداللہ خاں شمیم باندوی، عزیز اللہ گورکھپوری، عظمت اللہ برق کانپوری
تجمل حسین گورکھپوری مرحوم احباب فقیر حسرت موہانی

(اکتوبر ۱۹۲۲ء)

دل کے زخموں کا دیے حساب نہ ہو — کیا کہیں گر نہ بے شمار کہیں
مر مٹے ہیں اسی لئے کہ ہمیں — شاید اپنا وہ جاں نثار کہیں
مایۂ عیش بھی ہے غم کی خلش — اب اسے گل کہیں کہ خار کہیں
شلۂ خوباں کو دزدِ رہزنِ دل — کیا تجھے اے نقاب دار کہیں
تا کجا یادِ یار سے شبِ غم — قصۂ دردِ انتظار کہیں
روئے جاناں کے عاشقوں کو نہ کیوں — لوگ دیوانۂ بہار کہیں
ان کی آنکھیں اگر کہیں، تو عجب — دل کا افسانۂ شکار کہیں

نامرادی مراد ہے حسرتؔ
جب تمہیں خود وہ کامگار کہیں

علیگڑھ میگزین علیگڑھ — جولائی ۲۸ء

(فروری ۱۹۲۲ء)

مجھ کو دنیا سے خوف کید نہیں — ہیں کہ پابندِ عمر و زید نہیں
معتبر ہیں دیارِ عشق میں سب — کچھ یہاں نیک و بد کی قید نہیں
منکرِ عشق ہے تو واعظِ شہر — لاکھ عابد بنے عبید نہیں
سر بسر ہے مری کتاب سیاہ — کوئی گوشہ کہیں سفید نہیں

زیدِ صیاد کے سوا حسرتؔ
اور کچھ آرزوئے صید نہیں

علیگڑھ میگزین علیگڑھ — ۲۳ مئی ۲۲ء

لے اردو زبان میں اس لفظ کا تلفظ یائے مفتوح کے ساتھ بھی صحیح سمجھا جاتا ہے لہٰذا اگر کسی اور لفظ کے ساتھ یہ ترکیب فارسی مرکب نہ ہو تو راقم کے نزدیک اس کا قافیہ کید کے ساتھ جائز ہے، حسرتؔ۔

ہم حال انہیں یوں دل کا سنانے میں لگے ہیں — کچھ کہتے نہیں پاؤں دبانے میں لگے ہیں

لاکھوں ہیں تری دید کے مشتاق مگر ہم — محرم تجھے دل سے بھلانے میں لگے ہیں

اور ایسے کہاں حیرت و حسرت کے مرقع — اے دل جو ترے آئینہ خانے میں لگے ہیں

کہتا ہے انہیں یہ کہ نہ ہم ہوں گے مخاطب — پر کہتے نہیں زلف بنانے میں لگے ہیں

کچھ ہوس سرو پا کا ہتیں، رند خرابات — اٹھی ہے گھٹا دھوم مچانے میں لگے ہیں

قاتل ترے دامن پہ مرے خون کے دھبے — کچھ اور بھی خنجر سے چھڑانے میں لگے ہیں

۲۰/جولائی/۴۲ء

ہر دم ہے یہ ڈر پھر نہ بگڑ جائیں وہ حسرت
پھر وہ جنھیں رو رو کے ہنسانے میں لگے ہیں

"عالمگیر" لاہور — جولائی ۴۲ء

آنکھ تیری بھی تا سحر نہ لگے — عاشقوں کی کہیں نظر نہ لگے

وہ بھی کودنش ہے کوئی جس کیلئے — ان کے قدموں سے جھک کے سر نہ لگے

دیکھیں دل کیا کرے، پتا ان کا — بے نشاں ہو کے بھی اگر نہ لگے

یہ بھی ہے ماننے کی بات کوئی — مر مٹیں ہم تمہیں خبر نہ لگے

کور ہے چشم جاں کو ہاللہ اگر — آپ کی خاکِ رہ گزر نہ لگے

ہمت اتنی دل ہوس میں کہاں — کہ اسے تیری ضد سے ڈر نہ لگے

۹/جولائی/۴۲ء

شجر شوق ہے ترا وہ شجر
جس میں حسرت کبھی ثمر نہ لگے

زمیندار لاہور — ۱۱ر جولائی ۴۲ء

ہر دم رضائے یار سے نزدیک ہم رہے — امید وار وعدۂ یعطیک ہم رہے

تحریک حریت کو جو پایا قرین حق — ہر عہد میں معاون تحریک ہم رہے

خلق خدا کو مان کے شرکت کا مستحق (ق) — در باب ملک منکر تملیک ہم رہے

دشوار تھا بغیر یقیں روح کا سکون | اچھا ہوا کہ دشمنِ تشکیک ہم رہے

ہر حال ہر خیال میں ہر اعتبار سے

"الناظر" لکھنؤ | جنوری ۱۴ء

حسرتؔ مطیع عشق رہے ٹھیک ہم رہے

آشنا ہو کر نظر نا آشنا کرنے لگے | ہم سے کیا دیکھا کہ تم پاسِ حیا کرنے لگے

رشک آیا ہے مجھے کیا کیا جب ان کے روبرو | مدعیٔ بیباک عرضِ مدعا کرنے لگے

حلقۂ اغیار میں بھی پا کے ان کو گرم لطف | ہم لبِ حسرت سے شورِ مرحبا کرنے لگے

اور تو کچھ بھی نہ ہم سے اس کے آگے بن پڑا | حسنِ خلقِ یار کی مدح و ثنا کرنے لگے

دلربائی کا بھی کچھ کچھ مدعا نہیں آئیگا | بات مطلب کی اشاروں میں ادا کرنے لگے

کون کہتا ہے کہ ہم ہیں مائلِ ترکِ وفا | آپ ناحق اپنے دل کو بد مزا کرنے لگے

(۱۲ فروری ۱۴ء)

بھول کر حکمِ خدا یادِ بتاں رہنے لگی!

زمیندار لاہور | ۱۱ جولائی ۱۴ء

کیا تمہیں کرنا تھا حسرتؔ آہ کیا کرنے لگے

ترے در کی خاک ہو کر دو جہاں میں نام کرتے | کبھی اور کبھی وہیں ہم کوئی دن مقام کرتے

بکمالِ سرفرازی میں شہیدِ ناز ہوتا | جو وہ خنجرِ جفا سے مجھے خود تمام کرتے

نہ کسی نے یہ سمجھایا نہ خود ان کے جی میں آیا | کہ مزارِ عاشقاں تک وہ کبھی خرام کرتے

مجھے دیکھتے ہی بولے کہ یہ کون بے ادب ہے | وہ بھلا سلام لیتے وہ بھلا کلام کرتے

تمہیں کیا ٹھکاتی رہِ شوق کی درازی | کہ تمہیں اگر نہ پاتے سفرِ دوام کرتے

جسے کہتے ہیں اہمسا اک اصولِ خودکشی تھا | عمل اس پہ کوئی کہتا نہ کبھی عوام کرتے

(۱۲ فروری ۱۴ء)

چلو جان دے کے حسرتؔ ہوئی خوب غم سے فرصت

شوکت بمبئی | ۲ فروری ۱۴ء

وہ کبھی نہ تم سے ملتے یونہیں صبح و شام کرتے

نہ صورت کہیں شادمانی کی دیکھی — بہت سیر دنیائے فانی کی دیکھی
مری چشم خونبار میں خوب رہ کر — بہار آپ نے گلفشانی کی دیکھی
تمنا نے اس رویے زیبا کو دیکھا — کہ تصویر حسنِ جوانی کی دیکھی
عجب شوق ہے دستِ ساقی میں ہم نے — صراحی مئے ارغوانی کی دیکھی
نہ ہے رعبِ حسن، ان کے در پہ کسی نے — ضرورت نہ کچھ پاسبانی کی دیکھی
نہ تم سا خوش اخلاق پایا نہ ہم نے — کہیں شانِ یہ دل ستانی کی دیکھی

مجھے کر کے مایوس بوسے وہ حسرت
مسرتِ غم جاودانی کی دیکھی

"سیاست" لاہور — جولائی ۲۴ء

دردِ دل کی انہیں خبر نہ ہوئی — کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی
کوششیں ہم نے کیں ہزار مگر — عشق میں ایک معتبر نہ ہوئی
کر چکے ہم کو بے گناہ شہید — آپ کی آنکھ پھر بھی تر نہ ہوئی
نارسا آہ عاشقاں وہ کہاں — دور ان سے جو بے اثر نہ ہوئی
آئی بجھنے کو اپنی شمع حیات — شبِ غم کی مگر سحر نہ ہوئی
شب کٹے ہم گرم نالہائے فراق — صبح اک آہ سرد سر نہ ہوئی

تم سے کیونکر وہ چھپ سکے حسرت
نگہ شوق پردہ در نہ ہوئی

۱۳ مئی ۲۴ء

محی الدین خاں یعقوبی بھوپال

باقی ہے جو کچھ کچھ خلش دردِ کبھو کی — اب تک یہ مرے دل میں نشانی ہے کسو کی
ارزانی مے سن کے ترے دور میں ساقی — ہر دل میں ہوس عام ہوئی جام و سبو کی
تڑ باتی ہے کیا کیا مجھے یاد آتی ہے جس دم — غیروں پہ نوازش وہ تری ترچی خو کی

مقصد ہے جلانا کبھی اس کو کبھی مجھ کو — خاطر تجھے منظور ہے میری نہ عدو کی

آلائشِ ظاہر سے بری ہیں ترے درویش — کہتا ہے انہیں کون ضرورت ہے وضو کی

قائم ہے بیک حال مرے درد جگر میں — قدرت نہ فنا کی ہے نہ قدرت ہے نمو کی

بیزار ہوں میں زخم دلِ زار سے حسرتؔ
اب تک اسے کیوں یعنی تمنا ہے رفو کی

گلزار سخن پوتا — جولائی ۱۹۲۰ء

ہولی

موپہ رنگ نہ ڈار مراری — منتی کرت ہوں تہاری

پنیا بھرن کاہ جائے نہ دیہیں

شیام بھرے پچکاری

تھر تھر کانپت لاجن حسرتؔ — دیکھت ہیں نر ناری

۱۳ مارچ ۱۹۲۰ء

ٹھمری

کہاں چھپائے رہے گردھاری — ادرن بل مدھ کیول ہماری

روورت دھووت تلپھت بلکت

برہ کی رین گئی کٹ ساری

جیا جات بر کھارت حسرتؔ — دیکھ دیکھ بدریا کاری

۲۷، ۲۸ جنوری ۱۹۲۰ء

ترجمۂ قول حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

زابرِ سفید آب رحمت چکد
زسبز اہل دل را محبت چکد

سفید ابرِ پاکانِ دنیا بود
چو سبز آید از ذکر مولا بود

۲۱ مارچ ۳۴ء

تخمیس مطلع عراقی رح

نہ کسی سے دشمنی ہے نہ کسی سے آشنائی
دو جہاں سے منہ کو موڑا تری یاد کیا لگائی

مجھے صوم سے ملا کچھ نہ نماز راس آئی
صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہِ و رسم پارسائی

دیوان حسرت

موہانی

حصۂ یازدہم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو باوقات

مختلف تکمیل حصہ دہم کے بعد

جنوری ۱۹۲۵ء سے دسمبر ۱۹۳۲ء تک

لکھی گئیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

یونہیں مائل ہے سر اس کی جبیں سائی کا
شوق محتاج نہیں حوصلہ افزائی کا

آج کل حسنِ رخِ یار کی بے تابی کو
ضد یہ ہے نام نہ لے کوئی شکیبائی کا

یہ بھی احسان ہے ان کا مجھے کر کے تباہ
دیکھنے آئے تماشا مری رسوائی کا

رنج دوری سے ہوا غیرتِ تصویر جو ہم
ہو گیا اور ہی عالم شب تنہائی کا

ان سے اربابِ نظر کی ہے یہ خواہش حسرتؔ
اٹھ رہے کوئی دقیقہ نہ خود آرائی کا

"زمانہ کانپور دسمبر ۲۲ء"

عرفانِ عشق نام ہے میرے مقام کا
حامل ہوں کس کے نغمۂ نے کے پیغام کا

متھرا سے اہلِ دل کو وہ آئی ہے بوئے انس
دنیائے جاں میں شور ہے جس کے دوام کا

مخلوقِ اکسائیہ کرم کی امیدوار
مستانہ کر رہی بھجن رادھائے شیام کا

محبوب کی تلاش ہوئی ریب محبت — برسانے سے جو قصد کیا نندگام کا
گوکل کی سرزمین میں بھی عزیزجہاں بنی — کلمہ پڑھا جو ان کی محبت کے نام کا
بہ نداکا بن بھی رہ کش جنت بنا، کہ تھا — پامالِ نازِ اہلین کی بہارِ خرام کا

مقام برسانہ — ۲۸ اگست ۴۷ء

لبریزِ نور ہے دلِ حسرت نہ ہے نصیب
اک حسنِ مشک فام کے شوقِ تمام کا

وہ کہتے ہیں تجھ کو آنا پڑے گا — ہمیں کو پھر الٹے منانا پڑے گا
نہ جب تجھ سے مطلب رہا کچھ تو دل سے — تری یاد کو بھی بھلانا پڑے گا
تری یاد بھی چھوٹ جائے گی لیکن — بہت دل کو صدمہ اٹھانا پڑے گا
کہاں جائے گی عشق بازی کی عادت — کہیں اور دل کو لگانا پڑے گا
تجھے بزمِ خوباں میں در خور کا اپنے — بلا کر نمونہ دکھانا پڑے گا
دکھا کر تماشائے دا سوخت آخر — تجھے پھر سے اپنا بنانا پڑے گا

"اسدوے معلّی" کانپور — دسمبر ۳۰ء

ارادے غرض ہیں بہت کچھ یہ حسرت
وہ کہتے ہیں پھر تجھ کو آنا پڑے گا

وہ بھی کیا دن تھے کہ تو جلوہ فراموش نہ تھا — دین و دنیا کا مجھے تیرے سوا ہوش نہ تھا
کس قدر عام تھی ارزانی مے کی شہرت — عہد ساقی میں نہ تھا کوئی جو مے نوش نہ تھا
اور بھی سب کو دکھائی تھی صباحت کی بہار — بعد میرے وہ مرے غم میں سیہ پوش نہ تھا
شام گیسو بھی ترے تھی سببِ غفلتِ دل — میں فقط بےخبرِ صبح بناگوش نہ تھا

اردوے معلّی کانپور — جنوری ۲۷ء

پیرہن کوئی اتنا سا نہ انہوں نے حسرت
وہ کہ خوشبوئے محبت سے ہم آغوش نہ تھا

نغمہ کہ نغمہ ہے عاشقی کا — دم بھرتی ہے آرزو اسی کا
ہر ذرۂ سرزمین گوکل، — وا ساہے جمال دلبری کا
برسانہ و نند گاؤں میں بھی — دیکھ آئے ہیں ہم جلوہ کسی کا
پیغام حیات جاوداں تھا — ہر نغمہ کرشن بانسری کا

وہ نور سیاہ تھا کہ حسرت
سرچشمۂ فروغ آگہی کا

اردوئے معلیٰ کانپور — نومبر ۳۲ء

رہنے کو تو میں عہد کروں ترک ہوس کا — پر دل سے کہوں کیا جو نہیں مرے بس کا
بے تجھ سے ملے گھر میں وہی حال ہے میرا — ہو صحن چمن میں جو گرفتار قفس کا
پھر سے کے چلا دل ہمیں تاکو ملامت — خطرا لنظر آیا کچھ اسے بلبل نہ لبس کا
کیا جلد ہوا خاتمہ دور تمنا — وقفہ نہ ملا شوق کو دو چار برس کا

بیگانہ رہا یکی محبت میں وہ حسرت
رکھتے ہیں جو عشاق پہ الزام ہوس کا

"ظرف" کانپور — دسمبر ۳۳ء

نہ لے کر دل کرو انکار دل کا — کہ چھپنا ہے بہت دشوار دل کا
پھر ان سے بعد مدت کیوں ملے ہم — جنوں پھر ہو گیا بیدار دل کا
یونہیں دیتے رہو تم داغ پر داغ — پھلا پھولا رہے گلزار دل کا
ندامت کیوں نہ ہوتی ان سے ہر بار — کہا ہم نے کیا ہر بار دل کا

ہوئے ہیں جب سے دیوانے حسرت
وہ دل میرا نہ میں ہوں یار دل کا

انہیں شوق خود آرائی نہ ہوتا — تو اتنا دل بھی سودائی نہ ہوتا

تغافل مجھ سے کیوں کرتے خوبانکا — اگر دعوائے زیبائی نہ ہوتا
تری بدنامیوں کا ڈر ہے ورنہ — ہمیں کچھ خوف رسوائی نہ ہوتا
نہ ہوتے ان کے ہم عاشق تو شاید — انہیں بھی نازِ یکتائی نہ ہوتا

جفا بیشک وہ کم کرتے جو حسرت
ستم جنسِ دلآرائی نہ ہوتا

شوق پہنچا حدِ جنوں کے قریب — بہ ہوا داریٔ دیارِ حبیب
لے چلا پھر کشاں کشاں مجھ کو — دل اسی عرضِ محترم کے قریب
ان کی اس بندہ پروری پر نثار — ہم کہاں در نہ اور کہاں یہ نصیب
خلد ہے کوئے یار ورنہ کہاں — یہ سکون بخشیاں یہ کیف یہ طیب

لو مدینے کو پھر چلے حسرت
دیدنی ہے یہ ماجرائے غریب

دار دوئے معلی کانپور — ۳۴ء

ترے کشتے اے جانِ جانِ محبت — حقیقت میں ہیں کامرانِ محبت
کرم بھی ترا یادگارِ وفا تھا — ترا جور بھی ہے نشانِ محبت
جناں آفریں تم بہارِ تمنا — بہار آفریں ہے خزانِ محبت
جو سرگشتۂ یاس و حیرانِ غم ہو — وہی عقل ہے کامرانِ محبت

زہے قبلۂ دین و ایمانِ حسرت
خوشا رتبۂ آسمانِ محبت

"دار دوئے معلی" کانپور نومبر ۲۹ء

مظہرِ شانِ کبریا صلی علی محمد — آئینہ خدا نما صلی علی محمد

بوجہِ نازِ عارفاں باعثِ فخرِ صادقاں   سرورِ خیرِ انبیا صلِ علیٰ محمدٌ
مرکزِ عشقِ دل کشا مصدرِ حسنِ جاں فزا   صورت و سیرتِ خدا صلِ علیٰ محمدٌ
مونسِ دل شکستگاں پشتِ پناہِ خستگاں   شافعِ عرصۂ جزا صلِ علیٰ محمد

حسرت اگر رکھے ہے تو بخششِ حق کی آرزو
وردِ زباں رہے سدا صلِ علیٰ محمدٌ

مستقل کانپور   ۲۸ء

اب کہاں صبر و قرار کا ہوش   مطربِ عشق ہے ترانہ فروش
ہو رہی ہے صباحِ عشق طلوع   ہو چلے ہیں چراغِ عقل خموش
حلقۂ زاہداں کی ہو حق پر   طعنہ زن ہے ترے جنوں کا خروش
شوقِ فردائے وصلِ یار میں اب   فکرِ امروز ہے نہ شکوۂ دوش

دعویٔ ترکِ مے نہ کر حسرت
حکمِ ساقی اگر ہوا کہ بنوش

اردوئے معلیٰ کانپور   دسمبر ۳۳ء

آشنا ہو کے بوئے یار سے ہم   سخت بیزار ہیں قرار سے ہم
سرمہ لائیں گے بہرِ دیدۂ عشق   کوچۂ حسن کے غبار سے ہم
کام رکھتے ہو جبر و قہر سے تم   جانِ زار و دلِ فگار سے ہم
اپنی یہ سادگی کہ دادِ وفا   پائیں گے اس جفا شعار سے ہم
کر چلیں پھر کہیں نہ کسبِ جنوں   سایۂ ابرِ نو بہار سے ہم
از رہِ بیدلی بہ صحنِ چمن   خوش ہیں گل سے خفا خار سے ہم

عاشقی ہو کہ شاعری حسرت
فرد نکلے ہر اعتبار سے ہم

وفا تجھ سے اے بیوفا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

تری آرزو ہے اگر جرم کوئی
تو اس جرم کی میں سزا چاہتا ہوں

وہ مجھ کو برا جانتے ہیں تو جانیں
میں اس پر بھی ان کا بھلا چاہتا ہوں

تجھے خیلِ خوباں سے ایجابِ خوبی
جدا جاننا ، ماننا چاہتا ہوں

میں بیمارِ غم ہوں، مداوا ہے تمکو
ترے در کی خاکِ شفا چاہتا ہوں

نصیحت گروں کی ملامت سے بیغم
میں اس شوخ کو برملا چاہتا ہوں

اسے بے بتائے وہ خود جانتے ہیں
جو میں اپنے حق میں دعا چاہتا ہوں

تنے زلف و رخ کے تصور کی نعمت
شب و روز صبح مسا چاہتا ہوں

میں اس طرۂ زلفِ مشکیں کو حسرت
پئے غارتِ جاں دوتا چاہتا ہوں

(اردوئے معلی ... ۱۹۰۲)

شکر الطاف نہیں، شکوہ کہ بیداد نہیں
کچھ بھی اب تیری تمنا کے سوا یاد نہیں

گیسوئے دوست کی خوشبو ہے دو عالم کی مراد
آہ وہ نکہت برباد کہ برباد نہیں

محوِ گل ہیں یہ عنادل کہ چمن میں گویا
ترس گلچیں کا نہیں خطرۂ صیاد نہیں

جان کر دی تھی کسی نے ترے قدموں پہ نثار
یہ بھی تو بھول گیا یہ بھی تجھے یاد نہیں

تجھ سے یا تیری محبت سے اسے کیا سرکار
دل جو ناکام نہیں روح جو ناشاد نہیں

شکوۂ چرخ جفا جو سے گزر کر جو کہے
کچھ تجھے بھی، یہ مجالِ لبِ فریاد نہیں

قید مذہب سے بھی کچھ بڑھ کے ہے قیدِ غمِ عشق
حسرت آزاد ہے کہنے ہی کو آزاد نہیں

(... علی گڑھ ۱۹۰۵)

تجھ کو اے محوِ تغافل میری پروا ہی نہیں
حالِ دل کس سے کہتا تو نے پوچھا ہی نہیں

اہلِ دل کے دل میں اے جانِ منِ جانِ جہاں — آرزو بھی ہے تری اک سر میں سودا ہی نہیں
میری بیتابی کا سن کر ہمدموں سے ماجرا — ہنس کے وہ کہنے لگے ہم نے تو دیکھا ہی نہیں
خوب ہو گر دیکھنے آئیں وہ میرا حالِ زار — درسِ عبرت بھی تو ہے خالی تماشہ ہی نہیں

لمدد صیعلی — مر مٹے ان پر تو حسرتؔ اس قدر نازاں ہو کیوں
اس گلی میں کچھ تمہیں کوئی سمجھتا ہی نہیں — جنوری ۳۰ء

وہ دن اب یاد آتے ہیں کہ رہتے تھے ہم دونوں — نہ تھے آگاہ آزارِ غمِ فرقت سے ہم دونوں
نہ کر سکتا تھا باہم فرقِ محبوب و محب کوئی — جدا ہونے لگے تھے جس گھڑی با چشمِ نم دونوں
ستم پر ہے نہ دشمن پر کرم اس شوخِ برفن کا — بہم ہے رشک دونوں کو مگر ہیں وقفِ غم دونوں
جمالِ یار سے روشن ہیں شان و ہر صورت — مرے پیشِ نظر ہیں جلوۂ دیر و حرم دونوں

"سرورش" — دل و جانِ محباں پر ہے یکساں لطفِ عام اس کا
لاہور — نگاہِ یار کے حسرتؔ ہیں ممنونِ کرم دونوں — ۳۱ء

ہم کو ہوش و خرد سے کام نہیں — عشق پابندِ انتظام نہیں
حیف اس دل کی بے ملالی پر — جو ترے غم سے شاد کام نہیں
عالمِ جاں میں نورِ غم کی ضیا — صبح گویا ہے جس کی شام نہیں
کہتے ہو تم بھی سزا ہے تری — ہم کو اس میں بھی کچھ کلام نہیں

جام جب تھا تو مے نہ تھی حسرتؔ
اب جو مینا ملا تو جام نہیں

سلام علیک اے جوارِ مدینہ — جو ہر سراپا بہارِ مدینہ
رہے راحتِ لحظہ و لزوم اینجا — خوشا لطفِ لیل و نہارِ مدینہ

سویدائے دل ہے دل حسنِ حق کا　　نہیں یہ شبِ نور بارِ مدینہ
مشامِ تمنا میں خوشبوئے جنت　　بچھڑے ہیں کہ ہم یادگارِ مدینہ

مدینے چلو کیوں نہ ہر سال حسرتؔ
بلائیں جو خود تاجدارِ مدینہ

(مدینہ منورہ ۲۵، فروری الحجہ ۵۰ ذی)

یادِ شہرِ کوئے یار آنے لگی　　آرزوئے کوئے یار آنے لگی
زلفِ یار اندر ہوائے حسنِ یار　　تارِ رخ نیکوئے یار آنے لگی
شوقِ مخمورِ ہوس ہو نیلگا　　نکہتِ گیسوئے یار آنے لگی
حسن کو نذرِ عقیدت بے شمار　　ہر طرف سے سوئے یار آنے لگی

زخمِ دل دیکھا تو حسرتؔ ہم کو یاد
قوتِ بازوئے یار آنے لگی

اردوئے معلیٰ　　نومبر ۲۵ء

تحسین ہے لب پر ترے دشنام نہیں ہے　　الزامِ تمنا کوئی الزام نہیں ہے
خوبی تری بے قید ہے خواہش مری بیحد　　ان دونوں کے آغاز کا انجام نہیں ہے
ایسا کوئی دنیا میں نہیں عشق نظر باز　　اے حسن دلآرا جو ترا رام نہیں ہے
بیٹھے ہیں تری یاد میں کونین سے فارغ　　اب ہم کو کسی چیز سے کچھ کام نہیں ہے
پرتوِ عشق، دل روشنِ عرفاں　　آئینۂ عالم ہے مرا جام نہیں ہے
برپا ہیں ہر سمت حوادث کے تلاطم　　دریا مری تقدیر کا آرام نہیں ہے

لے　آرام نہیں ہے یعنی ساکن نہیں ہے پر شور ہے۔ محاورہ فارسی میں "دریا ساکن کھتا ہو کو" دریا آرام بود" لکھتے ہیں۔ (حسرتؔ)

دیوانہ ہوں ساقی کی نظر کا مری مستی

حسرتؔ گرد بادۂ گلفام نہیں ہے

(بہ طرح مشاعرہ لکھنؤ)

مرے بعد گزرے وہ مشقِ ستم سے　　ندامت کے پہلو نمایاں ہیں غم سے

نکلنا ہے مشکل دلِ مبتلا کا　　ترے طرۂ زلف کے پیچ و خم سے

بھلائے پہ بھی قصۂ ربطِ ماضی　　بھلایا نہ جائے گا تم سے نہ ہم سے

خموش ان کو دیکھا کئے وقتِ رخصت　　بہے اشک غم بھی نہ فرطِ الم سے

تصوف نے حسرتؔ سنا خوب نغمہ

بیانِ عرب کا زبانِ عجم سے

(اثنائے سفر شملہ ۲۳ جون ۱۹۳۱ء)

ترے غم سے مدد جب دل نے چاہی　　مٹی سب ظلمِ عصیاں کی سیاہی

ہوئی ہے رہنمائے منزلِ حق　　جنونِ شوق کی گم کردہ راہی

ترے مستوں کی اے سلطانِ مستاں　　گنہگاری ہے عین بے گناہی

متاعِ عقل نے مشتاقِ غارت　　ادھر بھی ایک ایمائے تباہی

غلامِ خواجۂ اجمیر حسرتؔ

بجا ہے گر کریں دعوائے شاہی

(اجمیر شریف ۸ رجب ۵۰ ھ)

طلب عادت نہیں اہلِ رضا کی　　یہ لغزش تھی زبانِ مدعا کی

عبادت ہے مرے ذوقِ فنا سے　　اشارت اس نگاہِ آشنا کی

کرم اس جانِ اربابِ وفا کا — مرے حق میں ہے پیغام ہلا کی
بقدرِ شوق اربابِ نظر ہے — ترقی ان کے حسن خود نما کی
عبادت بن گئی ہے عاشقوں کو — حکایت اس جمالِ دلربا کی
اب ان آنکھوں میں ہے صبحِ شب وصل — وہ شوخی کی نہ گنجائش حیا کی

سبب حسرت ہوئی فیضانِ حق کا
نظر لطفِ کبیر الاولیا[1] کی

(مقام پانی پت ۱۲ رمضان ۵۰ھ)

ترا حق ہے بحکم خود نمائی — شہنشاہی بملکِ دلربائی
ہوئی اب تک نہ ہوتی تھی ہو گی — وفا تم سے نہ ہم سے بے وفائی
دماغ عشق عالی تھا جبھی تو — نہ کھینچی حسن کی بھی میرزائی
تصنع تھا تری بیگانگی میں — قیامت ہے یہ طرزِ آشنائی

ملے ان سے تو اب حسرت کسے یاد
بسر کیوں کر ہوا عہدِ جدائی

اردوئے معلی — دسمبر ۳۲ء

فراقِ یار میں حیرت کا طرفہ عالم ہے — کہ اس کے جوش میں گم فرق شادی و غم ہے
جفا شعاری اربابِ حسن کی خاطر — سرِ ارادتِ احباب خود بخود خم ہے
بہارِ باغ کو ہے رنج بے ثباتی کا — کہ چشمِ گل میں نمودار اشکِ شبنم ہے
میں خوش نہیں اثرِ جذبِ دل سے اور کیوں ہوں — کہ پاس آپ کی تکلیف کا مقدم ہے

---

[1] حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیار پانی پتی رح

جگر کے غیر سے حسرتؔ وہ پھر ملے بھی تو کیا

اردوئے معلیٰ   جو پہلے شہد مرے حق میں تھا وہ اب سم ہے   دسمبر ۳۲ء

پھر اک شوقِ بسیار کی آرزو ہے   طوافِ دریار کی آرزو ہے
جو لبریز ہو بادۂ عشقِ حق سے   پھر اس جامِ سرشار کی آرزو ہے
دو عالم کے افکار سے ہو کے فارغ   روانِ سبکسار کی آرزو ہے
نہ ہو کم ترے درد کی جاں نوازی   یہ بھی اور دلِ زار کی آرزو ہے
گناہِ محبت کا بندہ ہوں مجھ کو   جنونِ خطا کار کی آرزو ہے
تن آسانیاں دوسروں کو مبارک   یہاں امرِ دشوار کی آرزو ہے

متاعِ دل و جاں کو ہم لے کے حسرتؔ
چلے ہیں خریدار کی آرزو ہے

(اردوئے معلیٰ، جون ۲۳ء)

دیدۂ دل سے بہارِ حسنِ خوباں دیکھئے   صورتِ انساں میں بھی اک عالمِ جاں دیکھئے
ندرتِ حسنِ دلبری کو قدرتِ حق جانیے   شعلۂ عشقِ بتاں میں نورِ ایماں دیکھئے

شوقؔ[1] کے اصرار نے حسرتؔ اللہ آباد میں

اردوئے معلیٰ   آج پھر ہم کو بنایا ہے غزل خواں دیکھئے   جنوری ۳۲ء

بنے وہ رونقِ محفل جس انجمن میں رہے   رہے بہارِ چمن ہو کے جس چمن میں رہے
قریب ہے کہ ترے سوزِ غم سے میرے لئے   بوجہ نور نہ کچھ فرقِ جان و تن میں رہے

---

[1] پنڈت جگموہن ناتھ سینا بانی مشاعرہ اللہ آباد

زہے نصیب جو ہو میرے حال کو بھی نصیب
وہ ابتری جو تری زلف پر شکن میں رہے

ادب کا ہے یہ تقاضہ کہ تیرے شوق کی بات
بنے نہ کوئی مرے دل میں یا دہن میں رہے

جو فیضِ عشق یہی ہے تو کیا عجب حسرتؔ
کہ امتیاز نہ کچھ شیخ و برہمن میں رہے

"ایوان" گورکھپور جولائی ۴۴ء

دل کو غمِ کونین سے بیگانہ بنا دے
اے جلوۂ جاناں مجھے دیوانہ بنا دے

بدمست سیہ کار کو مخمورِ حق آگاہ
دیکھیں ہمیں کیا ساقیِ میخانہ بنا دے

حالت ہے فقیرانہ مری، وہ شہِ خوباں
چاہے تو فقیرانہ سے شاہانہ بنا دے

دیدار کے لئے ہو سبقِ رشد و ہدایت
گر عشق مرے حال کا افسانہ بنا دے

فرزانگیِ ہوش سے بیزار ہے حسرتؔ
حیرت اسے دیوانۂ فرزانہ بنا دے

"النا ظر" لکھنؤ ستمبر ۴۳ء

محبوب ہیں محبوب کی ہر بات بجا ہے
اب مجھ سے تغافل بھی وہ فرمائیں تو کیا ہے

پھر شکوۂ غم کا مجھے کیوں شوق ہوا ہے
پھر ہنس کے وہ کہہ دیں گے یہی تیری سزا ہے

ہم خوش ہیں بہر حال جفا ہو کہ وفا ہو
وہ یوں کہ محبت کی سزا میں بھی مزا ہے

سونگھی تھی جو اک بار وہ خوشبوئے گریباں
ابتک یہ اسی بوئے گریباں کا نشا ہے

کہنے کو تو ظاہر میں خفا ہم بھی ہیں لیکن
کچھ دل کا عجب حال ہے جب سے وہ خفا ہے

ہم چھلیں کے لے بھی گئے پان آپکے منہ کا
کہتے ہی رہے آپ کہ دیں گے نہ دیا ہے

شرما کے وہ بولے بھی تو کیا، ہم سے دبو ہو،

۱۰ اکتوبر لاہور — اکتوبر ۴۳ء

کیا خوب تری چھیڑ کا حسرتؔ یہ صلا ہے

مجھ سے اے دل انہیں گلا نہ رہے — تو رہے بے قرار یا نہ رہے

شوق کو دل میں، بر بنائے ہجوم — ڈر یہی ہے کہ راستہ نہ رہے

آپ ہی کو کرم کی خو نہ رہی — یا ہمیں درخور خطا نہ رہے

وصل میں ہوئے جسم یار کو آج — شوق سے پردہ قبا نہ رہے

ان سے کیا تم نے کہدیا حسرتؔ
کہ وہ اب کامل جفا نہ رہے

۱۸ دسمبر ۴۳ء

دیوان حسرت

موہانی

حصۂ دوازدہم

جس میں
حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو باوقات مختلف
تکمیل حصہ یازدہم کے بعد

از جنوری ۱۹۳۵ء تا جون سنہ ۱۹۴۰ء
لکھی گئیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ترانۂ حج

مایوس نہ کر کہ میں خدایا … جب تو نے طلب کیا تو آیا
فالحمد کہ آج بعد یکسال … پھر شوق ترے حضور لایا
والشکر کہ بعد سعی بسیار … پھر حاصل دست بوس[1] پایا
یعنی بصد اتمام تقبیل ! … سر تری جناب میں جھکایا
پھر مسجد خیف میں پہنچ کر … خط کیفِ صلوٰۃ کا اٹھایا
مژدۂ عرفات نے پھر اکبار … غفرانِ ذنوب کا سنایا
مزدلفہ کی راہ سے منا تک … پھر شوقِ طواف کھینچ لایا
دسویں ذی الحجہ کو عصر کے وقت … پیغام قبول حج کا آیا

---

[1] دست بوس یعنی تقبیل حجر اسود

موٗمنؔ کی زمیں میں تو نے حسرتؔ

حج کا یہ ترانہ خوب گایا

پسند شوق ہے آب و ہوا مدینے کی ✿ عجب بہار ہے صل علیٰ مدینے کی

بامتیاز بہ تخصیص خواب گاہِ رسول ✿ قلوب اہلِ دلا میں ہے جا مدینے کی

صعوبتوں میں بھی اک راحتِ سفر کی ہے شان ✿ جو یاد رہتی ہے صبح و مسا مدینے کی

علاجِ علتِ عصیاں کی فکر کیا ہو اسے ✿ جسے نصیب ہو خاکِ شفا مدینے کی

سکونِ خاطرِ حسرتؔ بنی وہ ساعت میں

خبر جو لائی تھی بادِ صبا مدینے کی

جوشِ غم کو موجبِ عیشِ فراواں کیجیے ✿ جی میں ہے اب یوں علاجِ دردِ ہجراں کیجیے

گریۂ رنگیں کو وجہِ زیبِ داماں کیجیے ✿ آہِ سوزاں کو چراغِ تجانۂ جاں کیجیے

شکوۂ جور و جفا کو چھوڑ کر، شکرِ ستم ✿ کیجیے اور خوب ساان کو پشیماں کیجیے

غم نہ ہو ممکن تو چار آنسو ندامت کے سہی ✿ کچھ تو آخر حرمتِ خونِ شہیداں کیجیے

آپ ہی کے عشق کا حسرتؔ ہے اس پر بھی اثر

آپ ہی اب حسن کی مشکل کو آساں کیجیے

(برائے مشاعرہ کانپور)

کوئی ان کی بزمِ جمال سے کب اٹھا خوشی سے کہاں اٹھا

جو کبھی اٹھا بھی اٹھائے سے تو اسی طرف نگراں اٹھا

اثرِ تغافلِ یار سے شبِ تار، ہجر میں دفعتاً

ہوئی سوزِ غم کی یہ کثرتیں کہ دل و جگر سے دھواں اٹھا

ہے عجیب دل کش وجاں فزا ترے کوئے حسن کا ماجرا
کہ اسی سے تربتِ عشق کے میں گرا تھا پیرِ جواں اٹھا
یہ خلوص غم کی نہ تھی کمی تو پھر اور کیا تھا کہے کوئی
کہ نہ دانشِ دیرِ دل ہوئی نہ ہنوز پردۂ جاں اٹھا
میں وہ رند بادہ پرست ہوں کہ ہوا جو میکدے میں گزر
پئے خیر مقدم ادھر سے میں تو ادھر سے پیرِ مغاں اٹھا
کوئی عشق بازی کا مشغلہ نہیں کھیل اے دلِ مبتلا
مگر اب کیا ہے یہ حوصلہ تو خوشی سے نازِ بتاں اٹھا
یہ سزا کہاں یہ جزا ہوئی بہ خلافِ خواہشِ مدعی،
پئے قتل حسرتِ ملتجی خود اگر وہ جانِ جہاں اٹھا

(بہ طرحِ مشاعرہ بریلی یکم جنوری ۱۹۳۵ء)

گاہ ہے یکسر لطف گاہے سر بسر بیداد ہیں
دل ربائی کے انہیں کیا کیا طریقے یاد ہیں
مرحبا اے حسنِ غم اے یادگارِ عشقِ دوست
جان و دل تیری بدولت شاد ہیں آباد ہیں
کچھ تو یارے وہ تغافل میں کمی کرنے لگے
جب سے جاں کہ ہم آمادۂ فریاد ہیں
حسنِ صورت میں ترے شامل ہے حسنِ التفات.
ہم انہیں باتوں کے تو گرویدہ ہیں برباد ہیں

چھیڑ دیے بولے وہ حسرتؔ کیوں بھلیں چاہو کہ ہم
بے مروت ہیں، جفا جو ہیں، ستم ایجاد ہیں

مدنی صبح کا عجیب ہے ظہور — قابلِ دید ہے یہ بارشِ نور
نظر آتا ہے پیشِ روئے حضور — اہلِ بینش کو نورِ جلوۂ طور
آپ کا غم ہے عاشقوں کیلئے — فی المثل اک شرابِ نابِ سرور
وائے یہ حالِ عاشقِ محروم — پاس ہو کر بھی ہو جو یار سے دور
مستنیر ان حُبِّ آلِ رسول — اس سے انکار دین کا ہے فتور

طعنِ اغیار پہ ہے ناز مجھے
کہ میں حسرتؔ ہوں مستفیضِ قبور

محبت نے اثر پیدا کیا یہ دل نشیں ہو کر — کہ لب تک شکوہ ہائے حسن کبھی آئے کبھیں گو
ہدایت کا زمانہ تشنہ تھا، اہلِ سویت نے — دکھائی سب کو راہِ حریت بخوف دیں ہو کر

عروجِ ماہ دشمن ہے سکونِ بحر کا حسرتؔ
وہ لیکن باعثِ تسکینِ دل ہیں مہر جبیں ہو کر

آرزوئے حسرتؔ

(حج ۱۳۴۶ھ)

یعنی حسرتؔ موہانی کی تازہ نظم جو براہِ عراق حاضری مدینہ منورہ
کے موقع پر لکھی گئی۔

اے شہِ شاہانِ رسل السلام — حاضرِ دربار ہے پھر یہ غلام

بحر کی آسانیِ رہ چھوڑ کر
خواہشِ آرام سے منہ موڑ کر

بصرہ و بغداد سے تا کاظمین
ہو کے چلا سوئے مزارِ حسین

خوبیٔ قسمت جو ہوئی رہنما
بندہ مولائے نجف بھی بنا

آ کے نجف سے بدیارِ عرب
کھینچے رہِ دشت و جبل کے تعب

پہونچے تو سب ہو گئے تیرِ حضور
رنج میدل بہ سکون و سرور

حاملِ حسرت یہ سفر ہو مدام
بیت بنی سوئے بیت الحرام

[illegible]

تری یاد بے اختیار آ رہی ہے
تمنا کی فصلِ بہار آ رہی ہے

حرم سے ہوا خوشگوار آ رہی ہے
دوائے دلِ بیقرار آ رہی ہے

ترے کہنہ ملبوس کی دھجی دھجی
پئے راحتِ جاں بکار آ رہی ہے

کہوں حال کیا اس کی جاں پر دری کا
جو کعبے سے خوشبوئے یار آ رہی ہے

ہوس دل کی ان سے جدا ہو کے حسرت
سراپا مژۂ اشکبار آ رہی ہے

(بوقت حاضری روضہ)

میسر ہے شاہِ نجف کی غلامی
زہے کامرانی رہے شاد کامی

ملے مجھ کو بھی مثلِ سلمان و بوذر
وہی خواجہ تاشی وہی نیک نامی

وہ تحقیق و علم کیوں نہ ہوں بن گئے ہوا
حقیقت میں شیرِ خدا جسکے حامی

پہونچ کر درِ شاہ مرداں پہ اکثر
خصوصی شرف پا گئے ہیں ہم عامی

نظر آئے مولا کے روضے پہ حسرت
عقیدت کو انوارِ حق مثل جامی[1]

[1] اشارہ بجانب مطلع جامی

قد بدا مشہد مولائی انجمو اجملی — کہ مشاہد شد ازیں مشہدم النوا جلی
ہو گئی بارگہ رب میں وہ بخبر منظور — ہم نے کی تھی جو دعا موسیٰ کاظم کے حضور

پھر حالِ دل قرار سے بیزار ہو چکا — جینا فراقِ یار میں دشوار ہو چکا
واں تک پہنچ پہنچ کے پھر آیا میں بے مراد — ایسا تو اس گلی میں کئی بار ہو چکا
اس شوخ بادہ خوار کو در بابِ سرکشی — اصرار ہے تو ہم سے بھی انکار ہو چکا
رنگینیٔ سرشکِ محبت سے بار ہا — دامانِ آرزو گل و گلزار ہو چکا
اب حسن و عشق سادہ کی وہ پاکیاں کہاں — تم شوخ ہو چکے میں ہوس کار ہو چکا
اہلِ نظر کو دیکھ کے مجبورِ اشتیاق — وہ حسن بے خبر بھی خبردار ہو چکا

حسرت بنازِ عشق بایمائے نازِ حسن
راز آشنائے لذتِ آزار ہو چکا

اس کا جلوہ بہ حجاب عیاں ہے — نمودِ حسن بے صورت کہاں ہے
ملی دل کو مرادِ نامرادی — ترے غم کی بدولت شادماں ہے
فقیرِ بے نوائے درگہہ عشق! — امیرِ بے نیازِ دوجہاں ہے
نکلنے پائے کیوں کر یاد ان کی — درِ دل پر محبت پاسباں ہے

نہ چھوڑی تم نے حسرت عشق بازی
تمنا پیر ہو کر بھی جواں ہے

(کراچی فروری ۱۹۴۶)

خود ہم بلانے لگے دے دے کے وہ قسمیں — باقی نہ کوئی فرق رہا عشق و ہوس میں

موقع ہے عجب کشمکش لطف و ستم کا — قابو میں ہیں وہ ناز کے ہم شوق کے بس میں
نسبت ہے وہی عاشقی حسن میں باہم — فی الجملہ ہوا کرتی ہے جو شعلہ و خس میں
لازم ہے یہاں غلبۂ آئینِ سویت — دو ایک برس میں ہو کہ دس بیس برس میں

یاد ان کی ہوئی وجہ سکوں ہجر میں حسرت
بلبل کے لئے یاد بہار آئی قفس میں

(کان پور ۱۲ ستمبر ۳۶ء)

تیرِ ناز آئے تو ان کا آزمانے کے لئے
پیش کرتے ہیں دل اپنا ہم نشانے کے لئے
میں بھی خوش میرا خدا بھی خوش ہے تیرے درد سے
درد گو وجہ مصیبت ہے زمانے کے لئے
چھیڑ اگر منظور ہے ان کو تو باوصف حجاب
پھر وہ دیکھیں گے مجھے پھر مسکرانے کے لئے
چھوڑ کر وہ چل نہ دیں آخر ز راہِ انتقام
مجھ کو تنہا رات دن آنسو بہانے کے لئے

وہ کہیں پوچھیں تو حسرت کس پہ مرتے ہو کہ ہم
نام تک تیار ہیں اس کو بتانے کے لئے

(اثنائے راہ اجمیر تا کان پور ۱۲ ستمبر ۳۶ء)

قسمتِ شوق آزما نہ سکے — ان سے ہم آنکھ بھی ملا نہ سکے
ہم سے یاں رنجِ ہجر اٹھ نہ سکا — واں وہ مجبور تھے وہ آ نہ سکے

اثنائے راہ کانپور تا شملہ ۲۶ ستمبر ۳۶ء

ڈر یہ تھا ورنہ دیں کہیں وہ نہیں ہم ہنسی میں بھی گدگدا نہ سکے
ہم سے دل آپ نے اٹھا تو لیا پر کہیں اور بھی لگا نہ سکے
اب کہاں تم کہاں وہ ربطِ وفا یاد بھی جس کی ہم دلا نہ سکے
دل میں کیا کیا تھے عرضِ حال کے شوق اس نے پوچھا تو کچھ بتا نہ سکے!

ہم تو کیا بھولتے انہیں حسرتؔ
دل سے وہ بھی ہمیں بھلا نہ سکے

یہ جو آویزہ تیرے کان میں ہے جانِ خوبی مرے گمان میں ہے
وہ جو ہیں جانِ عشق و جانِ جمال ہاں یہ مطلع انہیں کی شان میں ہے
اس نے ہم سے سنی نہ شوق کی بات ہنس کے پوچھا کس زبان میں ہے؛
خود وہ آغازِ عشق میں بھی نہ تھا لطف جو اس کی داستان میں ہے،
شیب میں اب کہاں وہ لطفِ شباب کچھ اگر ہے تو ان کے پان میں ہے

طرفِ حسرتؔ بہ شوخیٔ اشعار
رنگِ جرأت مرے بیان میں ہے

اثنائے راہ شملہ تا سہارن پور ۲۸ ستمبر ۳۶ء

ہم عاشق فاسق تھے ہم صوفی و صافی ہیں
پی لیں جو کہیں اب بھی در خورِ معافی ہیں
بیکار تھی ململ بھی گرمی میں شبِ فرقت
کام آئے گی جاڑے میں فردیں جو لحافی ہیں

عقلوں کو بنا دے گا دیوانہ جمال ان کا — چھا جائیگی ہوشوں پہ آنکھیں وہ غلافی ہیں
ہم شکر ستم کرتے کیوں شکوہ کیا ان سے — آئین محبت کے یہ شیوے منافی ہیں
چھوٹی بھی گو ادا تھی باقی بھی غنیمت ہے — دو گھونٹ بھی ساقی سے مل جائیں تو کافی ہیں
ہم ان کی جفا سے بھی راضی تھے مگر ناحق — اب ہو کے وہ خود نادم سرگرم تلافی ہیں

جدت میں ہے لاثانی حسرتؔ کی غزل خوانی
کیا طرفہ مطالب ہیں کیا تازہ قوافی ہے

(آشنائے راہ بہارن پور رتا کان پور ۲۸ ستمبر)

وجہ کیا خواب میں نہ آنے کی — شرم آتی نہیں ہو نا روٹھ جانے کی
رشک باقی ہے اب نہ کوئی رقیب — نہ ضرورت کسی بہانے کی
غیر ممکن ہے تیرے بعد ہوس — دل کسی اور سے لگانے کی
سرمۂ چشم دلکش تھی بخدا — خاک تیرے غریب خانے کی
مٹ گئیں آپ بھی مٹا کے مجھے — سختیاں خود زمانے کی
اب نہ دل ہے نہ وہ ذخیرۂ شوق — توڑ دو کنجیاں خزانے کی
یعنی کہنے کی ہے غرض نہ ہوس — اب کسی کو غزل سنانے کی

ان کے بعد اب وہ کیا ہوئی حسرتؔ
دلفریبی ترے فسانے کی

آشنائے راہ جہاز بہ جہاز جہاں گیر بعد وفات بیگم حسرتؔ ۸ مئی ۳۷ء
غیر دیکھی ہو غم ہجر سے حالت میری
خواب میں آئے مٹانے وہ شکایت میری

کیسے بھولوں میں خطا کار یہ کہنا ان کا
یاد آئے گی مرے بعد نصیحت میری
دے کے جاں اپنی کیا تائبِ عصیاں مجھ کو
رنج کیا کیا نہ سہے اس نے بدولت میری
خدمتِ شاہِ شہیداں میں سفارش کر کے
اب وہ بے لوث بنا دیں گے ریاضت میری
فکر اور میرے خور و نوش کی اب تک حسرتؔ
ان سے چھوٹی نہ چھوٹے کی رقابت میری

بمقام مکلا ۔ ۱۱ رمئی ۲۷ء

عاشقی کا حوصلہ بیکار ہے تیرے بغیر
آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر
کار و بارِ شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں
دل پہ ذوقِ شاعری اک بار ہے تیرے بغیر
شرکتِ بزمِ سخن سے بھی ہمیں، باوصف عزم
بر بنائے بے دلی انکار ہے تیرے بغیر
جس فراغت کا تمنائی تھا میں تیرے لئے
اب وہ حاصل ہے تو اک آزار ہے تیرے بغیر
دردِ دل جو تھا کبھی وجہ مباہات و شرف
بہر حسرتؔ موجبِ صد عار ہے تیرے بغیر، ۱۱ مئی ۲۷ء

ہوس اچھی ہے اپنے سر کی ہوس
غوث الاعظمؓ کے سنگ در کی ہوس

جلوہ دیکھا تھا جو حرم میں کہیں
پھر بھی دیکھے یہ ہے نظر کی ہوس

لے چلی پھر کہاں بسوئے عراق
خبر یار بے خبر کی ہوس

مانگ بہرِ مریض دل سے دعا
گر ہے درمانِ کارگر کی ہوس

شاہِ جیلاں کی ہے طلب حسرتؔ
ورنہ کب تھی تجھے سفر کی ہوس

عجب انداز ہے فضلِ خدا کا	مدینے کی ہوائے جانفزا کا
نگاہِ لطف اور ہم سے سیہ کار	کرم دیکھو حبیبِ کبریا کا
پڑھے اس روئے روشن سے تمنا	سبق یدٰالدجیٰ شمس الضحیٰ کا
شہنشاہوں سے بھی ہے بڑھ کے رتبہ	ترے کوچے کے ہر ادنیٰ گدا کا

بفرطِ بارشِ انوار حسرتؔ،
نہیں کچھ فرق یاں صبح و مسا کا

اثنائے سفر بیرونِ از جدہ۔ تاریخ ۱۵ فروری ۹۳۶ء مقام طورِ سینا

دل بھی پابندِ تمنا ہے اسی دیدار کا	طور پر جو تو نے جھلکا تھا جمالِ یار کا
عین دانائی ہے نادانی دیارِ عشق میں	کام ہر دیوانہ کرتا ہے یہاں ہشیار کا

طالبِ جنت ہوں کیوں افتادگانِ کوئے حسن — تجربہ ہے جن کو تیرے سایۂ دیوار کا
بندۂ فرمانِ ساقی ہوں مجھے اے شیخ وقت — کس لیے ہو پاس تیری لایۂ دزہنار کا
مذہبِ عشاق ہے بیگانۂ قیدِ رسوم — یاں نہیں حسرتؔ بکھیڑا سبحہ و زنار کا

اثنائے سفر بیروت شام از جدہ تاریخ ۱۵ فروری ۳۹ء درمیان بحر متوسط۔

سامناں ان کے حسنِ طلعت کا — سبب اچھا ہے میری حیرت کا
ختم کرتے ہو کیوں عطا پہ جفا — کچھ تو موقع رہے شکایت کا
یاد اس بے خبر کی پھر آئی — پھر اٹھا دل میں درد شدت کا
ہو نہ جائے ہجوم شوق میں گم — خوف ناصح تری ملامت کا
ہو جو حاصل تری محبت کا — نام راحت ہے اس مصیبت کا
کیا کریں خلاف رسم وفا — شکوہ اس یار بے مروت کا

جانِ حسنِ کلام ہے لاریب
سخن دل شکار حسرتؔ کا

اثنائے راہ جدہ از سوئز تاریخ ۲۵ فروری ۳۹ء باخرۂ زمزم

آپ کے حسنِ جہاں سوز کا جلوہ دیکھا — ہم نے گھر پھونک کے خوب آج تماشہ دیکھا
کیا بتائیں دمِ نظارہ بفرطِ حیرت — کیا نہ دیکھا رخِ زیبا میں ترے کیا دیکھا
دلربائی میں ترے حسن کو پایا بے مثل — جاں نوازی میں ترے ناز کو یکتا دیکھا
کھنچ گئی نور علیٰ نور کی تصویرِ جمیل — بعد کعبے کے جو آنکھوں نے مدینا دیکھا

ہم نہ کہتے تھے یہ لیکا نہیں اچھا حسرتؔ
خاک میں مل کے محبت کا نتیجہ دیکھا

(ایضاً)

آئی جو یادِ یار بصد شانِ اعتنا	محرومیوں سے دل میں اٹھا شورِ مرحبا
بیتاب آرزو ہو نہ کیوں جانِ پاکِ عشق	بکھرے جو دوشِ حسن پہ وہ گیسوئے دوتا
دیکھ اے جفائے یار خدا کے غضب سے ڈر	بے جرم خونِ اہلِ تمنا نہیں روا
بیخود ہیں اہلِ شوق کہ اے نازنینِ حسن	خوشبوئے عاشقی میں بسی ہے تری رِدا
اس حسنِ بے عدیل کی ہو کیا صفت بیاں	پیدا ہیں جس کے نور سے انوارِ کبریا

مجبورِ ہجر پا کے وہ مجھ کو دمِ فراق!
کہیں نہ چھیڑ سے کہہ جائیں بے وفا

(ایضاً)

سوزِ غم ہے یہ کچھ بخار نہیں	تم کو اس کا بھی اعتبار نہیں
کچھ بھی ہو تم سے، طعن یا دشنام	ہم کو واللہ ناگوار نہیں
تھی کبھی یاد ان کی وجہِ سکوں	اب کسی حال میں قرار نہیں
حیف اس دل کی بے ملالی پر	جو ترے درد کا شکار نہیں

سہل کہتا ہوں ممتنع حسرتؔ
نغز گوئی مرا شعار نہیں

تم کو اس بات کا خیال نہیں	ورنہ جینا مرا محال نہیں
حسن کو صبر پر ہے کیوں اصرار	عشق پابندِ اعتدال نہیں!
تم سے رکھتا ہے کون دل کو عزیز	تم نے یہ کیا کہا کہ مال نہیں
حالِ دل سن کے مجھ سے کیوں ہو خفا	ایلچی کو کہیں زوال نہیں

دامنِ شعرِ عشق پہ حسرتؔ
داغِ اہمال و ابتذال نہیں

انثنائے راہ جدہ از سوئیز بحر احمر مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۹ء ماخذہ زمزم

کیا ہو یہ آج پوچھیں گے اس نازنیں سے ہم
تجھ سا جو کوئی ڈھونڈ نکالیں کہیں سے ہم

کہدے نہ ان کے منہ پہ کہیں شوقِ پائبوس
ڈرتے نہیں کچھ آپکی چینِ جبیں سے ہم

کیا بات ہے ترے کرمِ فتنہ خیز کی
واقف ہیں اس خطابِ عتاب آفریں سے ہم

تنہا نہ جاؤ چھوڑ کے ہم کو غمِ فراق
کیونکر اُٹھے گا پوچھ رہے ہیں تمہیں سے ہم

حسنِ بتاں سراجِ طریقِ صفا بنا
حق الیقیں تک آ رہے ہیں عین الیقیں سے ہم

ہمت کا سر جھکا ہے درِ غوثِ پاک پر
پانا جو کچھ ہے پائیں گے حسرت یہیں سے ہم

عاشق وہی کامل ہے جو رسوائے جہاں ہو
شاہد وہی احسن ہے جو بے نام و نشاں ہو

مقصود ہے پابندیٔ آئینِ محبت
ہنسا اگر ہم کو سر سود و زیاں ہو

ایذا طلب عشق ہے میں بیتاب کہ دیکھیں
کب طفل سے وہ شوخِ جفا کار جواں ہو

بیمار غم آئے ہیں شفا پائیں تو جائیں
کیا ورنہ ہمیں تم جو مسیحائے زماں ہو

عارف ہے جو نظارہ حق دلکو ہو منظور
کافر ہے اگر شیفتہ حسنِ بتاں ہو

تم دشمنِ عشاق بہر حال ہو یعنی
آشوبِ نظر فتنہ دل آفتِ جاں ہو

ہم کو تو بھی ملنا ہے وہیں، خاک میں حسرت
معلوم نہیں منزلِ جاناں کہاں ہو

رو چکے پر بھی مجھے بھول نہ جانے والے
اے بدوران سفر خواب میں آنے والے

لے کے آغوشِ محبت میں با قرارِ خطا
ہم بھی ہیں آج انہیں رو رو کے رلانے والے

آج انھیں کے قدموں پر ہے سرِ افرقِ نیاز
جیتے جی تھے جو مرے ناز اٹھانے والے

یہ بھی اک چھیڑ تھی شاید پئے تنبیہ وفا — ورنہ تم یوں تو نہ تھے میرے ستانے والے

نگر دوست ہے محجوب تو ہم بھی حسرتؔ
لب تک اب شکوۂ حرماں لانے والے

دل کو زغمش نشاں ندارد — مرغیست کہ آشیاں ندارد
نفع است ہر آں ضرر کہ از تست — جاں باختنم زیاں ندارد
حکم است بہ نزد من ہر ایاش — گنجایش این و آں ندارد
قول علما چو قول انگلیس — نامعتبر است وجاں ندارد

قانع بہ غم تو جان حسرتؔ
شاد است و سر فغاں ندارد

دن رات کی زق زق بق بق ہے دن رات کا رونا دھونا ہے — کیا تم نے یہ دل میں ٹھانی ہے معلوم نہیں کیا ہونا ہے
تم اور جو چاہو کام کرو نا حق نہ ہمیں بدنام کرو — ہم اور قصور ترک وفا ایسا تو ہوا نہ ہوتا ہے
کھیلے ہم کھیل محبت کا انجام سے ہو کر بے پروا — معلوم نہیں کیا پانا ہے معلوم نہیں کیا کھونا ہے
تم ہم سے چھٹے کچھ ایسی گھڑی ملنے کی نہ پھر امید رہی — اب یاس کی آہیں بھرنا ہیں اور خون کے آنسو رونا ہے

کیا کہتے تھے حسرتؔ ان سے کبھی فرقت میں کسے نیند آئے گی
حالانکہ وہ اب دنیا میں نہیں پھر بھی تمہیں ہر شب سونا ہے

یادِ یارِ بے نشاں آنے لگی — اور یہ پرسش ہیں کہاں آنے لگی
خلوت جنت سے با صد لطف و ناز — کامران و شادماں آنے لگی
بھول بیٹھی تھی جو مدت سے مجھے — آج وہ پھر ناگہاں آنے لگی
کھنچ کے مے خود بارگاہِ زہد سے — تا در پیرِ مغاں آنے لگی

ناز کر حسرتؔ کہ پھر بحثِ کرم
تیرے ان کے درمیان آنے لگی

بازار ہے گر غرب میں خوبانِ جہاں کا
پر گل کی طرح حسن بھی کم بو ہے یہاں کا

غمزے ہیں وہ فطرت ہے نہ وہ ناز میں گرمی
گم پردِ تصنع میں ہے سب جوش بیاں کا

عشاق کی جانب سے تقاضائے وفا پر
کہتے ہیں وہ جھگڑا یہ نکالا ہے کہاں کا

وہ گرم ہو یا سرد وہ خوشبو ہو کہ خوش رو
منظورِ نظر ہے دلِ بے تاب و تواں کا

کیا کہیے کہ رہتا ہے بہر حال تصور
حسرتؔ ہمیں لندن کی اسی آفت جاں کا

تا بپایت رسیدنم ہوس است
مردن دآرمیدنم ہوس است

یا غم تو کہ جانِ اصلِ وفاست
مے راحت کشیدنم ہوس است

بکمال قصور درک و نظر
حسن روئے تو دیدنم ہوس است

شحصت از خیلِ مہوشانِ فرنگ
دیدن و برگذ بدنم ہوس است

از ریاض جمال او حسرتؔ
گل امید چیدنم ہوس است

یہ مری اہل دل سے اس بت کی دیدنی ہے
قصہ ہمارے غم کا یارو شنیدنی ہے

آنکھ اسکی غمزہ پرور بات اسکی نغمہ دربر
یہ نے شنیدنی تھی وہ مے کشیدنی ہے

کیا کیا مزے اٹھیں کے کاوش کے خار غم کے
یاد اس کے ابروؤں کی دل میں خلیدنی ہے

جوشِ جنوں کا ہر دم ہے مجھ سے یہ تقاضا
وہ جیب ہو کہ دامن قطعاً دریدنی ہے

قطع نظر نہ کر تو اس بیوفا سے از خود
آفت یہ اک نہ اک دل حسرت رسیدنی ہے

آنکھ اس کی جو فتنہ بار اٹھی | ہر نظر الاماں پکار اٹھی
لے کے ہر جان کا شکیب جھکی | کر کے ہر دل کو بیقرار اٹھی
خیلِ خوبانِ شام سے وہ حسیں | بن کے سلطانِ روزگار اٹھی
دین و ایماں کی خیر کہاں | جس کی جانب نگاہِ یار اٹھی
کر کے آخر وہ فتنۂ بلتور
دل حسرت کا بھی شکار اٹھی

(مطبوعہ زمانہ ستمبر ۳۹ء)

عیش میری شکستہ حالی کا | عکس ہے ان کی بے ملالی کا
عہد عشرت بھی تیرے ساتھ وہ تھا | کیا زمانہ فراغ بالی کا
حسن تیرا بامتزاج وفا | اک نمونہ تھا بے مثالی کا
پھر وہ آمادۂ خرابی سر | پھر ہے مشتاق پائمالی کا
مہرباں ہو کے پاس کچھ تو کرو
لبِ حسرت کی بے سوالی کا

(فی البدیہہ [illegible])

۱۰ ستمبر ۳۹ء

رعنائی میں حصہ ہے جو قبرس کی پری کا | نظارہ ہے مسحور اسی جلوہ گری کا
رفتارِ قیامت تو نہیں کیا کم تھی پھر اس پر | اک طرہ ہے فتنہ تری نازک کمری کا
پوشاک میں کیا کیا تھے مزین نقش ہیں دل کش | باعث نہ یہی شوق کی ہوں جادہ دری کا
لاریب کہ اس حسن دل افگار کی سرخی | موجب ہے مرے زہد کی عصیاں نظری کا
باوصفِ تلاش ان کی خبر کچھ بھی نہ پا کر | کیا کہئے جو ہے حال مری بے خبری کا

([illegible])

جب سے یہ سنا ہے کہ وہ ساکن ہیں یہیں کے
عالم ہے عجب شوق کی آشفتہ سری کا

ساتھ ان کے جو ہم آئے تھے بیروت سے حسرت
یہ روگ نتیجہ ہے اسی ہم سفری کا

۱۴ ستمبر ۱۹۳۹

یونان کو مدت سے تھی مو ہان سے نسبت
شاید ہے مجھے بھی اسی عنوان سے نسبت۔

مائل جو ہوئے اس بت کافر کے اب ان کو
کچھ دین سے رغبت ہے نہ ایمان سے نسبت۔

حاصل ہے وہی مجھ کو ترے ساتھ سفر میں
فی الجملہ جو آقا کو ہو دربان سے نسبت

از بسکہ یہی میری کلرکی کا ہے مسکن
مجھکو بھی ہے اس خطہ یونان سے نسبت۔

ہر یوں ہے مجھے وہی گویا ہے تعلق
حسرت جو کسی جسم کو ہو جان سے نسبت

اب وہ فرماتے ہیں کیوں تم نے دکھائیں آنکھیں
آپ نے مفت میں رو رو کے سجائیں آنکھیں

مضطرب ہم بھی رہے رات تڑپ کر کاٹی
دل بھی بے چین رہا ان کی بھی آئیں آنکھیں

حسن مغرب میں ہمیں ساعد و گیسو کے سوا
اور بھی کچھ نظر آیا تو وہ بھائیں آنکھیں

رات مجھ ملزم پابوس کو از راہ کرم
سرزنش کچھ بھی نہ کی خود وہ لجائیں آنکھیں۔

داغ لگ جائے گا دامان وفا میں حسرت
تم نے دیکھو جو کہیں اور لگائیں آنکھیں

مدادائے دل دلوانہ کرتے
یہ کرتے تب ہم تو کچھ اچھا نہ کرتے

وفا صادق اگر ہوتی ہماری
وہ کرتے بھی تو جور اتنا نہ کرتے

ہم اچھا تھا جو بہر پردہ پوشی
محبت کا تری چرچا نہ کرتے

(۲۰ مئی ۱۹۲۹)

ہماری فتنہ پردازی کا شکوا
جو ہم کرتے تو کچھ بے جا نہ کرتے

نگاہیں عاشقوں کی تھیں ہوس کار
وہ کیا کرتے اگر پردا نہ کرتے

جو پھر ملنے کی ہوتی کچھ بھی امید
تو ہم اس کے لئے کیا کیا نہ کرتے

طلب کا حوصلہ ہوتا کہ تو اک دن
خطاب اس بت سے بیباکانہ کرتے

ہمارا پاس انھیں کچھ بھی جو ہوتا
کسی کی اور ہم پروا نہ کرتے

شکیبائی کا دم رکھتے تو حسرتؔ
انہیں یوں شوق سے دیکھا نہ کرتے

چاہیں نہ کبھی درد محبت کی دوا ہم
کہتے ہیں جو پابندی آئین وفا ہم

آزار ترے شوق کا ہے جانِ تمنا
کوئی کہے کچھ بھی اسے کہتے ہیں شفا ہم

آرائش گیسو میں ہے مشغول وہ بدخو
ایسے میں اسے چھیڑ کے دیکھیں تو بھلا ہم

کیا پائیں ترے جلوۂ مخمور کی لذت
چکھ دیکھیں نہ جبتک یہ ہے ہوش ربا ہم

خواہش کی باصرار یہ پرسش ہے تو کیوں ہے
ہمسے کہ بہر حال ہیں راضی برضا ہم

کر لیجئے کرتا ہے جو کچھ لطف و مدارا
پھر گردشِ دوراں میں کہاں آپ کجا ہم

تحریتِ کامل کی قسم کھا کے اٹھے ہیں
اب سایۂ پرتش کی طرف جائینگے کیا ہم

گاندھی کی طرح بیٹھ کے کیوں کاتیں گے چرخہ
لیتن کی طرح دیں گے نہ دنیا کو ہلا ہم

اعلان کی تصدیق بس اثبات ہے حسرتؔ
مسلم ہیں، تو دیں کر نہ رہیں گے بخدا ہم

ہم لات کو اٹلی کے حسینوں کی کہانی
سنتے رہے رنگینیٔ دریا کی زبانی

آنکھوں کا تبسم تھا مرے شوق کا موجب
چتون کی شرارت ہے مری دشمن جانی

ہونٹوں کے قریب آئی جو وہ زلفِ معنبر
جھٹ چوم لیا ہم نے طبیعت ہی نہ مانی

ہوتی جو خبر اس کی تو کیا کیا نہ بگڑتی — ڈر پلنے غنیمت ہے کہ یہ بات نہ جانی

اٹلی میں تو کیا میں تو یہ کہتا ہوں کہ حسرت
دنیا میں نہ ہوگا کوئی اس شکل کا ثانی

دل شکاری میں نہیں دخل سرمو تیرا — کام کرتی ہے تری نرگس جادو تیرا
مشک و عنبر میں یہ تفریح کے سامان کہاں — پیرہن ان سے بھی کچھ بڑھ کے ہے خوشبو تیرا
دل پذیری کے ہر انداز کی ہے تجھ سے نمود — رخ بھی رنگیں ہے ترا قد بھی ہے دلجو تیرا
شکل زیبا ہے تری شہرۂ دنیائے جمال — کشور حسن میں چرچا ہے بہر سو تیرا
جان عاشق کے لئے عیش محبت بن کر — پئے آزار ہوا عقرب گیسو تیرا
کج ادائی کا تری ہم بھی نہ دیدیں گے جواب — تو نہ میرا ہے نہ میں اے بت بدخو تیرا

آہ وہ رات کہ اس رات کو باوصف حجاب
سر حسرت کے لئے وقف تھا زانو تیرا

تمہارا ناز فرمانا برا ہے — ہمارا ہوش میں آنا برا ہے
ترا ہر بات پر اے حیلہ پرور — مرے سر کی قسم کھانا برا ہے
تکلف سب سے کر اے جان محفل — مجھی سے یہ ترا شرمانا برا ہے
یہی کہدو کہ اب ملنا نہ ہوگا — یہ تڑپانا یہ ترسانا برا ہے
مری ہر دم کی بے تابی سے جل کر — وہ کہتے ہیں یہ دیوانا برا ہے
مرے دل سے ہے راضی غم تمہارا — نہ کہنا اب یہ کاشانہ برا ہے
یہی کہدے نہ اک دن اے ستم گر — تری حاجت کا بر لانا برا ہے
وہاں بھی کیا نہیں اصنام پندار — تو کیوں مسجد سے بتخانہ برا ہے

یہ ملک تمنا بصد طرفہ کاری — ترا شوق کرتا رہے شہریاری
ترے در پہ عشاق اے شاہِ خوباں — غلاماں کرتے رہیں جاں نثاری
رضا تیری ثابت ہے اپنی خوشی سے — مقدم بآئین خدمت گزاری
تری نذر کو لائے ہیں نقد جاں ہم — بصد عذر خواہی بصد شرمساری

شرف رکھتی ہے پادشاہی پہ بیشک
مدینے کی حسرت غریب الدّیاری!

کھلے جس سے گلہائے امیدواری — سواری تری ہے کہ بادِ بہاری
جز افزائش غم جدا ہو کے تم سے — ہمیں کیا ملا حاصل اشکباری
ترے درد میں سخت مشکل ہے ساقی — کہ باقی رہے رسم پرہیزگاری
خود ان پر نہیں روشن اے کاش ہوتی — جو ہے ان کی فرقت میں حالت ہماری

وہ قائم ہیں خوئے تغافل پہ اب تک
نہ کام آئی حسرت مری بے قراری

مصیبت بھی راحت فزا ہو گئی ہے — تری آرزو رہنما ہو گئی ہے
یہ وہ راستہ ہے دیارِ وفا کا — جہاں بادِ صرصر صبا ہو گئی ہے
میں درماندہ اس بارگاہِ عطا کا — گنہگار ہوں اک خطا ہو گئی ہے
ترے رتبہ دانِ محبت کی حالت — ترے شوق میں کیا سے کیا ہو گئی ہے

پہنچ جائیں گے انتہا کو بھی حسرت
جب اس راہ کی ابتدا ہو گئی ہے

ترے غم کی ناشادیاں چاہتا ہوں!
محبت کی بربادیاں چاہتا ہوں
میں اس قید کی سرفرازی پہ نازاں
تمنا کی آزادیاں چاہتا ہوں
میں ویرانہ دل میں اس نورِ جاں کے
تصور کی آبادیاں چاہتا ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمۂ دیوانِ حسرت موہانی

جس میں

سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے ایڈیٹر رسالہ اردوئے معلی علیگڈھ

کی

چند ابتدائی غزلیں درج ہیں جو موہان فتحپور اور
علی گڑھ میں بزمانہ طالب علمی لکھی گئیں۔

از ۱۸۹۴ء تا ۱۹۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں بھی امیدوار ہوں باغ نعیم کا آخر گنہگار ہوں کیسے کریم کا
وابستۂ حکیم ازل ہے مرا علاج واقف نہیں کوئی مرے حال سقیم کا
آوارگی پسند ہے صحرائے شوق کی طالب نہیں خدا سے میں عقل سلیم کا
حد سے نہ بڑھ چلیں تری غفلت شعاریاں کر کچھ تو پاس میری وفائے قدیم کا
ہے بوئے شوق سے جو معطر مشام جاں ارماں نہیں ہوائے جناں کی شمیم کا
حاجت نہیں کہ اس سے کروں عرضِ آرزو بندہ ہوں میں خدائے کریم و علیم کا

حسرت مجھے پسند نہیں طرز لکھنؤ
پیرو ہوں شاعری میں جناب نسیم کا

خنجرش ماند از روانیہا شکوہ دارم ز سخت جانیہا
منم دگر یہ نہانیہا! رفت یاد دست شادمانیہا
بدلش نالہ ام نہ کرد اثر تا چہ آید زبے زبانیہا
نیز دل لطفِ نوازشش پیدا منم و پرسش نہانیہا
بدلم دخلِ شادمانی نیست می کند پاس پاسبانیہا
بخیالش دلم تسلی شد میہماں کرد میزبانیہا

بکہ گوئیم فسانۂ حسرت
کہ کند آہ را ندیدہا

مجھے ہو خواہشِ بالِ ہما کیا — نہیں میں ان کے کوچے کا گدا کیا
جو آنا ہے تو آؤ بے تکلف — یہ عرضِ جلوۂ حیرت فزا کیا
نہیں ہے خاطرِ خرّم کی پروا — مجھے کم ہے دلِ دردآشنا کیا
نبھی بیماریِ الفت سے برسوں — کریں اب ہم تمنائے شفا کیا
دلِ وقفِ الم ہاں پھر تو کہنا — وہ رنجِ ہجر کا ہے ماجرا کیا
نہ ہو مجھ سا کوئی محوِ تمنا — ہوا کرتی ہیں باتیں دل سے کیا کیا
گرا پائے ساقی پر نشے میں — ترا اے لغزشِ پا پوچھنا کیا
یہ کہتا ہے مردِ ستِ تمنا — حیا ان کی بنا لے گی مرا کیا

ہوا حسرت مجھے پھر ذوقِ صحرا
جنوں نے پھر مجھے سمجھا دیا کیا

نہ ہوگی شفا چارہ گر دیکھ لینا — نہ جائے گا دردِ جگر دیکھ لینا
وہ شرمائے بیٹھے ہیں گردن جھکائے — غضب ہو گیا اک نظر دیکھ لینا
نہ بھولے گا وہ وقتِ رخصت کسی کا — مجھے مڑ کے پھر اک نظر دیکھ لینا
وہ شرمائی صورت وہ نیچی نگاہیں — وہ بھولے سے ان کا ادھر دیکھ لینا

کہاں ہم کہاں وصلِ جاناں کی حسرت
بہت ہے انہیں اک نظر دیکھ لینا

دردِ الفت کیا کہوں کیا ہو گیا — روحِ جسمِ جانِ شیدا ہو گیا

مانعِ فریاد اب کوئی نہیں
مجھ کو سمجھے لوگ سودا ہو گیا

گریۂ بے تاب نے رسوا کیا
حالِ دل سب آشکارا ہو گیا

بار بار آتا ہے یہ کس کا خیال
بیخودی بتلا مجھے کیا ہو گیا

ان کی ہمنامی تو حاصل ہو گئی
غم نہیں حسرتؔ جو رسوا ہو گیا

میری نگہ شوق کا شکوا نہیں جاتا
سوتے میں بھی وہ پاس سے دبکر نہیں چلتا

پاس ان کے تصور میں بھی جایا نہیں جاتا
سر سے قدمِ ناز لگایا نہیں جاتا

جاکر کوئی اس محوِ تغافل سے یہ کہہ دے
اب تو دلِ بیتاب سے تڑپا نہیں جاتا

کرتے تھے کبھی جو صلۂ ترکِ محبت
اب صدمۂ دوری بھی اٹھایا نہیں جاتا

اصرار نہ احباب کریں سیرِ چمن کا!
میں کشتۂ دوری نہیں جاتا نہیں جاتا

اب اس کو تغافل نہ کہوں میں تو کہوں کیا
کیا خواب میں بھی آپ سے آیا نہیں جاتا

امید نہیں ان سے ملاقات کی ہر چند
آنکھوں سے مگر شوقِ تماشا نہیں جاتا

گھبرا کے کہا صبر نے بیتابیٔ دل سے
اب مجھ سے دلِ زار میں ٹھہرا نہیں جاتا

واللہ تجھے چھوڑ کے اے کوچۂ جاناں
حسرتؔ سے تو فردوس میں جایا نہیں جاتا

کیا کہوں تم سے مدعا کیا ہے؟
کاوش میں خود ہی جانتا کیا ہے

ہاں دلِ درد مند پھر تو ذرا
وہ تپِ غم کا ماجرا کیا ہے

حکم پر ان کے جان دیتا ہوں
میں نہیں جانتا قضا کیا ہے

میں تو رونے پہ خود ہوں آمادہ
لے غمِ یار چھیڑتا کیا ہے

زیرِ دیوارِ یار رہتا ہوں!
حاجتِ سایۂ ہما کیا ہے

مستِ صہبائے شوق ہوں حسرتؔ
ہوش جانے مری بلا کیا ہے

کیا تم کو علاجِ دلِ شیدا نہیں آتا
آتا ہے پر اس طرح کہ گویا نہیں آتا

ہو جاتی تھی تسکین سو اب فرطِ الم سے
اس بات کو رو دیتے ہیں کہ رونا نہیں آتا

تم ہو کہ تمہیں وعدہ وفائی کبھی نہیں خو
میں ہوں کہ مجھے تم سے تقاضا نہیں آتا

ہے پاس پہ کس کی نگہِ محوِ حیا کا
لب تک جو مرے حرفِ تمنا نہیں آتا

ان کی نگہِ مست کے جلوے ہیں نظر میں
بھولے سے بھی ذکرِ مے و مینا نہیں آتا

شوخی سے وہ معنائے ستم پوچھ رہے ہیں
اب لفظِ جفا بھی نہیں گویا نہیں آتا

میں درد کی لذت سے رضامند ہوں حسرتؔ
مجھکو ستمِ یار کا شکوا نہیں آتا

(اردوئے معلی ۱۹۰۱ء)

جوشِ ارماں میں خیالِ رخِ زیبا نہ رہا
کثرتِ شوق سے یارائے تماشا نہ رہا

پھیر لی پیرِ خرابات نے جب چشمِ کرم
ہمکو بھی حوصلۂ ساغر و مینا نہ رہا

کام بیمارِ محبت کا شفا سے گزرا
خواہشِ مرگ ہوئی شوقِ مسیحا نہ رہا

میرے اظہارِ وفا کی انھیں پروا نہ رہی
ان کی تخصیصِ جفا کا مجھے دعویٰ نہ رہا

اب تو ہیں وحشتِ حسرتؔ کے فسانے مشہور
زورِ دیوانگیِ قیس کا چرچا نہ رہا

(اردوئے معلی ۱۹۰۹ء)

تصور میں بھی ان کے کچھ عجب عالم نکلتا ہے
اسی پر تو مری حیرانیوں کا دم نکلتا ہے

وہ ظاہر میں عبث دلدادۂ بیگانہ خوئی ہیں
کہیں دل سے خیالِ الفتِ باہم نکلتا ہے

دل مایوس میں ہوتا ہے خون آرزو حسرتؔ
وہی آنکھوں سے بن کر اشک غم ہیم نکلتا ہے

(اگست ۱۹۰۱ء مشاعرۂ علی گڑھ کالج)

دل کہ فکرِ وصال کرتا ہے
شوقِ امرِ محال کرتا ہے

عشقِ رفتارِ یار کافی تھا
چرخ کیوں پائمال کرتا ہے

دلِ مضطر کی سادگی دیکھو
پھر انہیں سے سوال کرتا ہے

شرمِ عصیاں سے غرق کا سامان
عرقِ انفعال کرتا ہے

دلِ مایوس بھی عجب شے ہے
پھر اسی کا خیال کرتا ہے

تو گرفتارِ عشق ہے حسرتؔ
تجھ کو ناداں خیال کرتا ہے

(۱۹۰۰ء)

میں ضبطِ غمِ شوق کا دعوی چھوٹا
ہاتھ سے دامنِ صبرِ دلِ شیدا چھوٹا

جب سے اس شوخ سے اگلی سی محبت نہ رہی
گلۂ ترکِ ملاقات کا جھگڑا چھوٹا

اب نہیں کوئی بھی ارمانِ خوشانا کامی
ایک آفت سے دلِ وقفِ تمنا چھوٹا

واقفِ بیخودیِ عشق سے پوچھے کوئی
قیس کے ہاتھ سے کیوں دامنِ لیلیٰ چھوٹا

نہ رہی دشت نوردی کی ہمیں بھی حسرتؔ
جس سے جس روز سے وہ بادیہ پیما چھوٹا

(۱۲ ۱۹۰۰ء)

غم پرخوں سے بہا کرتا ہے اک نالا پڑا
آہ کس نا آشنا سے تھا ہمیں پالا پڑا

نا امید دل سے گیا تھا جانبِ ملکِ اثر
سو وہاں ناکام لوٹے ہے مرا نالا پڑا

ٹک ٹھوکر سی بھی اے شوخِ بے پروا خرام
رہگذر میں ہے تری اک آرزو والا پڑا

آ چکا تھا میں بیان اس شعلہ رو کے حسن کا
سو لبِ تقریر میں گرمی سے چھالا پڑا

کرتی تھی لیلائے شب فدیۂ کامل نثار (ق) سو رہا تھا بام پر وہ گیسوؤں والا پڑا

اس شرابی کا وہ عالم آجتک نظروں میں ہے
حسرت دیوانہ دل پھرتا ہے متوالا پڑا!

بیتاب نظر آیا بدنام نظر آیا — عاشق جو نظر آیا ناکام نظر آیا
ناکامی ہجراں نے یہ رنگ جہاں بدلا — جو صبح کا جلوہ تھا سو شام نظر آیا
اے آہ دل عاشق دیکھیں تری تاثیریں — پہلے سے بھی وہ بڑھ کر خودکام نظر آیا
اللہ ری محرومی اللہ ری ناکامی — جو شوق کیا ہم نے سو خام نظر آیا
اس شغل سے آنکھوں کو دم بھر جو نہیں فرصت — رونے ہیں وہ کیا ایسا آرام نظر آیا
ہم جس کو سمجھتے تھے سرمایۂ آزادی — وہ عشق بتاں آخر اک دام نظر آیا

رسوائی کی گلیوں میں پھرتا ہے پڑا حیراں
یہ عشق کا حسرت کے انجام نظر آیا!

موسم گل میں وہ چلنا بادِ عشرت تیز کا — یاد ہیں وہ مستیاں وہ توڑنا پرہیز کا
ہمنے دیکھا ہے جنوں شوریدگانِ شوق کا — مت سنا واعظ فسانہ شورِ رستاخیز کا
سیکڑوں کو کر دیا دل باختہ جاں باختہ — ہائے عالم اس کی رفتارِ قیامت خیز کا
وہ بگڑنا بھی کبھی مجھ سے تو منے کیلئے — یاد ہے انداز تیرے جور لطف آمیز کا

پیرو تسلیم ہوں شیدا اُئے انداز نسیم!
شوق ہے حسرت مجھے اشعار حسرت خیز کا

عاشقم با طرب چہ کار مرا — میکشد رنج انتظار مرا
چشم مستش بعشق داد سبق — بے خبر کرد و ہوشیار مرا

من حیراں کجا و عقل کجا! ناصحا یا جنوں گزار مرا
یاد آں نازنین حشر خرام ہیچ نگذاشت از قرار مرا
درد دل را دوا نمی خواہم کاں ز یار است یادگار مرا
ہیچ ناید ز نسبتش حسرت
از غم عشق ناگوار مرا

آج وہ شوخ جو نوشاہ بنا ملکِ خوبی کا شہنشاہ بنا
رخِ رنگیں پہ وہ رنگیں سہرا دلربائے دلِ آگاہ بنا
جلوۂ حسن نکھر سے دل پر حشر بنا تھا سو ناگاہ بنا
جب ملی جذبۂ شادی سے حیا گاہ بگڑا وہ حسیں گاہ بنا
بے نقابی پہ جمالِ رخِ یار مظہرِ قدرتِ اللہ بنا
نگہِ ناز کی تمکیں بڑھی حسنِ ذیشان سے ذیجاہ بنا
دلِ حسرت بھی کہ تھا محوِ الم
آج شادی کا گزرگاہ بنا

کیا پوچھتے ہو عاشقِ بیمار کا مزاج آہ اس فدائے لذتِ آزار کا مزاج
شاید تم اپنے ہاتھ سے دو گے اُسے سزا ہے عرش پر تمہارے گنہگار کا مزاج
عادت اسے بھی ہو گئی رونے کی بے سبب میرا سا ہو گیا مرے غم خوار کا مزاج
کس کس کا خون آج نہ جانے دیکھیے بگڑا ہوا ہے یار کی تلوار کا مزاج
میرا نشاں مٹانے تامل ہے اسمیں کیوں اللہ رے ان کی شوخیِ رفتار کا مزاج
وہ اور دیکھے عاشقِ بیکس کے حال کو کس نے بدل دیا نگہِ یار کا مزاج

میں کیا کہوں کہ شرم سے کیسے جھکا کے سر
پوچھا انھوں نے حسرتِ بیمار کا مزاج

بڑھ گئی ہے انکے آجانے سے شانِ روزِ عید — آسماں پہ ہے دماغِ رتبہ دانِ روزِ عید
ہو رہا ہے میزباں محو تماشائے جمال — میہمانِ بیخودی ہے میہمانِ روزِ عید
بیقراری اپنی کر دوں اپنی شوخی پر نثار — اور آخر کیا انہیں دوں ارمغانِ روزِ عید
وہ حیا پرور ملا کس طرح مجھ سے کیا کہوں — بیخودی افزا ہے ایسی داستانِ روزِ عید
بے رخی ہے آج کی رسمِ مروت سے بعید — کچھ تو کر اے حیلہ جو پاسِ نشانِ روزِ عید
ہوں خیالِ خاطرِ احباب سے ظاہر میں خوش — ورنہ میں مہجور اور خوش ہوں میانِ روزِ عید

خاطرِ غم دیدۂ حسرت ہے محوِ غم ہنوز
کر چکے ہیں بارہا ہم امتحانِ روزِ عید

[illegible]

گزر گئی حد سے پائمالیٔ عتاب ترکِ کلام کب تک — رہیگی مسدود اے ستمگر رہِ پیام و سلام کب تک
بہت ستاتی ہے اسکی دوری تلافیٔ غم بھی ہے ضروری — ہو جلد صبحِ وصال یارب رہیگی فرقت کی شام کب تک
مریدِ پیرِ مغاں ہوں آخر مجھے خطر کیا ملامتوں کا — خیالِ ناموس و ننگ چھوڑوں رہیگی پر دامِ کب تک
قفس میں صیاد بن کے ہیں تو برحم پر چھوڑ ہی دے — میانِ امید و بیم آخر رہینگے ہم زیرِ دام کب تک
اگرچہ خود دلفگار بھی ہیں مگر تغافل شعار بھی ہیں — وہ کر چکے تجھ پہ لطف حسرت آرزوہائے خام کب تک

جنوری ۱۹۱۲ء [illegible]

کچھ عرضِ حال کرنے نہ پائے کسی سے ہم — کس طرح شکوہ سنج نہ ہوں بیخودی سے ہم
دھومیں مچی ہیں آمدِ فصلِ بہار کی — مانوس دل کو پاتے ہیں دیوانگی سے ہم
واعظ بیانِ روضۂ رضواں سے فائدہ — آگاہ ہو چکے ہیں کسی کی گلی سے ہم
ناکامیوں پہ اپنی ہنسی آ گئی تھی آج — سو کتنے شرمسار ہوئے بیکسی سے ہم

اللہ رے مزاج کی حسرت پرستیاں — گویا کہ آشنا ہی نہیں ہنسی سے ہم

ہمدردی الم سے بڑھا اور بھی الم — باز آئے ہمنشیں تری اس دوستی سے ہم

کیا پوچھتا ہے لطف التہائے شوق کا — ملتے ہیں ایسے رنج سے بھی کس خوشی سے ہم

وہ برسرِ جفا ہیں تو ہم مائل وفا — تنگ آ گئے ہیں شوق کی دل بستگی سے ہم

ابر بہار ہیں نہ ہوائے جناں رہی — بھی نہ ہاتھ کھینچ سکے مے کشی سے ہم

ملتا نہیں جو ہوش کا اپنے کہیں پتا — اب اسکا حال پوچھیں گے وارفتگی سے ہم

کس درجہ دل پذیر ہے حیرانیٔ جنوں — فارغ ہیں شوقِ عزت و فرزانگی سے ہم

حسرت ہیں وقف پیرویٔ مومن و نسیم — کیوں سلسلہ ملائیں کسی لکھنوی سے ہم

[illegible] ۱۹۱۲ء

جفا سے بعد مردن بھی ہمیں وہ شاد کرتے ہیں — لگا کر ٹھوکریں خاکِ لحد پر یاد کرتے ہیں

فغاں لب تک نہیں لاتے کبھی ہم یادِ گلشن میں — قفس میں بھی خیالِ خاطرِ صیاد کرتے ہیں

کہیں کیا ہجر میں کیونکر دلِ مضطر بہلتا ہے — نہ پوچھو کیسے تسکینِ دلِ ناشاد کرتے ہیں

نہیں ہیں بے سبب اشکِ ندامت انکی آنکھوں میں — وہ میرا گریۂ ناکام شاید یاد کرتے ہیں

جفائے ناروائے یار کا شکوہ کر حسرت — کہیں دلدادگانِ درد بھی فریاد کرتے ہیں

ستائیے نہ مجھے یوں ہی دلفگار ہوں میں — رلائیے نہ مجھے خود ہی بے قرار ہوں میں

برا نہ مانیے اے کج ادائے جاناں — بگڑ کے تجھ سے نہایت ہی شرمسار ہوں میں

انہیں نے توڑ کے توبہ شراب پلوائی — رہیں ابر ہوں منت کشِ بہار ہوں میں

گئے وہ دن کہ تمنائے وصالِ یار کی تھی — یہ حال اب ہے کہ ممنونِ ہجرِ یار ہوں میں

ترا یہ رنگ کہ ہے بے سبب خفا مجھ سے — برا یہ حال کہ بے وجہ بے قرار ہوں میں

نہ دوں بہشت کے بدلے میں ایک جام خزر — نہ آفتاب سے بدلوں وہ بادہ خوار ہوں میں

وہ دردمند ہوں حسرت کہ اب بجائے ستم ۔۔۔ کرے جو لطف بھی کوئی تو اشکبار ہوں میں

زہد و تمکیں ہوش رندوں میں نہ میخواروں میں ہوں ۔۔۔ بیخود ہر دو جہاں ہوں تیرے سرشاروں میں ہوں

بیخودی ہائے محبت کا نہ پوچھو حال کچھ ... ۔۔۔ بے خبر ظاہر میں ہوں باطن میں ہشیاروں میں ہوں

درد الفت سے نہیں واقف مگر کیا کم ہے یہ ۔۔۔ عاشقانِ درد کے میں کفش برداروں میں ہوں

اے خوشا قسمت شرابِ بیخودی کا ہوں خراب ۔۔۔ اے زہے تقدیر ان آنکھوں کے بیماروں میں ہوں

بیوفائی تجھ کو کیا معلوم کہتے ہیں کسے ۔۔۔ وہ مری سرکار میں انکے وفاداروں میں ہوں

لے گئی ہے بیخودی کیا جانیے مجھ کو کہاں ۔۔۔ میں نہیں ہوں محفلِ یاراں میں گو یاروں میں ہوں

بیخودی میں کیا ہوا کرتا ہے کیا جانے کوئی ۔۔۔ سب سمجھتے ہیں یہی مجھ کو کہ بیکاروں میں ہوں

خفتہ بختانِ محبت کا یہ کہنا ہے نصیب ۔۔۔ ظاہرا سوتا ہوں میں باطن بیداروں میں ہوں

نامِ آزادی زباں پر بھی حسرت آئے کیوں ۔۔۔ کس کے آخر دامِ الفت کے گرفتاروں میں ہوں

(۱۸۹۴ء نمبر ۵)

ہو جفا ہم پہ نہ ہم شکوۂ بیداد کریں ۔۔۔ تا کجا خاطرِ بےرحمیِ صیاد کریں!

طعن وہ بعد کو دیں مستِ محبت کا مجھے ۔۔۔ پہلے خود بیخودیِ عشقِ عدو یاد کریں

بسملِ شوق ہیں ملتا ہے تڑپنے میں مزا ۔۔۔ سخت جانی کا گماں ہم پہ نہ جلاد کریں!

کیا سمجھتا ہے اسیرانِ قفس کو صیاد ۔۔۔ دل ہلا دیں جو کبھی درد سے فریاد کریں

اور رہ جائے گی بیچین طبیعت حسرت ۔۔۔ عیشِ ایامِ تمنا کو نہ ہم یاد کریں

(۱۸۹۵)

بسر کی عمر ساری کوئے جاناں کی گدائی میں ۔۔۔ بلا جانے مری کیا ہیں مزے فرماں روائی میں

نہیں معلوم یہ کس کعبۂ ارماں کی چوکھٹ ہے ۔۔۔ کہ سر اپنا جھکا جاتا ہے شوقِ جبہہ سائی میں

خیالِ یار سے تسکینِ خاطر ہو تو ہو شاید ۔۔۔ تسلی اور دیگا کون شبہائے جدائی میں

نہ ہے بیکس نوازی وہ دلِ بیمار پہ میرے ۔۔۔ نہیں کرتے ستم مشہور ہیں گو کج ادائی میں

جواب نامہ بلکہ شوق سے محروم ہیں حسرتؔ — جفائیں ہو رہی ہیں پر وہ صبر آزمائی ہیں

ترکِ ہوسِ زلفِ چلیپا نہیں ممکن — اب جائے مرے سر سے یہ سودا نہیں ممکن

پھر اور تغافل کا سبب کیا ہے خدایا — میں یاد نہ آؤں انہیں ایسا نہیں ممکن

تسکین سے بڑھتی ہے جلن اور بھی دل کی — یعنی تپشِ دل کا مداوا نہیں ممکن

نقشِ قدمِ یار کو بھی پاسِ ادب سے — مثلِ کفِ پا سر سے لگانا نہیں ممکن

کب تک دلِ مضطر نہ کرے دردِ فریاد — اب اے ستمِ صبر تقاضا نہیں ممکن

اس بیخودیٔ شوق کی ہو کس سے شکایت — وہ سامنے ہیں پھر بھی تقاضا نہیں ممکن

جنت کی تمنا ہو ترے کوچے کے ہوتے — حسرتؔ سے یہ اے حورِ سراپا نہیں ممکن

جو اس دورِ خرد سے بہت دور ہوں میں — شرابِ محبت کا مخمور ہوں میں!

ہمہ در پئے لطفِ رندی و مستی — تمنائے عیش و موفور رہوں میں

لگی ہے مرے لب پہ مہرِ خموشی — اگر واقفِ سرِ مستور ہوں میں

نہ کہا دوں مزا ان کو ان کے ستم کا — مگر پاسِ الفت سے مجبور رہوں میں

خراباتیانِ محبت کا بندہ — وہی حسرتؔ رندِ مشہور رہوں میں

وہ کس کس شرم سے عذرِ جفا تقریر کرتے ہیں — مگر پاسِ وفائے عاشقِ دلگیر کرتے ہیں

بحسرت دیکھتے ہیں غیر پہ لطف و کرم انکے — بہ ناکامی سپاسِ آہِ بے تاثیر کرتے ہیں

گرفتارانِ غم کو کیا ضرورت قیدِ ظاہر کی — ترے سودائیوں کو لوگ کیوں زنجیر کرتے ہیں

دکھلا دیتا ہے مضموں یادِ اس تغافل کی — بڑی مشکل سے مکتوب فاتحہ پر کرتے ہیں

نہیں یارائے خاموشی کہاں تک ضبطِ غم حسرتؔ — فراقِ یار میں ہم نالہ شبگیر کرتے ہیں

ملتے نہیں! اس ادا سے کہ گویا خفا نہیں — کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں

تسکین ہم نشیں سے بڑھا درد اور بھی — یعنی غم فراق کی کوئی دوا نہیں
شوق بقائے درد کی ہیں ساری خاطریں — ورنہ دعا سے اور کوئی مدعا نہیں
کب تک کسی کے ناز تغافل اٹھائے دل — کیا امتحان صبر کی کچھ انتہا نہیں
محرومیوں نے دل کا یہ کیا حال کر دیا — گویا امید وصل سے ہم آشنا نہیں
ارماں مرے وصال میں نکلیں تو کسطرح — جوش طرب سے دل میں کہیں راستا نہیں
شوق جفا سے آج تلک انسے رسم ہے — کہتا ہے ان کو کون کہ وہ باوفا نہیں
آتا تو ہوں خیال میں ان کے کبھی کبھی — میں مورد جفا ہوں تو یہ بھی برا نہیں
خود اس کو میری عرض تمنا کا شوق ہے — کیوں ورنہ سنے ہے کہ گویا سنا نہیں
میری نگاہ شوق پہ اس درجہ خفگیاں — اور اپنی چشم شوخ کو مطلق سزا نہیں
حسرت مرے کلام میں مومن کے رنگ میں — ملک سخن میں مجھ سا کوئی دوسرا نہیں

فیض آباد ۲ نومبر ۱۹۰۲

کب یہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے گنہگار نہیں — ہاں مگر اتنی جفا کے بھی سزاوار نہیں
میرے اظہار ندامت کو پشیمان کیا — اب نہ کہتا کہ ہمیں رحم سے انکار نہیں
عقل بھی اصل میں اک شعبۂ حیرانی ہے — ہوشیاری ہے یہی میری کہ ہشیار نہیں
نہ سہی آپ جفا سے جو نہیں باز آتے — جایئے جایئے اب ہمکو بھی اصرار نہیں
خرمی شوق شہادت کو مبارک حسرت — مجھ کو ابرام ہے اس شوخ کو انکار نہیں

آگرہ ۵ مارچ ۱۹۰۳

محو حسرت ہوں وقف محنت ہوں — ہیں کہ دلدادۂ محبت ہوں
لاابالی مزاج رکھتا ہوں — شاعر مبتلا طبیعت ہوں
عالم بیخودی میں ہے مسکن — مست ہوں ہوں ہوشیار حیرت ہوں
حکمران دیار استغنا — صاحب دولت فراغت ہوں

جھانسی جنوری ۱۹۰۳

الغرض کیا بتاؤں کون ہوں میں — حسرت ایک آشنائے حسرت ہوں

فصلِ بہار آئی ہے جوش گل چمن میں! — اک دھوم سی مچی ہے مستان نعرہ زن میں
سیکھی تھی خود فروشی مکتب میں آرزو کے — پائے ہیں درس حیرت اس بت کی انجمن میں
تیری نزاکتوں کی اے ناز کی سراپا — تشبیہ گل میں پائی ہے نے نہ یاسمن میں
دیوانہ کر دیا ہے یہ کس کی آرزو نے — چرچا ہے کس صنم کا ہر شیخ و برہمن میں
توڑے گی فصل گل کیا پیمانِ پارسائی — جان آ چکی ہے پھر کچھ اک خواہش کہن میں
اس جان مضطرب کو نحمہ قرار آئے — آفت کی شوخیاں ہیں اس حسن سحر فن میں
واں حیرت محبت کچھ دیکھنے نہ دے گی — جانے کو یوں تو حسرت جائے اس انجمن میں

۷ / اکتوبر ۱۹۰۰ء

میں ہوں اے زلفِ سیہ تیرے پریشانوں میں — نام میرا بھی لکھا ہے ترے دیوانوں میں
دست نازک سے تو قاتل کے نہ اٹھی تلوار — اور ہوا نام مرا مفت گراں جانوں میں
کوئی سرخوش ہے کوئی مست کوئی ہے خراب — میکشوں کے بھی عجب رنگ ہیں میخانوں میں
کر دیا جس نے مجھے دونوں جہاں سے غافل — ایسی کیا شے تھی وہ ساقی ترے پیمانوں میں
گھر کے ارمانوں میں کتنا وہ تصور کا ترے — ہائے یہ مجھ کو کہاں لائے ہیں بیگانوں میں
یاد ایام کہ ہم جوش جنوں میں حسرت — خوار پھرتے تھے پریشان بیابانوں میں

علی گڑھ ۵ مارچ ۱۸۹۹ء

در دامِ غمش عشق دل زار چہ گویم — افسانہ آں مرغ گرفتار چہ گویم
اندازہ لطفِ سخن یار ندانم — اے بے خبر از لذت آزار چہ گویم
یک جلوۂ مستش ز جہاں بیخبرم کرد — از حال تماشائے رخ یار چہ گویم
بیمہری احباب و جفائے ہجراں — کردند چہ با حسرت بیمار چہ گویم

فتح پور ۵ ستمبر ۱۸۹۶ء

میں تو سمجھا تھا قیامت ہو گی — خیر پھر صاحب سلامت ہو گئی

مسجدوں میں کون جائے واعظا — اب تو اک بت سے ارادت ہو گئی
جب میں جاتا ہوں دل میں بھی آدُوں یاد — گرچہ ظاہر میں عداوت ہو گئی
ان کو کب معلوم تھی طرزِ جفا — غیر کی صحبت قیامت ہو گئی
عشق نے ان کے سکھا دی شاعری — اب تو اچھی فکر حسرت ہو گئی!

ملتان ۲۳/۸/۱۹۵۲

ہائے رے برباد سامانی مری — بیکسی کرتی ہے دربانی مری
تجھ سا آوارہ نہ پایا مرے بعد — مدتوں روئی پریشانی مری
چشم کر ان کے قدم نادم ہوں میں — ہائے رے جھوٹی پشیمانی مری
ہو رہا ہے غیر مجھ سے بدگماں — ہنس رہی ہے پاک دامانی مری
واسطہ زلفِ پریشاں کا نہیں — دیکھ ہی جائے پریشانی مری
ہو گئی ظاہر بس اس شعر میں — وہ جو پنہاں تھی پریشانی مری
ہو جیسے ہو خواہش عقل سلیم — مجھ کو تو اچھی ہے نادانی مری

کہا کیا ان کے درد دل نشیں سے — کوئی پوچھے دل اندوہگیں سے
جتا محسودِ چشم عاشقاں ہے! — لگی ہے ان کے پلکے نازنیں سے
وہ اس انداز سے کرتے ہیں اظہار — کہ ہاں کا کام لیتے ہیں نہیں سے
تماشا ہے دلوں کی آگ ساقی — بجھا دیتا ہے آبِ آتشیں سے
ستم کرتے ہیں پردے میں حیا کے — غضب ڈھاتے ہیں چشم سرمگیں سے
نسیم کوئے جاناں ہے کہ حسرت — ہوا آتی ہے فردوسِ بریں سے

مضطر ہے بہت میری طبیعت کئی دن سے — دیکھی جو نہیں آپ کی صورت کئی دن سے
میخانے سے محروم چلے آتے ہیں یونہی — ہوتی نہیں ساقی کی عنایت کئی دن سے

چھیڑتے ہے مجھے پھر خلش خار محبت ۔ بے چین ہے پھر میری طبیعت کئی دن سے
کچھ ساقی بھی نہ ہو محو تصور کوئی ایسی ۔ ملتی نہیں رونے کی بھی فرصت کئی دن سے
کہتے ہیں جنوں بیخودی عشق کو احباب ۔ سودا ہے یہ کیا کیا مری حیرت کئی دن سے
کس فتنہ محشر نے کیا وصل سے انکار ۔ برپا ہے مرے دل میں قیامت کئی دن سے
ہے ناک میں دم اور بھی بے چین ہوں حسرتؔ ۔ کرتے ہیں جو احباب نصیحت کئی دن سے

ہزاروں بار نکلے اشک لیکن پھر بھی کم نکلے ۔ الٰہی اور کیسے آرزوئے چشم نم نکلے
خرام ناز سے مرکر ہزاروں ہو گئے زندہ ۔ مسیحا سے بھی بڑھکر تیرے انداز قدم نکلے
ہزاروں بار چھیڑا جو غش تمہارے فرقت نے ۔ ہزاروں بار آنسو آپ کے سر کی قسم نکلے
کیا پھر جذبۂ بے اختیار شوق نے والیس ۔ ابھی ہم کوچۂ جاناں سے تھے دو ہی قدم نکلے
رہے کوئی کہاں تک کشمکش ہائے محبت میں ۔ نہ غم جائے نہ نکلیں حسرتیں دل کی نہ دم نکلے
جفا سے تا بہ آیا ر بھی اک لطف پنہانی ۔ کہیں تجھ سے نہ اے دل دیکھنا ذوق ستم نکلے
خیال خاطر احباب سے رہتے تھے خوش حسرتؔ ۔ حقیقت میں گرفتار غم و رنج و الم نکلے

وہ بھی بے چین ہوئے دیکھ کے حالت میری ۔ ہو گئی اور پریشان طبیعت میری
رات بھر انکے تصور سے ہوا کیں باتیں ۔ کیا ہی آرام سے گزری شب فرقت میری
لذت درد جگر سے ہے یہی کچھ آگاہ ۔ اللہ اللہ رے بے چین طبیعت میری
مشغلہ ڈھونڈھ ہی لیتی ہے کوئی رونے کا ۔ بیٹھنے دیتی نہیں چین سے حسرت میری
دیکھ لینا کہ وفا میری رلائیگی تمہیں ۔ یاد آئے گی مرے بعد محبت میری
بیقراری شب ہجراں کی ہے مرغوب مجھے ۔ کچھ عجب چیز ہے اے درد طبیعت میری
آہ وہ ذکر یہ حسرتؔ کے کسی کا کہنا ۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہے اس کو محبت میری

فکرِ آزادی و آرام سے آزاد رہے
عمر بھر خوب ہوا قید ہی صیاد رہے

منتِ لطفِ عزیزانِ سے تو آزاد رہے
ہم سفر میں رہے ناشاد کبھی تو شاد رہے

صفتِ تجدیدِ شوق نہ پوچھو ہم سے
مست ہو کر غمِ کونین سے آزاد رہے

لطف اسمیں بھی ملا نسبت جاناں ہی سہی
غم شبہائے جدائی سے کبھی ہم شاد رہے

روئے جاناں کو نہ حاجت کبھی زیبائی کی ہوئی
یعنی ہم حیرتی حسنِ خدا داد رہے

ہم اسیرانِ قفس حال کہیں کیا اپنا
عمر بھر مورد بے رحمی صیاد رہے

قصۂ ترکِ محبت کی حقیقت معلوم
حسرت اور قید غمِ عشق سے آزاد رہے

۱۹ شوال ۱۳۱۵ از مرباری

کہاں شکوۂ جور ناروا کے
کہاں اب شوق ہیں انکی جفا کے

سناتے ہیں انہیں افسانہ کیسے
بہلنے ہیں یہ عرضِ مدعا کے

زباں کو وقتِ شکرِ جور کر کے
مزے کیا کیا لئے ان کی جفا کے

نگاہِ شوق کو شکوے بہت ہیں
تمہارے جلوۂ حیرت فزا کے

کچھ ایسا لطف ہے ان کے ستم میں
وفا قربان ہوتی ہے جفا کے

مشامِ جاں معطر ہو رہا ہے
دکن سے آتے ہیں جھونکے صبا کے

نگاہوں میں بسے ہیں اپنی حسرت
وہ جلوے ان کے اندازِ حیا کے

۱۸۹۹ ... جیل علیگڑھ

خدا جانے تجھے ایدل تمنائے شفا کیوں ہے
یہ اشکِ درد سے ہو جبر آخر تو خفا کیوں ہے

یہ کس کی شوخیٔ رفتار نے فتنے اٹھائے ہیں
ابھی گزرا ادھر سے کون یہ آفت بپا کیوں ہے

مچی ہے حسرتوں میں دھوم کس کا تیر آیا ہے
دلِ پُر آرزو میں آج شورِ مرحبا کیوں ہے

حسینانِ جہاں کو انکے ہوتے میں نہ چاہوں گا
کوئی عیسیٰ نفس کیوں ہے کوئی یوسف لقا کیوں ہے

دہے قسمت سنا ہے نام کس کا آج کانوں نے
زباں پر میری حسرت کلمۂ صلِّ علیٰ کیوں ہے

۱۸۹۹ء

غمِ ہجراں کا یارب کس زباں سے ماجرا کہئے — نہ کہئے گر تو کیا کیجئے اگر کہئے تو کیا کہئے
شبِ غم جز خیالِ یار اپنا کون مونس ہے — اسی کو دوست کہئے، یار کہئے آشنا کہئے
سمجھئے قدرداں گریہ حسرت کسے یارب — کسے اب محرمِ رازِ دلِ درد آشنا کہئے
سمجھئے دل کو ہمدم کس کے شوقِ بے نہایت کا — نگاہِ شوق کو کس کی نظر کا آشنا کہئے
اسی سے کچھ تسلی ہو دلِ ناشاد کی شاید — خیالِ یار سے دردِ جگر کا ماجرا کہئے
کہاں ہر لحظہ پیشِ دوست محوِ لطف رہتے تھے — کہاں یہ صدمہ ہائے غم اٹھاتے ہیں کہ کیا کہئے
نسیمِ صبح جاتی ہے سوئے ملکِ دکن حسرت — پیامہائے جدائی کا اسی سے ماجرا کہئے

وہی آرزوئیں ہیں حسرت وہی ہے — مجھے تم سے اب تک محبت وہی ہے
ہوئی گرچہ ترکِ محبت کو مدت — مگر مجھ کو رونے کی عادت وہی ہے
بظاہر وہ ہر چند مجھ سے خفا ہوں — مگر دل ہی دل میں محبت وہی ہے
جو کی مے سے توبہ بھی تو کیسی توبہ — ابھی ابر آئے تو عادت وہی ہے
بسر ہو گئی کیوں کر شبِ ہجر حسرت — ابھی تک تپِ غم کی شدت وہی ہے

جفا تیری بہت اے بے مروت بڑھتی جاتی ہے — مجھے بھی خواہشِ ترکِ محبت بڑھتی جاتی ہے
ادھر جسمِ محبت پر وہ برہم ہوتے جاتے ہیں — ادھر دل میں تمنائے شہادت بڑھتی جاتی ہے
وہ اظہارِ وفا پر بھی حیلہ پیش کرتے جاتے ہیں — دلِ بے وقف ندامت کی ندامت بڑھتی جاتی ہے
بظاہر ان میں گو خوئے تغافل آتی جاتی ہے — مگر ہے یوں کہ انکو مجھ سے الفت بڑھتی جاتی ہے
سکھا دی ہیں نرالی شوخیاں کچھ لطفِ جاناں نے — مرے دستِ تمنا کی شرارت بڑھتی جاتی ہے
جمالِ یار میں ہر دم ترقی ہوتی رہتی ہے — دلِ حیراں کی جس سے روز حیرت بڑھتی جاتی ہے
طبیعت خوگرِ دردِ محبت ہوتی جاتی ہے — تمہارے جورِ بے پایاں کی لذت بڑھتی جاتی ہے

ادھر شب کو وہ محوِ خوابِ راحت ہوتے جاتے ہیں — ادھر آنکھوں کو مایوسی کی حسرت بڑھتی جاتی ہے

بہار آتی ہے ساقی بادۂ گلگوں پلانا بھی — کہاں کی پارسائی کیسی توبہ جام لانا بھی
ہوا کیا فائدہ ناصح نصیحتہائے بیجا سے — مرا سر کس لیے کھایا بھلا کچھ میں نے مانا بھی
ستم کیا کیا ہونگے پردۂ مہرآزمائی میں — انہیں جور و جفا کا مل گیا اب تو بہانا بھی
بدل دی انکی عادت صحبتِ اغیار نے کیسی — کہ انکو آگیا ذلہائے مضطر کا ستانا بھی
یہ حالت انتہائے ضعف نے کر دی مری آخر — کہ جوشِ غم سے اب ممکن نہیں آنسو بہانا بھی
وہ آغازِ محبت میں کرم ان کا وفا ان کی — رہیگا یاد حسرت ہمکو بر سوں زمانہ بھی

نہ ملے گر نہیں ملتا کوئی — یاں بھی پروا نہیں کرتا کوئی
لطف پر ختم ستم کرتے ہیں — کرنے پاتا نہیں شکوا کوئی
ناامیدی کا بُرا ہو آخر — اب نہیں دل میں تمنا کوئی
یاد آئیں گی وفائیں میری — تجھ سا شیدا نہ ملے گا کوئی
خود ہی بدنام جہاں ہوں حسرت — کیا کرے گا مجھے رسوا کوئی

از دلِ شدگاں حجاب تا کے — یعنی ز من اجتناب تا کے!
اے آتشِ ہجرِ یار رحمے — آخر ز تو دل کباب تا کے
مغرور مشو بہ دلپسندی — این رونق و آب و تاب تا کے
تا کے بہ ادائے تو بسوزم — لے غیرتِ آفتاب تا کے
مستی بگذار حسرت آخر — این چنگ و نے و رباب تا کے
ہم پہ طعنے ترکِ الفت کے — یہ نئے ڈھنگ ہیں شرارت کے
موردِ لطفِ یار تھے جب ہم — وہ بھی ایام تھے قیامت کے

بس ہے ناکامی وفا کا خیال اب نہیں حوصلے محبت کے
گریۂ بے قراری محرومی ہم تو قائل ہیں تیری لذت کے
ظلم کرکے مری وفا سے یہ کیوں ہو رہے ہیں گلے شکایت کے
جان ناکامی محبت ہے مرتے ہیں یہ اشک حسرت کے

(اپریل ۱۹۰۰ علیگڑھ کالج)

فکر سے تو نہ ہوا وصل کا ساماں کوئی تو ہی تدبیر بتا اے دل ناداں کوئی
وصل میں تذکرۂ دردِ خورِ جاناں کوئی بیخود شوق سے ہوتا نہیں ساماں کوئی
ہمنے بھی شکوہ بیداد کی کھائی ہے قسم دیکھیو جور کا ہے جا نہ ارماں کوئی
موسم گل میں عجیب رنگ ہیں دیوانوں کے پاک داماں ہے کوئی چاک گریباں کوئی
دہ نو. دان جنوں سے اسکو چھو حسرت جانتے کیا مرتبۂ خار مغیلاں کوئی

(۱۸۹۹ء علیگڑھ کالج)

تاثیر صبر کی ہے نہ میری دعا کی ہے وہ مائل وفا ہیں یہ قدرت خدا کی ہے
دل میں کبھی اپنے جور سے نادم نہیں ہو تم سچ سچ کہو قسم تمہیں مری وفا کی ہے
کرب شب فراق سے دیتا نجات کون جان نزار پر یہ عنایت قضا کی ہے
سنتے ہیں آج کل ہیں وہ پھر مائل جفا تقدیر اوج پر دل درد آشنا کی ہے
حسرت غلام شافع روز شمار ہے کب اس کو فکر پرسش روز جزا کی ہے

(۱۹۰۰ء علیگڑھ کالج)

چادر میں چھپے ہوئے حیا سے کیا کہئے وہ آئے کس ادا سے
مشتاقوں نے کر ہی لی زیارت تم کام نہ لے سکے حیا سے
وہ مجھ پہ کرم کریں تو کیونکر مجبور ہیں عادت جفا سے
معلوم ہے ان کی کج ادائی کیا فائدہ عرض مدعا سے
ہم ہیں اثر دعا سے ناخوش شکوہ نہیں آپ کی جفا سے

(۱۹۰۲ء دہلی)

کچھ عرض ہی کر سکے نہ حسرتؔ — نادم ہیں ہم اپنے مدعا سے

بیکلی سے مجھے راحت ہو گی — چھیڑ دیں آپ عنایت ہو گی

وصل میں ان کے قدم چوم لیں گے — وہ بھی گر ان کی اجازت نہ ہو گی

بیقراری کے مزے لو لیں گے — آج پھر درد کی شدت ہو گی

ایک دن کھول کے جی رو لیں گے — ضبط غم کی جو اجازت ہو گی

قصۂ غم نہ کہوں گا حسرتؔ — جور کی ان کے پاس شکایت ہو گی

رنج ہجراں میں قیامت کا مزا ہوتا ہے — درد الفت بھی غضب عیش فزا ہوتا ہے

جا چکا سر سے مرے عشق بتاں کا سودا — اب کوئی لاکھ بھی سمجھائے تو کیا ہوتا ہے

خوگر ہجر کو ہوتی ہے تڑپ سے تسکیں — درد خود درد محبت کی دوا ہوتا ہے

چشم جاناں کے ہیں دنیا سے نرالے انداز — جب نظر کرتی ہے اک لطف نیا ہوتا ہے

وہ خفا ہیں کہ دعا بھی تھی شکایت میری — میں ہوں محجوب کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

شکوۂ غم نہ کیا تھا نہ کروں گا حسرتؔ — اس میں بھی مری جاناں کا گلا ہوتا ہے

حسرت زار کو یاران وطن بھول گئے — مرغ پابند کو مرغان چمن بھول گئے

ہم نے تکلیف محبت میں وہ راحت پائی — کہ طریق گلۂ رنج و محن بھول گئے

تو بہ دنیا تری مشہور رہی عالم میں — لوگ افسانۂ عذرا و دمن بھول گئے

نہ ملیں گے دل بیتاب کرے لاکھ اصرار — ہم بھی جا اب تجھے اے عہد شکن بھول گئے

غلبۂ درد سے ہیں درد مرا یا اشعار — یعنی ہم پیروی اہل سخن بھول سے گئے

ایک ہمدردی رسا تھی انیس حسرتؔ
سو وہ رسا بھی اسے جانے کدھر بھول گئے

کرنے لگے کرم کے عوض کج ادائیاں
وہ وعدہ ہائے لطفِ فراواں کدھر گئے

وہ بر سرِ کرم ہیں تو ہم ہوش میں نہیں
یارب ہمارے دل کے سب ارماں کدھر گئے

ابتک درِ قبول سے نالے پھرے نہیں
کیا جانیئے کہ ہو کے پشیماں کدھر گئے

حسرتؔ جفائے یار کی کیوں ہیں شکایتیں
پاسِ وفا کے وہ ترے پیماں کدھر گئے

[illegible]

جھوم جھوم اٹھنے لگا ابرِ بہاری دیکھئے
کب تلک باقی رہے پرہیزگاری دیکھئے

پھر ہے اس بیدادگر سے شوقِ عرضِ آرزو
خاطرِ ناکام کی بے اختیاری دیکھئے

ہے تمنا دل میں ابتک اک نگاہِ لطف کی
جورِ اپنا دیکھئے حسرت ہماری دیکھئے

جوشِ گل کے ساتھ پھر جوشِ جنوں بڑھنے لگا
اٹھ چلی دنیا سے رسمِ ہوشیاری دیکھئے

یار سے خط و کتابت تھی سو وہ بھی اب نہیں
بختِ ناہموار کی ناسازگاری دیکھئے

ناز بردارِ ادا لکھا ہے نامے میں مجھے
اس سراپا ناز کی مضموں نگاری دیکھئے

خاطرِ محروم کا اللہ رے پاسِ دنیا
ہے ابھی تک مائلِ امیدواری دیکھئے

حالِ دل پر آ گئی تھی کچھ ہنسی سو بھی نہیں
حسرتِ محروم کی شرمساری دیکھئے!

سروں کو ہو گیا ہے انس شوقِ پائمالی سے
نہ پوچھو اس شرابی کے خرامِ لاابالی سے

نظر میں پھر گئیں کیفیتیں سب عہدِ ساقی کی
بھر آئے اشکِ خوں نظارۂ مینائے خالی سے

پریشانی پہ گیسو کے ہزاروں ناز ہیں شاید
وہ بے پروا نہیں واقف مری آشفتہ حالی سے

انھیں دھوکے میں ڈالا ہے ہماری خونفشانی نے
نشاں دیتے ہیں اشکِ سرخ چہرے کی بحالی سے

وہ عرضِ رحم کو سمجھے شکایت جورِ بیجا کی
بہت بگڑے وہ میرے فسانۂ آشفتہ حالی سے

یہ گل ہیں یا کھلے ہیں منہ حسینانِ گلستاں کے
مگر سب محوِ حیرت ہیں کسی کی خوش جمالی سے

ہماری قدردانی خوب کی شاہِ نجف نے
ملا ہے خلعتِ حسرتؔ اسی دربارِ عالی سے

خود بجاں آیا ہوں جور خاطر غمناک سے | میں نہیں ڈرتا تمہارے خنجر بیباک سے
اضطراب دل کی آخر مجھ سے ہیں کیوں پرسش | پوچھ لیں خود آپ اپنے غمزۂ چالاک سے
گردش پیمانۂ ساقی تری کیا بات ہے | کر دیا آزاد فکر گردش افلاک سے
دیر ترک پارسائی تجھ سے واعظ کیا کہیں | ذوق صہبا دور ہے ظالم ترے ادراک سے
ہم اسیران ستم پر قہر ہے منع فغاں | ہے سکوں دشوار صید بستۂ فتراک سے
شوق جنت سے ہیں فارغ عاشقان کوئے یار | پوچھ دیکھے کوئی ہم افتادگان خاک سے
آہ درد آلود میں حسرت نہ ہو کیونکر اثر | نکلی ہے آخر ہمارے سینۂ صد چاک سے

آشنا ہیں جلوہ ہائے ساقی مخمور سے | کیا غرض ہم کو بیان ماجرائے طور سے
رات بھر ہوتی رہیں باتیں دل رنجور سے | کچھ نہ پوچھو شغل ناکام شب دیجور سے
واقف دیوانگی ہیں مائل جوش جنوں | شوق سودا جا چکا اپنے سر پر شور سے
ہمنشیں وہ کیا ہوئے آغاز الفت کے مزے | پھر رلا دے اس زمان عیش کے مذکور سے
پرسش عشاق کو سمجھے جو نقص دلبری | کام مجھ کو آ پڑا ہے اس بت مغرور سے
وہ سراپا لطف مفتون تغافل ہو گیا | اور ہم رہنے لگے محروم سے مجبور سے
شکوۂ غم کی اجازت ہو سو یاں وہ بھی نہیں | ناک میں دم ہے دیار شوق کے دستور سے
اب کہاں وہ دلولے سیر چمن کے اے بہار | اس قدر اصرار کیوں ہے عاشق مجبور سے
ترک الفت پر بھی دل کی کچھ عجب حالت ہوئی | دیکھ کر اس کا غم نا آشنا کو دور سے
کیوں نہ اردو میں حسرت ہم نظیری کی نظیر | ہے تعلق ہم کو آخر خاک نیشاپور سے

عذر گناہ پہ بھی اس دل نے کج ادائی | اللہ ری کم نگاہی اللہ ری بے وفائی
دل کی ہجوم غم سے حالت بدل گئی ہے | اے کاش کہ نہ ہوتی اس شوخ سے لڑائی

تجلیں کر رہی ہے محرومیٔ تمنّا — بیتاب کر رہا ہے رنجِ شبِ جدائی
کچھ بھی اثر نہیں ہے اس پُر جفا کے دل پر — اس رنجِ بے اثر کی دیکھی شکستہ پائی
تیرا فسوں کہاں ہے اے گریۂ ندامت — کر آہِ نارسائی کچھ تو ہی رہنمائی
عفوِ خطا کی حسرت بیکار ہیں امیدیں — اُس دشمنِ وفا سے اب ہو چکی صفائی

شرمِ جفا سے لطفِ سراپا بنے ہوئے — وہ آج کل ہیں جانِ تمنا بنے ہوئے
شاہِ جنوں نے خلعتِ آزادگی دیا — زنداں میں ہیں خیال کے صحرا لئے ہوئے
حسرت کہ تھے فدائے تماشائے روئے یار — سو خود ہی پھر رہے ہیں تماشا بنے ہوئے

رنگِ حرماں وہ کہاں زمزمۂ شادی میں — قید کا لطف نہیں راحتِ آزادی میں
رنگ لایا اثرِ سوزِ دروں کا شکوہ — پڑ گئے آبلے آخر لبِ فریادی میں
حسرت اک ریگِ رواں ایک ہے دریائے رواں
فرق یہ ناسخ و آتش کی ہے استادی میں

رباعی

جاناں کہ ہزار جاں فدایش بادا
صد جانِ منِ زار در ہوایش بادا
ایں رتبہ کجا کہ جاں فدایش کنم
البتہ فدائے کفِ پایش بادا!

عبارت خاتمہ دیوان حسرت موہانی حصہ اول (طبع ثانی) متعلق بہ ضمیمہ الف

طبع اول کے دیباچہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۲ء تک کی شاعری کا ایک بڑا مجموعہ نظموں قصیدوں قطعوں غزلوں اور نظم انگریزی کے ترجموں کی شکل میں راقم حروف کے پاس موجود ہے جس کی نسبت گمان یہ تھا کہ نظر ثانی کے بعد قابل اشاعت ہو جائیگا۔ لیکن بعد میں کچھ تو اس خیال سے کہ ابتدائی کلام کی اصلاح و ترقی کی یہ کوشش کوہ کندن کاہ برآوردن کی مصداق قرار پائے گی اور کچھ اس لحاظ سے کہ رفتہ رفتہ راقم حروف کی طبیعت نے اپنے لئے اصناف سخن میں سے غزل کو اپنے حسب حال پاکر منتخب کر لیا ہے۔ اس کل مجموعۂ خرافات کو یک قلم نظر انداز کر دیا۔ البتہ چند غزلیں ضرور رہنے دیں لیکن ان کو بھی اپنے ابتدائی لباس میں بلا اصلاح چھوڑ دیا تاکہ اہل نظر کو ان کے مطالعہ سے راقم حروف کے مذاق سخن کی تدریجی ترقی کا اندازہ ہو سکے۔ ان غزلوں کی کمزوری اور بے رنگی کے متعلق نقادان کلام سے عفو اور درگزر کی امید ہے۔

فقط

بندۂ محبت فقیر حسرت موہانی علی گڑھ

۴ر اپریل ۱۹۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ "ب" کلیات حسرت موہانی مشتمل بر نظم الحج و غزلیات

۱۳۴۱ھ و ۱۳۴۲ھ

نظم الحج

حج کو ہوا حکم رسول کریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جذبہ و بنا سلسلۂ راز کا
مسئلۂ سامان خدا ساز کا

بحر عرب میں بسکون تمام
مرکب الیاس ہوا خوش خرام

راہ طلب کٹنے لگی بے خطر
غلبۂ صفرا تھا نہ دوران سر

رحمت حق سب کی ہوئی دستگیر
کچھ نہ رہا فرق امیر و فقیر

جدہ میں اگر رہے پا در رکاب
شام سے تا صبح بصد اضطراب

جذب کی تاثیر دکھانے لگا
ہر سفری دھوم مچانے لگا

گریۂ بیتاب کی شدت ہوئی
دل کی عجب شوق سے حالت ہوئی

رو بہ حرم کن کہ دران خوش حریم
ہست سیہ پوش نگارے مقیم

گنگ ہوئی بسکہ زبان مقال
طوف حرم کا نہ کھلا کچھ بھی حال

دید کے قابل ہے وہ در راہ عشق
طوف میں ہوں جبکہ غلامان عشق

قافلہ والوں نے بصد امتیاز
خیف کی مسجد میں ادا کی نماز

جوش میں تھی رحمتِ پروردگار — سننے کو ہر ایک دکھی کی پکار
صبح کو مزدلفہ میں پڑھ کر نماز — آکے منیٰ میں ہوئے پھر محوِ راز
پھر بھی بلا حجت و چون و چرا — دل سے سب احکام یہ لائے بجا
ساتھ ماحبیب کشش دل ہوئی — سخت جو تھی نرم وہ منزل ہوئی
ختم ہوئی قلتِ زادِ سفر — چلنے لگی بادِ مرادِ سفر
سطحِ فلک صاف ہوا معتدل — بادِ بہاری بھی ہو جس سے خجل
وقت یلملم میں ہوا شام کا — شور مچا پوششِ احرام کا
تلبیہ بر لب ہوئے دیوانہ وار — عاشقِ سرگشتہ رواں سوئے یار
پہنچے جو مو ترب یہ حدودِ حرم — گریۂ شوق آہ سے ہو کر بہم
قبلۂ مقصود پہ کی جب نظر — رہ نہ سکی کچھ سر و پا کی خبر
کعبہ کی خوبی بزبانِ عجم — دیکھئے کیا خوب ہوئی ہے رقم
قبلۂ خوباں عرب روئے او — سجدہ شوقِ عجم سوئے او
کچھ نظر آیا تو یہ آیا کہ یاں — اک کرمِ حق کا ہے دریا رواں
آٹھویں ذی الحجہ کو بعد از شام — جبکہ ہوا جا کے منیٰ میں قیام
چل کے منیٰ سے عرفات آئے سب — دل میں لیے شوق بخارت آئے سب
موردِ اکرامِ الٰہی ہوئے — شام سے مزدلفہ کو راہی ہوئے
رمیِ جمرہ و ذبح بند و حلقِ سر — مدِ لحت ان کی نہ کچھ آئی نظر
طوف زیارت یہ ہوا حج تمام — نظم بھی یہ ختم ہوئی والسلام

نوٹ:۔ یہ نظم ماہ ذیقعدہ سنہ [illegible]ھ میں فقیر کے پہلے سفرِ حج کے دوران میں جعرانہ جانے پر شروع کی گئی بعد میں [illegible] میں ختم ہوئی۔

[illegible]

لے چلی پھیر کر آرزوئے حرم — عاشقانِ حرم کو سوئے حرم
ملتی جلتی ہے جاں نوازی میں — بوئے باغِ جناں سے بوئے حرم
دیکھ لیتے ہیں صاف اہلِ نظر — جلوۂ حق کو روبروئے حرم
شانِ رب العلا نظر آئی — چشمِ دل کو زہے علوئے حرم
منہ دو عالم سے موڑ کر حسرت
بیٹھ رہنے کو بس ہے کوئے حرم

[illegible]

پھر آنے لگیں شہرِ محبت کی ہوائیں — پھر پیشِ نظر ہو گئیں جنت کی فضائیں
اے قافلے والو کہیں وہ گنبدِ خضرا — پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں
ہاتھ آئے اگر خاک ترے نقشِ قدم کی — سر پر کبھی رکھیں کبھی آنکھوں سے لگائیں
نظارۂ فردوس کی عجب شان ہے پیدا — یہ شکل[1] و شمائل یہ عبائیں یہ قبائیں
کرتے ہیں عزیزانِ مدینہ کی جو خدمت[2]
حسرت انھیں دیتے ہیں وہ سب دل سے دعائیں

[illegible]

دل ہے نازاں کہ تری صورتِ زیبا دیکھی — آنکھ حیران کہ اک حسن کی دنیا دیکھی
پہلے آنکھیں ہوئیں گرویدہ پھر آنکھوں کی طرح — چل بسے دل بھی لگا آپ کو دیکھا دیکھی
بدگماں تجھ سے کبھی کیوں غیر کے مانند ہوئے — تجھ کو دیکھا نہ مرے دل کی تمنا دیکھی
فطرتِ حسن ہے بیباک مگر ہم نے یہاں — تیری شوخی میں بھی اک شانِ حیا دیکھی

---

۱ صغارِ مدینہ کی شان میں

۲ اس سال احباب و اعزاءِ کانپور و لکھنؤ نے پندرہ سو روپے سے زیادہ کی رقم فقیر کے ذریعہ سے عزیزانِ مدینہ کی خدمت میں پیش کی۔ یہ اشارہ اسی جانب ہے۔

زلفِ شبرنگ پہ گلنار لباسی کی بہار
آج حسرت نے رُخِ یار میں کیا کیا دیکھی

گر حسن دولت است بہ گنجش امید زر — ور ناز خاتمے است بہ زیبش نگینہ
شہا بسے بہ عیش بسر بردی ہنوز — مخمور آں خمار لطیف دو شبینہ
حسرت بہ عرضِ حال نکو شد کہ فی المثل
شایانِ سنگ ہر زدہ نیست آبگینہ

([illegible] ۱۳ فروری ۱۹۱۶)

عجب ہم کو آیا نظر ایک آج — طرح دار معشوق عاشق مزاج
دل اس کا محبت کے غم سے قریں — نظر اس کی سوزِ دروں کی امیں
توجہ کا لے جو تغافل سے کام — کرم جس کی بے اعتنائی کا نام
بچے اس سے کیوں کر دلِ عاشقاں — جسے خود ہو سودائے حسنِ بتاں
وہ حسرت نہ کیوں دل نوازی کرے
جو چھپ چھپ کے خود عشق بازی کرے

(ایضاً) (۱۳ فروری)

کس درجہ دل پسند ہے کشش یہ خواب کی — آئینہ دار آپ کے حسنِ شباب کی
کرتی ہے دل کو اور بھی آمادۂ ہوس — تیری یہ بے رخی یہ ادا اجتناب کی
اہلِ نظر سے آپ کو لازم نہ تھا حذر — ہوتی ہے اہلِ فسق سے حاجت حجاب کی
کچھ ان کو قدرِ شوق نہیں، ورنہ آرزو — امیدوار تھی کرمِ بے حساب کی
حسرت وہ بے نیازِ محبت ہیں، کچھ انھیں
اب تک خبر نہیں ترے حالِ خراب کی

ہم نے ہر بات اپنے حق میں جانی آپ کی — مہربانی ہو کہ ہو نامہربانی آپ کی

ہے نرالی سبز کی بھی ردے روشن بہار — دودھنی بہتر تھی لیکن ارغوانی آپکی
خود غرض ہم کو بھی ٹھہرایا جو غیروں کی طرح — دیکھئے اچھی نہیں یہ بدگمانی آپ کی
آپ کے معشوق ہو کر عاشقی کی داستان — کاش ہم بھی ایک دن سنتے زبانی آپکی
اتنا گلِ رعنا کا حسرتؔ یونہی کیا کم تھا جمال
ہو گئی ہے طرہ جس پر خوش بیانی آپ کی

پھر کہاں دل رہے کہاں نہ رہے — جب تمہیں اس پر مہرباں نہ رہے
خود غرض عشق، خوفِ حسن کو بھی — چاہتا ہے کہ درمیاں نہ رہے
دلِ شکن کیوں بنو، ہمارے لئے — تم یہ مانا کہ دلِ ستاں نہ رہے
یاس بہتر ہے، دیکھ او بے مہر — آرزو کوئی نیم جاں نہ رہے
مان لیں، پیر ہم کو بھی حسرتؔ
عشقِ حسرتؔ اگر جواں نہ رہے

نہ پوچھو خاطرِ بسمل میں کیا ہے — یہ خود سوچو تمہارے دل میں کیا ہے
پناہ جہدِ سلیم ہو، تو خطرہ — فریبِ دوریٔ منزل میں کیا ہے
ہوس مجرم ہے، یہ لوثِ گنہ کے — تمہارے دعوئ باطل میں کیا ہے
سزا دوگے ہمیں کب تک کہاں تک — خدا جانے تمہارے دل میں کیا ہے
دعا کر دہ ملیں خود، ورنہ حسرتؔ
تری اس سعئ بے حاصل میں کیا ہے

ہر دم انہیں یاد ہے کسی کی — چھپتی نہیں بات عاشقی کی
دلِ شاہد حسن کا طلبگار — آنکھیں غمِ آرزو سے خونبار
اشاعت راہِ کراچی تا دلی: ۱ر فروری ۱م د

شوق اس کا بری خود التجا سے — بیگانہ ہے عرضِ مدعا سے
کردار میں ہیں سب اسکے مستور — معشوقی و عاشقی کے دستور

حسرت ایسوں کی پائے بوسی
کچھ عیب نہیں قسم خدا کی

(۲۰ فروری [illegible] [illegible])

ہر سمت مری چشم تمنا نگراں ہے — معلوم نہیں جلوۂ جانانہ کہاں ہے
شاید یہ وہی ہے جو مرے شوق نظر کے — باطن میں تو موجود ہے ظاہر میں نہاں ہے
عاشق جسے کہتا ہے محبت کا فریضہ — بدعت کا اسی چیز پہ زاہد کا گماں ہے
کونین کی راحت سے بھی زنہار جو بدلے — دلِ دردِ محبت کا ترے مرتبہ داں ہے

حسرت کا دِل آئینہ ہے اک صورت حق کا
گو اس کی نظر شیفتۂ حسن بتاں ہے

([illegible] ۲۳ فروری [illegible])

طالب ہوں فیض غم کا اک حسن بے نشاں سے — دست سوال میرا اونچا ہے آسماں سے
اظہار آرزو کی آئی نہ ان سے نوبت — دل نے دریغ رکھا اس راز کو زباں سے
اک طرفہ ماجرا ہے یادِ صف خودنمائی — قصدِ عذر کسی کا بنوۂ عاشقاں سے
عشق بتاں ہے بیشک تمہید حق پرستی — رقبہ ہے ملکِ دل کا ملحقِ دیارِ جاں سے

حسرت کو عاشقی میں تھا زعم پختہ کاری
پھر بھی شکست کھائی اس شوخ نکتہ داں سے

جب سوا میرے نہ تھا کوئی نشانہ تیرا — یاد ہے مجھ کو ابھی تک وہ زمانہ تیرا
پاکے وہ گرم نظر مجھ کو سوئے عرشِ جہاز[1] — کبھی چھپنا تو کبھی پھر نظر آنا تیرا

---

[1] جہاز رحمانی کا اپر ڈک (UPPER DECK)

میرے اصرار پہ وہ ہاتھ چھڑا کر آخر — دستخط آپ سے اردو میں بنانا تیرا
کج ادائی کے لئے شوق کو ٹھہرانا ہوس — تجھ سے کچھ خوب نہیں ہے یہ بہانا تیرا
کانپور
رام اخلاص نہ ہو جن کی مروت حسرت — ۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء
کیا قیامت ہے دلِ ایسوں سے لگانا تیرا

آپ کیوں ہم کو نامراد کریں — اپنے عہدِ وفا کو یاد کریں
حسن کا حق ہے صاحبو ہم اسے — ہدیۂ بندگی سے شاد کریں
کیوں نہ سمجھے ہم کو ناز جب وہ بھی — دعوئ عاشقی پہ صاد کریں
خود بخود ہو رہے گی فکر معاش — پھر نہ ہم کیوں اس معاد کریں
اثنائے راہ میں تا کانپور
سوئے منزل بڑھے چلیں حسرت
کچھ نہ پروائے ابر و باد کریں — ۲۰ نومبر ۱۹۴۱ء

قیمتِ مے کہ یہ پیمانۂ جاں ہے ساقی — کون کہتا ہے کہ نرخِ گراں ہے ساقی
للہ الحمد کہ رندوں میں علی الترحم جود — سکۂ فیض ترا اب بھی رواں ہے ساقی
تشنہ کامانِ مئے ناب ہیں بے شوق — کرم اب بھی نہیں دشوار کہاں ہے ساقی
تو نے رکھ دی تھی جہاں چھین کے ہم سے بوتل — روحِ مستی اسی جانب نگراں ہے ساقی
دل ہے کس شے کا طلبگار خدا ہی جانے — کیا یہیں سے ہے کہ بے نام و نشاں ہے ساقی
تو ہے فیاض تو پھر فیض میں کیوں دیر اتنی — دے کہیں جلد کہ مجھ کو خفقاں ہے ساقی
۲۲ نومبر ۱۹۴۱ء
محتسب کی نہ سنی ہے نہ سنے گا حسرت
کہ وہ میخوار ترا مرتبہ داں ہے ساقی

نظرِ حسن کی ہے بینائی — آپ کی شانِ جلوہ فرمائی

پھر قریب آگیا دیارِ حبیب — پھر بڑھی دل کی ناشکیبائی
پھر وہی سر وہی ہے شوقِ سجود — پھر وہی در وہی جبیں سائی
تا بہ دل ہیں یہ جرمِ حبِ رسول — دور پہنچی ہے میری رسوائی

بے نیازِ دو کون ہے حسرت
اللہ کے اکرام کا تمنائی

جسمِ سنگِ کعبہ میں کیفیتِ جاں دیکھئے — پوششِ اسود سے پیدا معنیٔ ایماں دیکھئے
سایۂ میزابِ رحمت میں بہ ایقان تمام — جذبۂ عشقِ حقیقی کو نمایاں دیکھئے
مائے زمزم سے ہوئی پالیدہ روح آہ — صاف اس آئینے میں شکلِ آبِ حیواں دیکھئے
ملتزم کو جانئے گر فی المثل آغوشِ حق — سنگِ اسود کو بہ شانِ دستِ یزداں دیکھئے

ذوقِ عرفاں ہو تو حسرت بیتِ حق میں ہر گھڑی
دیدۂ دل سے بہ ہر سو روئے جاناں دیکھئے

حبِ حق ہے برابر حاصلِ دنیا و دیں — حبِ آلِ مصطفےٰ او حبِ خیر المرسلین
من و سلوےٰ سے بھی ہے بہتر اگر ملتی ہے — یا رسول اللہ ترے در پہ ہمیں نانِ جویں

حاضرِ دربار ہے حسرت برائے قبول
یا شفیع المذنبیں رحمۃ اللعٰلمین

سرزنش کے واسطے اس شوخ کی چین جبیں — سم کسی کے حق میں ہو یہ حیرت ہے انگبیں
ہیں نہاں جو رحلی میں بھی ترے لطف خفی — ہاں یہی کچھ بڑھ کے ہے جانِ جانِ سر زمیں
کیوں نہ ہو تیرا تغافل بھی مثیلِ التفات — ہر اشارہ دلربا ہے ہر کنایہ دلنشیں

ل دروازۂ کعبہ کے دائیں جانب کی دیوار کے حدیث "ید اللہ" کی طرف اشارہ

توبہ پھر ٹوٹی میں ٹھہرا پھر گنہگار ہوس — فتنۂ اکبر پس حج پھر ہے اک ذات حسین

کیوں نہ دوں طعنِ ملامت گر سے حسرت کہہ دوں
میں بھی مثلِ مولوی "ہذا جنونُ العاشقین"

معجزہ دیکھا سرِ شام آپ کا — مطلعِ خورشید ہے بام آپکا
یاد ہے اب تک وہ زراہِ کرم — وعدے پہ آنا سرِ شام آپ کا
پیرادہ اصرارِ تشبیہِ غزل — عذر میں وہ نرم کلام آپ کا
رات کی تنہائی میں آخر وہ خود — نغمۂ آہستہ خرام آپ کا
مرٹ کے رہے دو نو تقریبِ وصل — درد مرے دل کا زکام آپ کا
ہار ہوئی آخر کار آپ کی — بازی گیا جیت غلام آپ کا

دعوئ میخواری حسرت غلط
آپ کی بوتل ہے نہ جام آپکا

پنہاں کرم نمود د بظاہر وفا نہ کرد — نازش چہ لطفہا ست کہ بر شوق ما نکرد
جانم نیاں عشق ترا سودِ خود شمرد — دل نیز ایں معاملہ کرد و خطا نہ کرد

حسرت اگر بسوخت بہ حرصِ وصالِ دوست
ترسم کہ او فریضۂ عشقش ادا نہ کرد

گردیدہ اہل شوق جو حسنِ بتاں کے ہیں — شاید یہ سب نشانے اسی بے نشاں کے ہیں
سجدے جبیں اہلِ عقیدت کے فی المثل — سب سنگ تور ہیں جو ترے آستاں کے ہیں
اب دل میں ہے کہ صرف ترے ہو کے بیٹھ جائیں — قصے جو کال کے سب جو زمین و زماں کے ہیں
اب یہ بھی ہے قریب کہ مٹ جائیں یک قلم — سینے میں داغ جتنے غمِ دلبراں کے ہیں

حسرت وہ سن رہے ہیں جو اہلِ وفا کا حال
اس میں بھی کچھ فریب تری داستاں کے ہیں

ہر لحظہ وظیفہ ہے جان و دلِ آگہ کا — "الحسن ہو الحق" کا، "ذا العشق ہو اللہ" کا
ہم بادہ پرستی کے ہر حال میں ہیں قائل — وہ ابر کی ظلمت ہو یا نور شبِ مہ کا
کیونکر نہ کہے دنیا مقبولِ خدا اس کو — مطبوعِ رعایا ہو فرمانِ اگر شہ کا
بے عشق رہی آخر محرومِ حق آگاہی — انجام نظر آیا یہ دانشِ گمرہ کا
پرسش کو وہ آئے ہیں یا سرزنشِ غم کو
کیا عقدہ کھلے حسرت اس آمدِ ناگہ کا

قطعاتِ تاریخ طبع کلیاتِ حسرت موہانی

از محبِ باصفا حضرت صدق جائسی

پاک دل حسرت ادیبِ نامور — نیک خو، صوفی منش، رنگیں بیاں
چند دن کو حیدر آباد آئے تھے — جب سے ہیں وجہِ نشاطِ دوستاں
گھیرے رہتے ہیں انہیں شام و سحر — شعر کے شیدا، برنگِ عاشقاں
رات اس محفل کی روشن شمع تھے — دن کو اس مجلس کی ہیں روحِ رواں
مجھ کو بھی ملتے ہیں رستے میں کبھی — جیسے نعمت کوئی، بے وہم و گماں
جوہری اہلِ دکن کو جان کر — کھول بیٹھے ہیں جواہر کی دکاں
چرخ سے لائے ہیں تارے توڑ کر — ہر غزل ان کی ہے، رشکِ کہکشاں
آب و تابِ شعر سے ان کے ہے ماند — آبروئے جلوۂ حسنِ بتاں

شعلۂ طور اس کے آگے سرد و خشک　　طور کے شعلوں میں یہ گرمی کہاں
کو وہ نور اغلب ہے، آتا سامنے　　کھو چکا اس کو، مگر ہندوستاں
منتظر آنکھیں ہیں، لکھ لے صحنِ سال　　کلیاتِ حسرت، الماسِ کلاں

ادیبِ رنگیں بیاں ہیں حسرت شمیمِ ہندوستاں میں حسرت
دل و جگر کے لئے ہے نشتر، کلامِ حسرت زبانِ حسرت
یہ مصرعۂ صدقِ سال بھی ہے، شگون بھی نیک فال بھی ہے
جمیل سرمایۂ ادب ہے کلامِ عمدہ بیانِ حسرت

سنہ ۱۳۶۲ ھ

دیوان حسرت

موہانی

حصہ سیزدہم

جس میں حسرت موہانی کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو
باوقاتِ مختلف تکمیل کلیات حسرت کے بعد

جنوری سنہ ۱۹۴۳ء سے دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء تک
لکھی گئیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات بابت ۱۹۴۳ء

برطرح مشاعرہ قلمی بازار کانپور مورخہ ۱۳ مارچ ۴۳ء

نہ مرنے کی باتیں نہ جینے کی باتیں   کرو ہم صفیرو مدینے کی باتیں
علیؑ باب علم آپ سے پوچھ کر انکو   نبیؐ نے بتائی تھیں سینے کی باتیں
شرابِ محبت ہوئی نذر بادۂ حقیقت   یہ ہیں بامِ عرفان کے زینے کی باتیں
مٹا دے محبت نے سب غیب یاں   نہ بغض و حسد ہے نہ کینے کی باتیں

بڑا چور ہے نفس امارہ حسرت
نہ سننا کبھی اس کمینہ کی باتیں

برطرح مشاعرہ جامع ڈیزی مورخہ ۲ اپریل ۴۳ء

صلوٰۃ شوق بقدر جمال یار نہیں   چمن کا حسن بانداز بہار نہیں
ترے کرم کا سزاوار تو ہمار نہیں   وہ تن کہ خستہ نہیں ہے وہ دل کہ زار نہیں
برائے نفس کو ہم پوچتے نہیں گو ننگِ وجود   جو ان کے انس کی خوشبو سے مشکبار نہیں
وہ عشق عشق نہیں ہے نہ جو پوشیدہ   وہ حسن حسن نہیں جو نقاب دار نہیں
بزرگ شکر کہ مستغنی شفا ہو کر   مری دعا بھی ترے غم سے شرمسار نہیں

نہ رہے بغیر ترے عشق جانفزا کے بغیر ۔۔۔ مری حیات ہے بے مدعا بکار نہیں!

بجا ہے گر تری نسبت سے جان حسرت ۔۔۔ ترے فراق کا صدمہ بھی ناگوار نہیں

اثنائے راہ حیدرآباد دکن تاریخ ۳۱ مئی ۱۹۴۴ء

جہاں تک ہم ان کو بھلاتے رہے ہیں ۔۔۔ وہ کچھ اور بھی یاد آتے رہے ہیں

انہیں حال دل ہم سناتے رہے ہیں ۔۔۔ وہ خاموش زلفیں بناتے رہے ہیں

محبت کی تاریکی یاس میں بھی ۔۔۔ چراغ ہوس جگمگاتے رہے ہیں

جفا کار کہتے رہے ہیں جنہیں ہم ۔۔۔ انہیں کی ادا پر بھی جاتے رہے ہیں

وہ سوتے رہے بے خیالانہ جب تک ۔۔۔ مسلسل ہم آنسو بہاتے رہے ہیں

بگڑ کر جب آئے ہیں ان سے تو آخر ۔۔۔ انہیں کو ہم الٹے مناتے رہے ہیں

وہ سنتے رہے مجھ سے افسانۂ غم ۔۔۔ مگر یہ بھی ہے مسکراتے رہے ہیں

نہ ہم ہیں نہ ہم تھے ہوس کار حسرت
وہ ناحق ہمیں آزماتے رہے ہیں

مقام حیدرآباد دکن مورخہ ۸ جولائی ۴۴ء

جائز نہیں چارہ اس کی مصیبت یہ پڑی ہے ۔۔۔ کس فتنہ کو ایماں سے کہاں آنکھ لڑی ہے

ہر لحظہ ہے رسوائی کونین کا ڈر سا ۔۔۔ ہر ساعت شوق اپنی قیامت کی گھڑی ہے

پہلے تو کرم خود ہی کیا تم نے پھر اب کیوں ۔۔۔ آنکھوں سے لگی اشک ندامت کی جھڑی ہے

ہم کو یہ تری برہمی مرحمت آلود ۔۔۔ کیونکر نہ گوارا ہو کہ پھولوں کی چھڑی ہے

کیا حسن پرستی بھی کوئی عیب ہے حسرت
ہونے دو جو اخلاق کی تنقید کڑی ہے

اثنائے راہ کانپور از حیدرآباد دکن ۹ جون ۳۴ء

چادر جو کہیں حسنِ رخِ یار کی سرکی
قابو میں طبیعت نہ رہی ذوقِ نظر کی

سوتے میں جو دیکھا تھا رخِ یار کا عالم
آنکھوں میں یہ خنکی ہے اسی نورِ سحر کی

ہے شوق بھی دیوانہ ترے نقشِ قدم کا
مائل ہے عقیدت بھی ترے سجدۂ در کی

لغزش سی جو ہے اسکے قدم میں دمِ رفتار
یہ ناز کی مستی یہ نزاکت ہے کمر کی

چاہا تھا کہ پھر انکو نہ چھیڑیں گے پہ چھیڑا
خواہش کوئی بھی ان سے نہ کرنی تھی مگر کی

آجاتی ہے ناگاہ جدائی کی مصیبت
ہوتی ہے خبر کس کو ترے عزمِ سفر کی

یا حسن ہے یا عشق ہر اک نقش یہاں کا
کیا بات ہے اے شوخ تری راہگذر کی

کیا فائدہ حسرت نہ ہوا ضبط ہوس کا
پوشیدہ محبت نہ رہی «دش» پہ سر کی

---

۱۴ اگست ۳۴ء

کلفت پہ مری خوش تھے وہ ہر بات وہی تھی
ہونٹوں پہ جو دیکھا تو ہنسی کھیل رہی تھی

ایضاً

پھر ساعتیں تمام ہوئیں انتظار کی
تقریب پھر قریب ہوئی وصل یار کی

مقام کانپور　　۲؍ ستمبر ۱۹۴۳ء

اس شوخ کو رسوا نہ کیا ہے نہ کریں گے　　ہم نے کبھی ایسا نہ کیا ہے نہ کریں گے
محفوظ ہے یہ راز ترے لطفِ ستم کا　　اغیار میں چرچا نہ کیا ہے نہ کریں گے
بولے تو یہ بولے وہ تقاضائے کرم پر　　یوں ہی سہی اچھا نہ کیا ہے نہ کریں گے
نسبت رہے متعای کی جو اپنے وہ رکھیں　　تخصیص کا دعویٰ نہ کیا ہے نہ کریں گے

اغیار کے قابو میں بھی یہ قول ہے ان کا
حسرتؔ سے تو پردہ نہ کیا ہے نہ کریں گے

کانپور ۔ ۱۳؍ اکتوبر ۴۳ء مستزادِ حسرت زیرِ عنوان "یار اغیار"

آشنا جب سے وہ بدخو وہ ستمگار ہوا　　فتنہ بیدار ہوا
جان دل سے ہوئی دل جان سے بیزار ہوا　　صبر دشوار ہوا
اب نہ دنیا کی تمنا ہے نہ عقبیٰ کی ہوس　　اک ترا شوق بس
دل جو اے جانِ جہاں تیرا طلب گار ہوا　　سب سے بیزار ہوا
دل کو حاصل ہوئی افکارِ دو عالم سے نجات　　بن گئی خواب یہ بات
چھوٹ کر سب سے تری قید کا اقرار ہوا　　اور باصبرار ہوا
بے وفائی کا جو خطرہ تھا وہ پیش آکے رہا　　تجھ سے لے لو جفا
لطف کا شکوہ تم پہ بھی نہ اظہار ہوا　　صاف انکار ہوا
ہم نے حسرتؔ کی سفارش تو بہت کی تھی مگر　　نہ ہوا کچھ بھی اثر
پہلے بیگانہ جو تھا اب وہ دل آزار ہوا　　یار اغیار ہوا

غزلیات بابت ۴۴ ۱۹ء

مقام نانڈیر ریاست حضور نظام مورخہ ۷ جنوری ۱۹۴۴ء

کہیں کیا چپ ہیں نافہموں کے ڈر سے / انہیں ہم دیکھتے ہیں کس نظر سے
انہیں کہ ہو نہ خط لکھنے سے انکار / یہ ہم بدظن ہیں زاغ نامہ بر سے
قیامت ہے کہ ہو بے گانہ تم بھی / بظاہر امتیاز خیر و شر سے
محبت خیر مطلق ہے بہر حال / وہ حق ہے ہو کہ حسنِ بشر سے
وہ کیا واقف نہیں مجھ سے کہ ناحق / ڈریں میری فغانِ بے اثر سے

علاجِ رنجِ مہجوری کو حسرت
وہ آئیں نہ یکھئے کب تک سفر سے

کانپور ۸ تا ۱۲ مارچ ۱۹۴۴ء

ہر دل میں ہے خواہش تری ہر سر میں ہے سودا ترا
آئینہ دار ہے ہے خود حسنِ بے ہمتا ترا!
معذور ہے تاب نظر مجبور ہیں اہلِ بصر
مستور حق ہے سربسر اے ذرحجاب جلوا ترا
ہر ہر اشارت نازنیں ہر ہر کنایت دلنشیں
اے حسنِ یار مہ جبیں ہر نقش ہے زیبا ترا
گھٹتی رہی تیری خودی اے خاکسارِ عاشقی
یہ بات بھی اچھی رہی بڑھتا رہا درجا ترا

تیری جفا بھی ہے وفا۔ منظور ارباب صفا
یعنی بفتوائے رضا جائز نہیں شکوا ترا

جو حسن دیکھا بے اماں اس کو بھی ہم سمجھے کہ ہاں
اے دل ربائے دل بر ان اک نقش ہے گویا ترا

رہتا ہے ڈر ہر دم یہی۔ بہ گمرہ یہ سبب بےچارگی
کر دے نہ رازِ عاشقی اے دل کہیں افشا ترا

محبوب ہر قلب و جگر۔ مطلوب ہر جن و بشر
ہے نور بخشِ ہر نظر اک جلوۂ یکتا ترا

ہر لحظہ تیری آرزو ہر دم ہے تیری جستجو
حسرت بھی ہے اے ماہ رو مدت سے دیوانہ ترا

---

۲۲ مارچ ۱۹۴۴ء کانپور

ابتک ہے یاد اے تند خو مقتل میں وہ آنا ترا
وہ سر جھکا دینا مرا وہ حکم فرمانا ترا

پاکر مجھے گرم نظر اچھا نہیں اے فتنہ گر
چلمن کا پردہ چھوڑ کر دانستہ ترسانا ترا

رشکِ دل و جاں ہے بجا بہتر ہے اے دیر آشنا
تقدیر میں موزوں اتر اقسمت میں دستانا ترا

جاں پر در دشوق آفریں راحت افزا خاطر تسلیں
نعمے نے بھی اے نازنیں دستانا لیسے گانا ترا

دل عاشقوں کیلئے لئے پہلے تو کس کس ناز سے
اب اے پری کیا فکر ہے صورت نہ دکھلانا ترا

اس شوخ کا شکوہ کیا حسرت یہ تو نے کیا کیا
اس سے تو اے مرد خدا۔ بہتر تھا رحانا ترا

کانپور ۔ ۷ فروری ۴۴ ۱۹ء بابت مشاعرۂ آل انڈیا ریڈیو یوم دہلی

محبت کے اثر کی طرفہ سامانی نہیں جاتی
جو انسے اپنی صورت اب تو پہچانی نہیں جاتی

غلط ہے دعوئ عرفانِ حق اربابِ حکمت کا
حقیقت انسے بوجھی جاتی ہے جانی نہیں جاتی

ہوس کے حوصلے ہیں پست دنیا گئے محبت میں
نگاہ آرزو کی پاک دامانی نہیں جاتی

یہ آخر کیا قیامت ہے کہ باوصف خردمندی
ہوس کے معرکوں میں دل کی نادانی نہیں جاتی

مری مظلومیاں بھی ظلم ٹھہری ہیں تو کیوں ٹھہریں
کہ اب اس جورِ نادم کی پشیمانی نہیں جاتی

طلبگار وفائے حسن ہے عشق ہوس پرور
یہ خو جاتی تو ہے لیکن بآسانی نہیں جاتی

وفا کی ہم نے حد کر دی جو لائے جور پیہم پر
وہ حیرانِ غم ہیں اب ان کی حیرانی نہیں جاتی

زوال نور لازم ہے مجازی حسن خوباں کو
وہ مطلق حسن ہے جس کی درخشانی نہیں جاتی

حریت آپ کا مقصد ۔ بغاوت آپ کا مسلک
مگر اس پر بھی حسرت کی غزل خوانی نہیں جاتی

اثنائے راہ کانپور از حیدرآباد دکن ۱۴ جون ۴۶ء

وہ رخصت سب سے ہو کر جا رہے ہیں
قیامت کا سماں دکھلا رہے ہیں

احبا بھر رہے ہیں سرد آہیں!
اعزا اشکِ غم برسا رہے ہیں

مخاطب سب سے ہیں اک وہ مجھی سے
بظاہر بے رخی فرما رہے ہیں

اب آئیں گے کبھی کاہے کو یاں ہم
یہ دھمکی بھی وہ دیتے جا رہے ہیں

یہ خستگی ہی نہ نکلے جسکو حسرت
ارے دے اب بھی ہم گھبرا رہے ہیں

ایضاً مقام جھانسی

سمجھتے ہیں کہ دھوکا کھا رہے ہیں مگر پھر بھی وہیں ہم جا رہے ہیں
بغیر ان کے تسلی ہو چکا دل یہ ہم ناحق اسے بہلا رہے ہیں
وہ جو چاہیں کہیں۔ آج ان کو حسرتؔ
بہ منت پھر ہمیں بلوا رہے ہیں

کان پور ۴ ستمبر ۴۴ء

گفتار میں آئے جو وہ لعل گہر افشاں دنیا بے سماعت ابھی ہو جائے زر افشاں
تزئین جمال اس کی ہے جس شان پہ نازاں اس ناز کی تائید میں ہے کس قدر افشاں
دل ہے نہ رہے اس تیر محبت کا نشانہ نکلے بھی جو پہلو سے تو نکلے وہ پر افشاں
اس حسن دل افروز کی خوبی ہے مسلّم اور اس میں کرے کون اضافہ مگر افشاں
زخم دل حسرتؔ کے لئے تھے جو نمک پاش
اغیار کے حق میں وہی لب ہیں شکر افشاں

بہ طرح مشاعرہ جامعیہ ادبیہ کان پور ۲۲ ستمبر ۴۴ء

شوق کے آنسو بہ میرے دامن جاں میں نہیں پھول وہ میں نے چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں
میں بھلا کب چاہتا رنج مصیبت سے نجات باب آسائش مرے آئین حرماں میں نہیں!
کونسی دلداریاں ہیں جو بشکل التفات آج بھی پوشیدہ اس جور نمایاں میں نہیں
کونسے اقرار کے پہلو ہیں وہ لے حیلہ جو جو تری ہاں میں ترے اقرار آساں میں نہیں

بسکہ ہے اس زلفِ کافر کی غضب ہر ہر شکن
کون سے رخنے ہیں جو حسرت کے ایماں میں نہیں

کان پور۔ ۱۶ر اگست ۴۴ء

دل ان سے مل کے اب ان کو بھلا نہیں سکتا — مگر یہ کیوں ہے میں خود بھی بتا نہیں سکتا
بقدر حوصلۂ عاشقی ہے شوقِ وصال — مگر وہ شوق جو دل میں سما نہیں سکتا
ستم یہ کس کے تغافل کا ہے اب دل میں — میں بھر کے شوق کی دنیا بسا نہیں سکتا
یہ کس کے عجزِ تمنا کا پاس ہے کہ وہ شوخ — نشانہ ناز بھی دامن چھڑا نہیں سکتا
تری نظر کا ہے ناوک وہ ناوکِ دلدوز — نشانہ کوئی بھی جس کا بچا نہیں سکتا
انھیں یقینِ محبت نہیں غضب تو یہ ہے — کہ جبر کریں دل اپنا دکھا نہیں سکتا

اگرچہ میں ہمہ تن درد ہوں مگر حسرت
جو کوئی پوچھے کہاں ہے بتا نہیں سکتا

غزلیات بابتہ ۴۵ء

کان پور۔ ۲ر جنوری ۴۵ء

پاس تو رہتے ہیں مگر دور ہیں — کھل کے وہ ملتے نہیں مجبور ہیں
طعن عزیزاں کا نہ ہو خوف اگر — میرے لیے اب بھی وہ رنجور ہیں
جانانِ معذور تغافل نہیں — شوق کے سب طور بدستور ہیں
پردۂ اقرار میں انکار کے — کتنے ہی پہلو ہیں کہ مستور ہیں

حسرت ان آنکھوں کی نزاکت شفا
[illegible] بیمار جو مشہور ہیں

لکھنؤ۔ ۱ر فروری ۲۵ء

شوق کو جبر سے بری نہ کیا | تم نے کچھ پاسِ دلبری نہ کیا
خام تھی اپنی بندگی۔ جو انھیں | مائلِ بندہ پروری نہ کیا!
حسن سے عشق نے بوقتِ خطاب | خوفِ طعنِ سبک سری نہ کیا
زہد محروم ہے کہ حق نے اسے | سرفراز قلندری نہ کیا
عشقِ صادق نے حسنِ کامل سے | نہ سنا ذکر برتری نہ کیا
مر مٹے ہم کسی سے اتنا بھی | آپ نے ذکر سرسری نہ کیا

شکوہ سنج ان سے کیوں ہوئے حسرتؔ
احترامِ ستمگری نہ کیا!

مسلکِ حسرتؔ

برائے آل انڈیا مشاعرۂ بمبئی مورخہ ۲۵ر فروری ۵۲ء

تکمیلِ علاج دنیوی کو حسرتؔ | ہے خواہش حسن عاقبت[۱] بھی لازم
درویشی و انقلاب مسلک ہے مرا | صوفی مومن ہوں اشتراکی مسلم
زاں رو کہ بہر جمیع بیت[۲] مالِ اسلام | فی الجملہ ہے آئین سویت[۳] قائم

۱؎ بمصداق ربّنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ
۲؎ یعنی کل قومی دولت کا اجتماعی نظام تکمیل و تقسیم۔
۳؎ سویت۔ (SOVIET)

بر طرحِ مشاعرۂ جامعۂ ادبیہ کان پور منعقدہ ۱۵ر مارچ ۴۵ء

اشارت دل ربا ہوگی کناعت دل نشیں ہوگی
تعلق حسن سے جس شے کا ہوگا نازنیں ہوگی
میسر جس کو ہوگا فخر تیرے خیر مقدم کا
وہ دن راحت فزا ہوگا وہ شب عیش آفریں ہوگی
عنایت کی نظر کا جب تقاضا ان سے ہوتا ہے
وہ کہتے ہیں نہیں ہوگی۔ نہیں ہوگی۔ نہیں ہوگی
قسم کھانے کے قابل کیوں نہ ہوگی اس کی خوش بختی
محبت جس کے دل میں آپ کی خلوت گزیں ہوگی
نشانِ آستانِ حسن ہوگا جس طرف حسرتؔ
اسی جانب بکمالِ شوق کی مائل جبیں ہوگی

مقابل ہے بہ سعی کامرانی ترے ضد ہے ہماری جانفشانی
مرے دل کو ترے غم کی نشانی مبارک ہو بہ شکلِ شادمانی
غمِ عشق آنکہ عیش است و فراغت بہ ایں سوز دگر لذّت جاودانی

کان پور ۱۹ر مارچ ۱۹۴۵ء برائے مشاعرۂ آل انڈیا
ریڈیو ــــ ۲۶ر مارچ ۴۵ء

نہ وہ بولے نہ ہم روئے پھر آخر اٹھے کیوں کر حجابِ بدگمانی

خطابِ حسن ادھر تھا بے خطائی — زبانِ عشق ادھر تھی بے زبانی
وہ یک سر بے نیازِ عاشقاں ہیں — قیامت ہے یہ شانِ دل ستانی
پھرا قاصد مرا اس در سے ناکام — نہ خط آیا نہ پیغامِ زبانی
نہ فرق آیا تری بے مہریوں میں — نہ کام آئی مری آزردہ جانی
کفِ ساقی میں ہے نذرِ علی نور — مےِ گلگوں بہ جامِ ارغوانی
نہ ان کی بے وفائی معتبر ہے — محبت میں نہ میری بدگمانی

جبینِ یار پر غصے میں حسرتؔ
فروزاں ہے جمالِ سرگرانی

برائے آل انڈیا مشاعرہ راولپنڈی ۱۰ اپریل ۴۸ء
کانپور۔ ۲۸ تا ۳۱ مارچ ۴۵ء

حوصلہ ان کی شناسائی کا — سرپھرا ہے دل سودائی کا
پر بھی انکی بجا ہے کہ تجھے! — پھر ہو از غمِ شکیبائی ... کا
ملگجی ہے تری پوشاک تو کیا — یہ بھی اک رنگ ہے زیبائی کا
گردنِ دیدۂ یک بیں پہ رہا — حق ترے حسن کی یکتائی کا
شوقِ مایوس کے حق میں وہ نظر — کام کرتی ہے مسیحائی کا
میری رسوائی کی جانب تو نہیں — رُخ تری انجمن آرائی کا
آپ مجبور ہیں بے حوصلہ ہم — نام بدنام ہے یک جائی کا
خوب ہے تمکنتِ حسنِ جواب — شیوۂ عشق کی مرزائی کا

شعر حسرتؔ میں ابھی تک ہے ہنر
عیب بھی قافیہ پیمائی کا

ایضاً

اعتراف آپ کی یکتائی کا — فرض ہے دیدۂ بینائی کا
اس لبِ لعل پر ہنگامِ خطاب — ختم ہے وصف شکر خائی کا
کم نہیں فرقِ عقیدت کے لیے — فخر اس در کی جبیں سائی کا
کیا غضب ہے کہ رہے حسن حریف — وہ بھی ہر خواہشِ غوغائی کا
اور کیا جانے کوئی تیرے سوا — مرحلہ دل کی شکیبائی کا
حسن سے اپنے وہ غافل ہی نہیں — کیا سلیقہ ہو دل آرائی کا
خود ہے وہ جلوہ تماشا دشمن — کیا قصور اس میں تماشائی کا
جائے عبرت ہے یہ معشوقیِ عشق — قصہ یوسف کی زلیخائی کا

عشق حسرتؔ کے سوا عکس کہاں
آپ کے حسن کی رعنائی کا

اسٹیشن راہ کانپور - از راہ راولپنڈی و لاہور

۳۰ اپریل ۱۹۴۵ء

کیسے روکیں چارہ سازی کیا کریں — خوئے دل ہے عشقبازی کیا کریں
خاکساری پیشہ ہیں ان کے فقیر — آرزوئے سرفرازی کیا کریں
غارتِ دل سہل ہے ان کے لیے — اہتمامِ ترکتازی کیا کریں

زاہدوں کی نیتوں میں ہے فتور   ادعائے پاکبازی کیا کریں
ہو چکے جو حسنِ مطلق کے مرید   وہ سرِ عشقِ مجازی کیا کریں
رکھنی ہے اہلِ وفا کی شرم انہیں   اعتراف بے نیازی کیا کریں
دلبری حسرت ہے فطرت حسن کی
حسن والے دل نوازی کیا کریں

کانپور ۔ ۱۷ اپریل ۵۴ء

رونقِ دل یوں بڑھائی جائیگی   غم کی اک دنیا بسا لی جائے گی
آپڑا ہے عاشقی سے واسطہ   اب طبیعت کیا سنبھالی جائے گی
میری جانب وہ توجہ کی نظر   بزمِ دشمن میں چھپا لی جائے گی
ہوں گی پوری ان کی سب فرمائشیں   ایک بھی ہم سے نہ ٹالی جائے گی
بے نیازِ این و آں ہے [illegible]   آرزو کی بات خالی جائیگی

شوق کہتا ہے کہ خوبی حسن کی   نور کے سانچے میں ڈھالی جائیگی
بےخودی میں پھر وہ تصویرِ جمال (ق)   دل کی آنکھوں سے لگالی جائیگی

برائے مشاعرہ لکھنؤ ۲۷ اپریل ۵۴ء

بے رخی سے کام وہ لیں گے مگر   خوب جب چاہت بڑھا لی جائے گی
صحتِ بیمارِ غم کے واسطے   ان کے دامن کی ہوا لی جائے گی

میری بیتابی سے شوخی آپ کی جب خفا ہوگی منالی جائیگی
دل نہ توڑو حسرتِ ناکام کا !
زلف تو پھر بھی بنالی جائیگی

برائے مشاعرۂ جامعہ ادبیہ کان پور ۸ رجون ۱۹۴۵ء

تمکنت ان کی بڑھتی شوق مرا کم نہ ہوا فیصلہ عاشقی و حسن کا محکم نہ ہوا
سن کے ان سے کہ مرے جور کی توہین ہوئی منفعل ہے سر تسلیم کہ میں خم نہ ہوا
کیوں مری خاطر مجموعہ پریشاں ہوئی تیرے گیسو کی خطا کیلئے جو برہم نہ ہوا
تو نہ آیا تو شب غم ترے بیماروں کا درد دل اور بڑھا درد جگر کم نہ ہوا
چھوڑ کر اس بت بدخو کی محبت حسرتؔ کتنے ہو کھا کے قسم کہ تمھیں کچھ غم نہ ہوا

کان پور ۔ ۱۱ رجون ۴۵ء

ستم کو جزو سمجھتے ہو دل ربائی کا یہ کیا طریق یہ کیا ڈھب ہے آشنائی کا
وہ اپنے حسن کی تنقیص کرتے ہیں مجھ سے یہ ایک طرفہ نمونہ ہے خود ستائی کا
نیاز عشق یہی ہے تو کچھ بعید نہیں غرور حسن جو دعوی کرے خدائی کا
نگاہ داری آداب عشق نے شب غم سبق دیا مرے نالوں کو نارسائی کا
جسے نہ سوز محبت سے کچھ بھی ہو سروکار اُسے حرام ہے دعویٰ غزل سرائی کا
بہ غور دیکھ رہے ہیں تری جفا کے سبب مآل اہل ہوس کی گریز پائی کا
کچھ ان کی رنجش بیجا سے دُر نہیں حسرتؔ کہ ہے خلوص کو موقع ابھی صفائی کا

مقامِ اشتراکیت

کان پور ۔ ماہ جون ۴۵ء

معیشت میں ہر سو رنگ فطرت ہے جہاں میں ہوں ...
اخوت ہے جہاں میں ہوں۔ سویت ہے جہاں میں ہوں
مقام فرد بھی محفوظ ہے فوز جماعت میں!
نمایاں ہر طرف وحدت میں کثرت ہے جہاں میں ہوں
اصولِ اشتراک آئین بیت المال سے مشتق
اساسِ کار جمع و خرچ ملت ہے جہاں میں ہوں
فلاحت ہو کہ حرفت۔ کامیابی سعی انساں کی
نظام اجتماعی کی بدولت ہے جہاں میں ہوں
بری ہے فکر یاں ہر فرد کی لوثِ عقیدت سے
مسلّم اقتدارِ علم و حکمت ہے جہاں میں ہوں
رواجِ بربریت ہے مذاہب کے تعصب میں
فضائے امن و صلحِ آدمیت ہے جہاں میں ہوں
بلا تائید محنت کچھ بھی افزائش جو ہو حسرتؔ
وہ دولت کے لئے اک طوق لعنت ہے جہاں میں ہوں

کان پور ۲۱ر تا ۸ ار جولائی ۵۴ء

وصل کے شوق کا جو وصل سے اطناب کرے
عشقِ صادق جو ہو مخلص بھی تو ایسا نہ کرے

اس پہ افسوس کہ بینائے محبت ہو کر
جلوۂ دوست کا ہر شے میں تماشا نہ کرے

تاب دیدار نہ ہو جس کو خود اس کا ہے قصور
عشق اس حسن نظر سوز کا شکوا نہ کرے

فطرت حسن پہ کچھ فرض نہیں پرسشِ غم
اس کی مرضی پہ ہے موقوف کرے یا نہ کرے

تجھ کو دعوئ توکل ہے تو لازم ہے کہ تو
فکر امروز بہ اندازہ فردا نہ کرے

مرجعِ عشق ترا حسن مسلّم ہے تو پھر
کیا کرے کوئی اگر تیری تمنا نہ کرے

مجھ کو صبر و خرد و ہوش سے بیگانہ کیا
اور ابھی دیکھئے کیا کیا دلِ دیوانہ کرے

التفاتِ ستم خاص ہے کافی حسرت
حسن سے عشق توجہ کا تقاضا نہ کرے

کان پور و لکھنؤ ۔ ۱۰ر تا ۱۳ ر ستمبر ۵۴ء

حسنِ بے پردہ بے نقاب نہیں
کیا حجابِ نظر حجاب نہیں

وقفِ اہل من مزید ہے لب شوق
ستمِ یار بے حساب نہیں

اور ہے کیا جو بزمِ ساقی میں
مے کشوں کے لئے شراب نہیں!

فتنہ روز حشر ہے بے دار
شب میں وہ محو خواب نہیں

جانِ حسرت پہ قہر ہے غم ہجر
جس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں

ہم سے دانستہ جو خطاب نہیں
کیا توجہ یہ اجتناب نہیں

متبسم یہ برھمی کی
تیغ گویا ہے جس میں آب نہیں

میری مایوسیوں کی حد نہ رہی　　دل کو اب آرزو کی تاب نہیں
مے گلگوں کی روشنی میں کہیں　　دخل تاریکی سحاب نہیں!

ان کے دل میں ہے جائے حسرت!
ان کی محفل میں باریاب نہیں

بلبل بے کس سے کیا پوچھیں نشیمن تھا کہاں۔
باغباں بھی جب یہ کہتا ہو کہ گلشن تھا کہاں
جو ہری بم کی یہی گر کار فرمائی رہی!
حسرت اک دن خلق پوچھے گی کہ لندن تھا کہاں

غزلیات بابت ۱۹۴۶ء

تخمیس حسرت بر غزل حافظ

مرے حق میں کیا نہ ہوگا کبھی رحم کا اشارہ　　نہ کبھی خطاب پنہاں نہ عتاب آشکارا
کہ یہ ہو تو بیکسی کا مجھے غم بھی ہے گوارا　　بہ ملازمان سلطان کہ رساند ایں دعا را
کہ بشکر پادشاہی زنظر مراں گدا را

کوئی میرے دل سے پوچھے تو غم کی بے پناہی　　ہے بیاں کی حد سے بیروں مرے حال کی تباہی
پہ کچھ اور کہہ رہی ہے مری آرزو گواہی　　ہمہ شب امیدوارم کہ نسیم صبح گاہی
بہ پیام آشنائی بنوازد آشنا را!

بس اب تو التجا ہے کہ زبد نخوت انگیز — یہ جو تھا العبد تکلف مجھے شکل مے سے پرہیز
اسے کر دے ختم ساقی بہ عطائے رافت آمیز — بہ خدا کہ جرعۂ دہ تو بہ حافظِ سحر خیز
کہ دعائے صبح گاہی اثرے کند شمارا

تخمیس حسرت موہانی بہ غزل حافظ بسلسلۂ فال

(مورخہ ۸ / مارچ ۴۹ء بہ ذاشتائے راہ دہلی دپشاور)

فارغ از وسوسۂ سود و زیاں خواہد بود — تا دل از ولولۂ عشق جواں خواہد بود
تا نصیب ہوسِ انس بتاں خواہد بود — تا زمیخانہ دمے نام و نشاں خواہد بود
سرِ ما خاکِ رہِ پیرِ مغاں خواہد بود

بے عدد حسن ہے تیرا مری خواہش بیحد — بدعتی کہتے ہیں مجھ کو تو کہیں اہلِ خرد
عاشقی پیشہ ہے دل نیک سمجھتا ہے نہ بد — بہ زمینے کہ نشانِ کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

جب کیے خواب میں خود آکے وہ شاہِ خوباں — جب کہ حافظ بھی مصدق ہو یہ فال دیواں
تجھ کو حسرت یہ مبارک سند و مہر و نشاں — پردہ بردار کہ تا سجدہ کند جملہ جہاں
طاق ابروئے تو محراب جہاں خواہد بود

مورخہ ۴ / جون ۵۴ء بحالت خواب بہ مقام کانپور

جذبۂ شوق کی تاثیر دکھانا ہے مجھے — آپ در در کے خود ان کو بھی لانا ہے مجھے
قابل دید ہے مجبوری دل کا عالم — ابھی لائے تھے جہاں سے وہیں جانا ہے مجھے

یوں تو روشن ہے سب ان پر مرے دل کی خواہش — ہمنواں ان کی زباں کو بھی بنانا ہے مجھے
بدگمانی کا برا ہو کہ خفا ہیں دونوں — اب نہ آنا ہے کسی کو نہ بلانا ہے مجھے
تجھ پہ آکر جو ستایا تھا مجھے دل نے کبھی — تجھ سے اب ہو کے جدا دل کو ستانا ہے مجھے
پائے بوسی کی تمنا میں ترے نقشِ قدم — کہیں مل جائیں تو آنکھوں سے لگانا ہے مجھے

کوچۂ یار چھٹا ہے نہ چھٹے گا حسرتؔ
خاک میں اب تو یہیں مل کے دکھانا ہے مجھے

۳۰، نومبر ۲۶ء مطابق ۵ رمحرم الحرام کان پور

شفاعت کا لوائے احمدی جس دن اٹھا ہوگا — ہمارے ہاتھ میں دامان شاہِ کربلا ہوگا
گواہی پیش ہوگی جس گھڑی خون شہادت کی — تو حق کے پیروانِ حق کے بیشک فیصلہ ہوگا
سپر بن جائیگی جب دوستی آلِ محمد کی — رجائے مغفرت میں منقلب بیم سزا ہوگا
خطائیں بخش دی جائیں گی زہرائے ابیہا کی — بتول و حیدر و حسنین کا جب واسطا ہوگا

ڈریں حسرتؔ جنہیں ڈر ہو عقوبات قیامت کا
ہمیں تو آج بھی معلوم ہے اس روز کیا ہوگا

۲۳، دسمبر ۱۹۲۶ء مقام کان پور

پھر سے تقدیر آزمانا چاہئے — ربط انھیں سے پھر بڑھانا چاہئے
بجھ گئی تھی دل میں جو شمع امید — اس کو پھر روشن کرانا چاہیئے
حسن کی بے مہریوں کے سب گلے — آرزو کو بھول جانا چاہئے

جن کو مدت سے بھلا بیٹھے تھے ہم
پھر انہیں سے دل لگانا چاہیے
مضطرب ہے پھر بھی حسرتؔ کیوں نہ ہو
جب کہ اس کو بھی زمانا چاہیے

نامکمل بحالت خواب ۲۶ دسمبر ۴۶ء

عاشقی کیا کامیاب آرزو ہونے لگی
ان کو حالِ عاشقاں کی جستجو ہونے لگی
شوق کی رعنائیوں سے حسن کی رنگینیاں
جب ہوئیں یکجا اک بخشش نگ بو ہونے لگی

ایضاً ۲۸ دسمبر ۴۶ء

اس ستمگر کے نئے درس وفا دیتی ہے
زندگی خود مجھے پیغام قضا دیتی ہے

غزلیات حسرتؔ موہانی بابت ۴۷ء

۲ جنوری ۴۷ء کانپور

بے دلی از بس کہ وجہِ فرطِ حیرانی ہوئی
التفاتِ یار سے کیا کیا پشیمانی ہوئی
اشکبار آیا وہ ناز آں کشتگانِ عشق پر
حسن کی جانب سے یہ اچھی گل افشانی ہوئی

۲۲ اگست ۴۷ء در اثنائے راہِ کلکتہ از کانپور

زید مایوس و نامراد رہا
عشقِ دنیائے غم میں شاد رہا
خود فراموشیوں میں بھی تو ہمیں
بھول جانا کسی کا یاد رہا!

وہ جفا کار تھا جو کر کے دغا — ان سے امید وار داد رہا
وہ ستم کیش و دل نواز رہے — میں طرب کوش و غم نہاد رہا
وصل کا شوق عشق میں حسرتؔ
فی المثل موجب فساد رہا

---

۲۲ مئی ۱۹۴۷ء اثنائے دہلی از کان پور

آئینہ نجی بے عملی ہے خلیلی کا — اک طرفہ نمونہ ہے یہ نعم البدلی کا
فطرت سے ہے بری شائبہ شرک سے میری — خطرہ ہے تجھے کچھ نہ خفی کا نہ جلی کا
اے حسن ترے ناز کی خدمتیں قدیمی — حاصل ہے مجھے فخر نیاز ازلی کا
بخشا ہے پسندیدگی خلق نے یک سر
درجہ مرے اشعار کو ضرب المثلی کا

غزلیاتِ حسرتؔ موہانی بابت ۴۸ء

تخمیس غزلِ سعدی۔ یکم فروری ۴۸ مقام دہلی

مستی و بالغزشس پامی روی — فارغ از باکِ خطر ہامی روی
بے حجاب و بے محابامی روی — سرو سیمینا بصحرا می روی
نیک بے مہری کہ بے یامی روی
مشک باز از حلقہ ہائے مو ئے تو — بوئے عشق آید ز حسنِ موئے تو

سجدہ بلائے مرجبیناں سوئے تو — اے تماشا گاہ عالم روئے تو

تو کجا بہر تماشا می روی

سایہ گیر منزل دیجاہ تست — پاسدار اذن خاطر خواہ تست

ہم چو حسرت بندۂ درگاہ تست — دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست

تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

عاشق وہی عاشق ہے جو رسوائے جہاں ہو — معشوق وہی حق ہے جو بے نام ونشاں ہو

۱۹ر جولائی ۴۸ء مقام کان پور

جنس ہوس ارزاں ہے خریدار جہاں ہو — اس وقت خدا جانے وہ عیار کہاں ہو

یہ شان بھی اچھی ہے ترے بے خبروں کی — ہر لحظہ اگر نام ترا ورد زباں ہو

ہے میرے لئے محفل اغیار بھی اک چیز — پر شرط یہ ہے تو بھی وہاں جلوہ فشاں ہو

ہے شوق کو منظور وہی ان کی توجہ — جس شان توجہ پہ تغافل کا گماں ہو

کھل جائے بھرم دعویٰ ہمہ بیز کا حسرت

کاش ان کی زباں ہو کبھی اور مرا دہاں ہو

کان پور ۲۲ مئی ۴۸ء برائے مشاعرہ انجمن ادب

خم نقش بیں سے نہ مینا سے نہ کچھ جام سے ہے

رونق محفل ساقی سے گلفام سے ہے

بدگماں آپ ہیں کیوں آپ کا شکوا ہے کسے
جو شکایت ہے ہمیں گردشِ ایام سے ہے
مر مٹے ہم تو وہ کہتے ہیں یہ ہے غم سے قرار
اپنے حق میں غرض ان کی فقط الزام سے ہے
آ کبھی چکے کہیں اب جلد کہ بیتاب ہے شوق
انتظام آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے
آپ کیا پوچھتے ہیں ہجر میں دل کی حالت!
آپ کی یاد جو ہمدم ہے تو آرام سے ہے
آپ سے توڑ کے امید کے سارے رشتے
اب ہمیں کام جو کچھ ہے غمِ ناکام سے ہے
آپ حسرتؔ کو یہ کیا کہتے ہیں دشمن ہے مرا
آپ کا نام اسی عاشقِ بدنام سے ہے

کانپور ۲۲ مئی ۱۹۴۸ء

بلانوشی بھی کیوں ہو رہنِ ستی — زہے آئینِ دینِ مے پرستی
مزارِ عاشقاں پر فاتحے کو — نہ آتے تم تو کیا حسرت پرستی
ترے غم سے محیبِ عالم ہے دل کا — کہ یہ نگری اُجڑتی ہے نہ بستی
تمنا ایک حالت پہ ہے قائم — بلندی جس کی پیدا ہے نہ پستی
حدِ اندازہ و تخمیں سے باہر — متاعِ عشق ہے مہنگی نہ سستی
نہ بدلی خوئے خوباں جفا کوش — گئی جانِ وفا کیشاں ترستی

حیا مجبور تھی خواہش جنوں خیز
نہ کی حسرت نے پھر بھی پیش دستی

کان پور ۱۰ اکتوبر ۴۸ء

ہماری بے خبری کا بھی کچھ ٹھکانا ہے
کہاں سے آ رہے ہیں جانے کہاں کو جانا ہے
مگر یہ اصل سے پیوستگی کی ہے اک شکل
غرض وصال سے ہے موت اک بہانا ہے

ہم ان کے وہ ہمارے

مستزاد حسرت برائے مشاعرہ دہلی مورخہ ۲، اپریل ۴۸ء

جیتے رہے تسکین محبت کے سہارے — ہم شوق کے مارے
مونس رہے اس پرسش پنہاں کے اشارے — ہر حال میں بارے
دل کر نہ سکا حوصلۂ ترک تمنا — اس شوخ سے اصلا
ہم کو بھی (یہی) ضد تھی مگر اس کا نتیجا — نکلا یہ کہ ہارے
صد شکر وہ ہے پھر پہ سر لطف و عنایت — از راہ مروت
اب پھر ہے وہی بات "ہم ان کے ہیں حسرت — ہیں پھر وہ ہمارے"

۱۲؍ نومبر ۴۸ء

گزرا اسی طرف سے جو ہے کاروانِ شوق
ہر ہر قدم پہ اب بھی ہیں پیدا نشانِ شوق
البتہ دیدنی ہے یہ وارفتگی کی شان!
ہیں کیسے والہانہ رواں رہ روانِ شوق
پہنچیں گے جلد منزلِ مقصود تک ضرور
لاریب ہے یہ جنس گراں بھی ازانِ شوق!
قابو میں ان کو دیکھ کے دل ہے نہ ہے دماغ؛
ہو کس زباں سے دیکھئے شرحِ بیانِ شوق
حسرتؔ جو کاروبارِ محبت یہی رہا۔
چمکے گی خوب شہرِ خرد میں دکانِ شوق

۱۹؍ نومبر ۴۸ء

رنگ رخ سے طرب بھی زرد رہا | دل بہر حال رام درد رہا
زیرِ دشمن بھی حوصلہ میرا | مرد میدانِ ہر نبرد رہا
تھا بہت گرم عاشقی کا مزاج | سو بھی ان کے حضور سرد رہا
تیرہ قربت میں باوجودِ خطر | عشق بے باک رہ نورد رہا

اس جفا کار سے بھی کر کے نباہ
حسرتؔ اہلِ وفا میں فرد رہا

از ۲۸ر تا ۳۱ر دسمبر ۸ء مقام لکھنؤ فرنگی محل

بر سر لطف ہے وہ جان جہاں آج کی رات
دیدنی ہے یہ محبت کا سماں آج کی رات

کھنچ کے آجائے خود آغوش تمنا میں جو حسن
پیرِ عشق بھی ہو جائے جواں آج کی رات

بے کہے ان پہ ہے روشن مرے دل کی حالت
بے زبانی ہوئی جاتی ہے جواں آج کی رات

شوق کی حد میں ہے یا وصف نقاشوقِ لقا
غرضِ شوق ہے بے نام و نشاں آج کی رات

التفات ان کی نگاہوں کا ستم ہے حسرت
شکر بھی دل کی زباں پہ ہے فغاں آج کی رات

غزلیات حسرت موہانی بابت ۹ء

۳۰ر ۲ - اپریل ۹ء

شوق کا شکوہ رنگیں بھی نہ ہوگا شاید
حسن کی خاطر نازک پہ گراں آجکی رات

کیا عجب ہے کہ مریضانِ ہوس کے حق میں
خود وہ ہو جائیں مسیحائے زماں آجکی رات

کیوں نہ ہوں اہل ریا سر بگریبان و ملال
کامرانی ہے نصیب دگراں آجکی رات

۱۱ر اپریل ۴۹ء اثنائے راہ کانپور از دہلی

طلبِ لذتِ آزار سے بھی کچھ نہ ہوا
اس جفا پیشہ ستمگار سے بھی کچھ نہ ہوا

پھر بھی صیاد کو توفیقِ ترحم نہ ہوئی
شیونِ مرغِ گرفتار سے بھی کچھ نہ ہوا

وہ عیادت کو جو آئے بھی تو بیگانہ رہے
نظرِ آخرِ بیمار سے بھی کچھ نہ ہوا

نگہِ خلق میں پھر بھی نہ بڑھی کچھ عظمت
شیخ کے جبہ و دستار سے بھی کچھ نہ ہوا

حسن کے جورِ تغافل میں ترقی کے سوا
شوق کے گریۂ ناچار سے بھی کچھ نہ ہوا

مژدۂ وصل نہ ملنا تھا نہ حسرت کو ملا
انفعالِ نگہِ یار سے بھی کچھ نہ ہوا

یکم جولائی ۴۹ء کانپور ۔ بحالتِ خواب

تصور میں وہی پیشِ نظر تھا
نہ جانے دل میں وہ پنہاں کدھر تھا

بس یک جنبشِ بادِ حوادث
ثبات اپنا چراغِ رہ گزر تھا

تری بے اعتنائی کی بدولت
تمنا کا جہاں زیر و زبر تھا!

میانِ حسن و عشق اک ربطِ باطن
گہے رہبر تو گاہے نامہ بر تھا

نظر تجھ پر کرم کی تھی اگر تھی
بظاہر تھا ترا غصہ اگر تھا

ترے زیرِ قدم آنے کا مشتاق
مرا سر تیرے پائے ناز پر تھا

نہ چھوٹی ہم سے حسرت عشق بازی
یہ سب کس کی توجہ کا اثر تھا

دہلی ۔ ۲۱ر اگست ۴۹ء

پھر یاد جو آئی ہے مدینہ کی بلا نے
کیا یاد کیا پھر مجھے شاہِ دوسرا نے
ایسا ہے تو پھر فکر ہے کیوں زادِ سفر کی
کیا غیب کے کھل جائیں گے مجھ پر نہ خزانے
میں غلبۂ اعدا سے تو راہوں نہ ڈروں گا
یہ حوصلہ بخشا ہے مجھے شیرِ خدا نے
تھا شب کو جو میں حاضرِ دربارِ محمدؐ
چھوڑا ہے اثر دل پہ عجب اسکی فضا نے
حسرتؔ مجھے اس جانِ جہاں سے ہے تعلق
سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی جانے کہ نہ جانے

ایک نعتیہ غزل کا جو بحالت خواب ذہن میں آئی تھی مندرجۂ ذیل مصرع یاد رہا گیا۔ باقی پوری غزل میں نے کسی جگہ نوٹ کر لی تھی۔ مگر وہ کاغذ کہیں کھو گیا۔ اور وہ غزل ذہن سے بالکل اتر گئی "کسی نے مجھ کو" "بے بال و پری نے مجھ کو" کے الفاظ قافیہ ورد یف تک یاد ہیں۔ صرف مضمون فراموش ہو گیا۔ ۵

جلد سے جلد پہنچنا ہے مدینے مجھ کو!
کیوں نہ تڑپوں کہ بلایا ہے نبی نے مجھکو

مقام بمبئی ۔ ۲۶ر دسمبر ۴۹ ۱۹ء و بہ اوقات مختلف

پھر کیوں تری طلب میں نہ ہوں جان و دل فدا
جب مانتے ہیں سب کہ یہ نعمت ہے بے بہا

دنیا سے منہ کو موڑ کے اے محوِ ذاتِ حق
ہم عاصیوں کے پاس کبھی خواب میں تو آ

کیا کیا ہیں کیا بتاؤں مرے دل کی خواہشیں
وابستہ تیری ذات ہے اے جانِ مدعا

عشاق کی نظر میں ترا ظلِّ عاطفت
ہے خیلِ آرزو کے لیے سایۂ ہما

مرا ستم بھی ہم پہ کرم ہے زہے ستم
تیری جفا بھی ہم کو وفا ہے زہے جفا

تیرے خرامِ ناز سے گلشن کی ہر روش
ہر دم ہے منتظر کہ قیامت ہو کب بپا

حاشا و زنہار کہ اے جانِ حسن و عشق
حسرت کے دل میں اور بھی کچھ ہو ترے سوا

غزلیات حسرت موہانی بابت ۵۰ء

بہ سلسلۂ غزل سابق نوشتہ آخر دسمبر ۴۹ء و جنوری ۵۰

سرِ چاہت پہ ہمکو نہیں آجتک پتہ
کچھ دل نے کی خطا کہ ہوئے یونہی تم خفا

تم کو نگاہِ شوق سے دیکھا تو کیا ہوا
کچھ جرم تو نہیں جو یہ ہو درخورِ سزا

دہلی مورخہ ۲۳ر جنوری ۱۹۵۰ء

دل میں جو ذوقِ عشقِ بتاں آرمیدہ ہے
کیوں کر نہ ہم کہیں یہ قلندر رسیدہ ہے

تو دل سے حالِ حسن کے تم اُن نہ پوچھئے
تکرار کیوں ہے اس کی جو قصہ شنیدہ ہے

عشاق کی نظر میں ترا اجتناب بھی
چشمانِ آرزو کے لیے نور دیدہ ہے

تیری طلب میں خاک بسر ہے سکونِ دل
تیری ہوس میں شوق گریباں دریدہ ہے

اتنا بھی کیا غرور کہ اے بے نیازِ حسن
حسرت کے حق میں بھی ترا دامن کشیدہ ہے

---

۲۳ و ۲۴ر جنوری ۱۹۵۰ء بمقام کان پور

تا غمِ ہجوم و مصیبت نہ نوحہ خوانِ زندگی
رحمتِ امید ہے اب تک نشانِ زندگی

قطرے کو دریا کی حس کو وصلِ موتی کی ہے تاب
بن چکے ہیں یا کبھی ہم ترجمانِ زندگی

چار دن کی چاندنی یا عشرتِ عہدِ شباب
عارضی تھی وہ فراغت میہمانِ زندگی

واقعاتِ عاشقی آنے لگے ایک ایک یاد
ختم ہونے پر جب آئی داستانِ زندگی!
کچھ بھی ہو سیلِ حوادث کا اگر مجھ کو خطر
میں یہ کہتا ہوں قسم کھا کر بہ جانِ زندگی
واصلانِ حق فنا فی اللہ ہے جن کا مقام
اہلِ دنیا کو ہوئیں ان پر گمانِ زندگی
بن گیا ہے قوتِ امید سے ہر ہوس
موت کا خطرہ بھی گویا ہم زبانِ زندگی
کس قدر ہموار ہے حسرتؔ رہ ملکِ فنا
سہل منزل کو رواں ہو کاروانِ زندگی

۱۷ تا ۱۹ مارچ ۵۰ء بمقام کان پور

ہر لحظہ خودکشی کا طلب گار ہو گیا
جینا فراقِ یار میں دشوار ہو گیا
تسکینِ غم سے سوزِ محبت کا راستا
اہلِ وفا کے واسطے ہموار ہو گیا
اچھا ہوا کہ شیخ پہ بھی عاشقی کا رنگ
ایسا پڑا کہ رونقِ دستار ہو گیا
ہمت نہ ہو سکی طلبِ التفات کی
ڈر یہ رہا ادھر سے جو انکار ہو گیا
اس شوخ کی نگاہ کا جادو میں کیا کہوں
جس پہ نظر پڑی وہ گرفتار ہو گیا
سن سن کے تیرے دردِ محبت کی لذتیں
ہر شخص جان و دل سے خریدار ہو گیا
سب کچھ تیری طلب میں فدا کر کے جان و دل
عاشق نہیں کیا ہوا کہ سبک بار ہو گیا
حسرتؔ یہ خوب ہی ہے ترے اعتذار کی
شکرِ جفا سے اور وہ بیزار ہو گیا

۲۸ مارچ ۱۹۵۰ء مقام کان پور

پیمانِ وفا کے ایسا کہ ہم ان سے تقاضا بھول گئے :
اس کا بھی تو اب احساس نہیں کیا یاد رہا کیا بھول گئے
تم جب سے ہوئے جو ہم سے جدا اپنا بھی نہ وہ مسلک ٹھہرا
لوگوں میں جس سے یہ چرچا ہم بھی تمہیں گویا بھول گئے
دینی جو انہیں ہوتی نعمت خود ہی وہ دیتے کیا حسرتؔ
کیوں تم نے طلب ہی کی بہ عبث آئین تمنا بھول گئے

---

۱۸ جولائی ۵۰ء مقام کانپور

جب دور سے وہ گنبدِ خضرا نظر آیا — اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا
ہر چار طرف بارش انوار کا عالم — موجود پئے دیدۂ بینا نظر آیا

مسجد میں جو تھا متصل روضۂ اطہر — اک قطعہ وہ جنت کا نمونہ نظر آیا
البتہ سکوں بخشی و خوشبو کی رو سے اُف — ہر خطۂ دنیا سے نرالا نظر آیا

حق بینی کو اس روضۂ اطہر کا منارا — ہم مرتبۂ عرشِ معلا نظر آیا
ہم ہجر کے ماروں کو اسی قرب میں یکسر — بیماری فرقت کا مداوا نظر آیا
البتہ جو محرومِ سکوں تھا دلِ حسرتؔ
آخر وہ یہیں آکے شکیبا نظر آیا

۱۹ر جولائی ۵۰، مقام کان پور

مذاقِ عشق برخوردار کر دے — مجھے محوِ جمالِ یار کر دے
مرے سرمایۂ ہوش و خرد کو — بیک حکمِ جنوں بیکار کر دے
نہ کیونکر ہو کہ جب وہ خود بلائیں — تو زاہد خشک بھی انکار کر دے
عجب کیا گر مرا خوں از سرِ نو — ترے خنجر کو جوہر دار کر دے
بس از ترکِ ہوس کیا ہو جو وہ شوخ — کہیں پھر شوق کو بیدار کر دے
تماشا ہو جو توفیقِ الٰہی — انھیں خود بیں مجھے خود دار کر دے

مرا ذوقِ ستم اے کاش حسرت
اسے بھی ضد میں بے آزار کر دے

۸ر تا ۱۲ر اگست ۵۰، کان پور

رندوں کے لیے میخانے میں کچھ قحطِ مے گلفام نہیں
محروم نہ رہتا کوئی مگر ساقی کی نوازش عام نہیں
مخصوص کرم ہے بھی کوئی معلوم نہیں یہ کسی کو بھی !
غیروں کی شکایت بھی ہے یہی میرا ہی خیال خام نہیں
تقدیر کا شکوہ کیوں میں کروں ہر حال میں راضی کیوں نہ رہوں
تعمیل تمنا کیوں چاہوں ایسا ہو تو حسرت نام نہیں

۲۳، ۲۴، ۲۵ر اگست ۵۰، کان پور

بادِ نسیم ادھر سے کہ بادِ صبا چلی
بادِ مراد ہو کے چلی جو ہوا چلی!

فرقت میں یادِ یار کی اللہ رے بے رخی
ہم سوچتے ہی رہ گئے کیا آئی کیا چلی

دعوائے ترکِ عشق پہ تجھکو تری نظر
کیا کچھ نہ طعن و طنز کی باتیں بنا چلی

میری وفا کا ذکر بھی بے صرفہ آگیا
محفل میں تیری بات جب اہلِ وفا چلی

حسرت غرورِ حسن کی خدمت میں عاشقی
پھر بے قرار ہو کے پئے التجا چلی

---

۶ ر ستمبر ۵۰ء اثنائے راہ بمبئی از کانپور

خو نہ چھوٹی گناہگاری کی
حد ہے یہ اپنی شرمساری کی

دل میں پیدا ہے نورِ حسبِ جلال
با وجود کمال تاریکی

نکلیں آنسو برائے عفوِ گناہ
کہ ضرورت ہے آبِ جاری کی

بے بسی میں بھی جان دل نہ کھلا
رہ گئی شرم پردہ داری کی

جور کو جور جان کر بھی تو ہم
خو نہ ڈالیں گے آہ و زاری کی

شکوہ سنجی کو ختم ناز کیا
عاشقی نے وہ طرفہ کاری کی

تو نے حسرت پہ خوب ڈالی ہے
طرح تو آرزو نگاری کی

۲۳، ۲۴ ستمبر ۵۰ء

یہ مجال کس کی ہے اے پری کہ ترے جنوں کی دعا کرے

جو کرے بھی کوئی تو وہ کرے جسے اس کا اہل فدا کرے

نہ تجھے کرم سے ہے واسطہ نہ ہے درگزر ہی کا حوصلہ

کس امید پر ترے روبرو کوئی اعترافِ خطا کرے

تری بے نیازیِ حسن کا یہ ہے عاشقوں سے مطالبہ

نہ کوئی کرم کی ہوس کرے نہ کوئی ستم کا گلا کرے

تجھے کچھ بھی خوف خدا نہیں یہ طریق کیا ہے کہ اے حسیں

تو اسی کا دشمن جان ہے دل و دیں جو تجھ پہ فدا کرے

مجھے حسرتؔ آج بھی یاد ہے وہ حسن کا مصرعِ غمنوا

نہ دعا کرو نہ دعا کرو کوئی مر نہ جائے تو کیا کرے

جہازِ محمدی درمیان بحر احمر ۱۶ دسمبر ۵۰ء

کس کو چاہوں اور میں تیرے سوا لیس للانسان الا ما سعیٰ

کر سکے تجھ پہ نہ جان و دل فدا ہو سکا ہم سے نہ تیرا حق ادا

طرۂ زلف ان کا ہوتا ہے دوتا دیکھیے کس کس پہ آئے یہ بلا

کر ادھر بھی ایک ایسا سا کرم اے کہ تیری ذات ہے بجز

کوئی دنیا میں کہاں تیری مثال باجمال و باکمال و دلربا!

ردح پرور ہے ہوائے کاخِ دوست جاں فزا ہے اس کے کوچہ کی ہوا

قسمت حسرتؔ کی محرومی نہ پوچھ

بے اثر سینے آہ نالہ نارسا

۲ر اکتوبر ۱۹۵۰ء

جب نظر وہ دیار آتا ہے — گریہ بے اختیار آتا ہے
دل مرا مل کے عشق سے گویا — بر سرِ روزگار آتا ہے
دیکھئے کب شکیبِ حسرت کو
سکرِ غم بر قرار آتا ہے

۲۰ر نومبر ۵۰ء

شوق کو دادِ حیا ملتی نہیں — وہ نگاہِ آشنا ملتی نہیں
بوئے کوئے یار سے باوصفِ زعم — نکہتِ بادِ صبا ملتی نہیں
شیوۂ اہلِ ریا سے زینہار — خوئے اربابِ صفا ملتی نہیں
دیدنی ہے یہ مروت حسن کی — جرمِ الفت کی سزا ملتی نہیں
ان سے ملنے کی ہوس میں شوق کو — ڈھونڈتا ہے اور دعا ملتی نہیں
آشکارا ہو کہ پنہاں وہ نظر — ساتھ ہے کیا ملتی نہیں
عاشقی سے خوئے نازِ حسن دوست — بر سبیلِ اعتنا ملتی نہیں
یہ بھی حسرت کیا ستم ہے عشق سے
حسن کی دادِ جفا ملتی نہیں

ک۔ ص۔ نیا۔ ا۔ ع۔ ز۔ ٥۔

کانپور ۱۲ ر اکتوبر ۱۹۵۰ء

سب ترے دام تمنا میں ہیں اے یار بندھے
جن بندھے انس بندھے کافر و دیندار بندھے

دیکھتے ہی میں ہیں وہ حلقۂ گیسوئے نازک
جس میں ہیں کتنے ہی دلہائے گرفتار بندھے

تم اگر سیر کو نکلو تو پھنسیں دل لاکھوں
دل شکاری کا وہ عالم دم رفتار بندھے

جب ترے جلوہ نظر سوز مسلم ہے تو پھر
کس خطا پر ہیں ترے طالب دیدار بندھے

پرتو حسن سے زیبا ہی رہے گا حسرت
چاہئے جس طور سے وہ طرۂ دستار بندھے

تمام

کتبہ ض۔ خ۔ ا۔ ع۔ ا۔ ن۔ خ۔ م۔ ہنسوری۔